Ridadigest.com

خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ

ردا ڈائجسٹ

JANUARY
2018

ماڈل: نساء جبین

میک اپ: روز بیوٹی پارلر

فوٹو گرافی: موسیٰ رضا

ردا ڈائجسٹ

خط و کتابت کا پتہ

ردا ڈائجسٹ

۱۳۹ - ڈی - بلاک ۲

پی ای سی ایچ ایس

کراچی

چیف ایڈیٹر

صالحہ محمود

ایڈیٹرز

سعدی محمود جعفری ، بلال جعفری

نمائندہ امریکہ ، فراز جعفری

E-Mail: frazjafri@aol.com

نمائندہ UAE ، عمیر علی جعفری

E-Mail: [illegible]

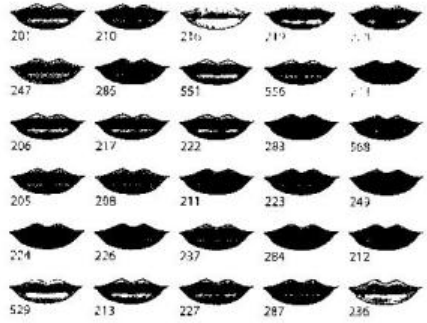

نمائندہ لندن ، شگفتہ آصف خان

آرٹسٹ : جنید انصار

ایگزیکٹیو ایڈیٹر : محمد صدیقی

سلسلے وار ناول

صحراؤں کی گلیوں میں — قمروش — ۱۰
عشق کی داستاں جدا — ریحانہ آفتاب — ۱۰۲
زندگی پھول محبت خوشبو — شازیہ مصطفیٰ — ۱۹۴

مکمل ناول

سانسوں کی مالا — مون شاہ — ۳۴
ناز فتح — فریدہ فرید — ۱۳۲

ناولٹ

تیرا ساتھ چاہیے — نظیر فاطمہ — ۶۰
ہم تمہارے ہیں — صبا سعید — ۱۵۸

افسانے

داتا — ایقان علی — ۱۸۶
بڑی دیر کی مہرباں — مصباح مسکان — ۸۴
کر تھوڑی مہربانیاں — افسانہ آفتاب — ۹۲
کچھ لمحے چرالوں — اقراء چنا — ۹۸
عزت کانچ جیسی — ثناء کنول — ۱۷۰
دل کی تمنا — اسویرہ علی — ۱۷۶
نیا سال نئی خوشیاں — مہرین کنول — ۸۰
ہنوز دلی دور است — تہمینہ چوہدری — ۸۲

مستقل سلسلے

ردائے جنت — صالحہ محمود — ۷
ردا کی ڈائری — صدف سعد — ۲۰۶
ذرا پھر سے کہنا — شہلا مشائق — ۲۱۶
خوشبو — نورین ملک — ۲۱۳
اس ماہ میں — نورین ملک — ۲۱۰
کچن — ثریا اقبال — ۲۲۲
سنگھار — شہلا مشائق — ۲۲۵
اشعار — نورین ملک — ۲۰۸
دوستوں کے نام پیغام — ادارہ — ۲۲۰

جنوری 2018ء
جلد نمبر 22 شمارہ نمبر 1
قیمت 70 روپے

www.facebook.com/rida.digest

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
720 روپے

34535726

پبلشر وایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

انتباہ:۔
ماہنامہ ''ردا'' ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل یا ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار کسی بھی ناول کی اشاعت پر ادارہ چوری کی ایف آئی آر درج کرادے گا اس لئے پبلشر سے اجازت لینا ضروری ہے ادارہ ''ردا پبلیکیشن''۔

صالحہ محمود

شب بیت گئی پھر صبح کا اجالا پھیلا سورج، کرن کی طرح اجلا۔ صبح جنوری کا سویرا آیا۔ سرسبز و شاداب شاخوں پر پھر زندگی کا نکھار پھوٹ پڑا۔ گئے دنوں کی باتیں اپنے دوستوں کا بچھڑنا سب کچھ یاد آیا۔ یادوں میں ہزاروں دسمبر کی راتیں جنوری کی پہلی کرن کے ساتھ ایک دکھ کا سایا بھی یاد آیا۔ ہزاروں خوشیوں کے بیچ وہ چہرہ یاد آیا ہے۔ میرے بھائی ہادی کا ہنستا ہوا چہرہ جس کو امریکہ کی فضاؤں نے ایک حادثے میں ہم سے چھین لیا۔ وہ چہرہ برسوں بعد بھی یاد آتا ہے، ہزاروں رحمتیں برسیں اس پر خشک دھوپ کا سایہ بھی نہ اترے۔ اس کی لحد پر بار رحمت اترے۔

زندگی کے یہ شب روز ہیں جن سے کبھی ہم تو کبھی آپ دوچار ہوئے۔ بہر حال کوئی کسی کے لیے نہیں رکتا۔ زندگی کی رفتار انہی ماہ و سال کی طرح گزر جاتی ہے۔ دسمبر کبھی آتا ہے تو کبھی جنوری لوٹ آتی ہے۔ میرے چاہنے والے محبت کرنے والے اسی گھنے سایہ شجر میں آباد رہیں۔ میرے لکھنے والے سب خوش اور آباد رہیں۔ جنوری کی صبح تو انہیں آواز دیتی رہے۔ ہر دستک پر ان کی زندگی کی خوشیاں آواز دیں۔ کبھی چہرے بھیس بدل کر بدل بھی جاتے ہیں مگر دل، دل ہی رہتا ہے۔

سو جنوری کی صبح نو نیا سال، سب کو مبارک ہو۔ آنے والا وقت سب کے لیے خوشیاں لائے، زندگی کی نوید ہو علشبہ کو، یونہی وہ سدا مسکراتی رہے۔ شادمانی دہلیز پر دستک دیتی رہے۔ ہماری نئی لکھنے والی جہانہ آفتاب اپنے پیا کے گھر میں خوش اور آباد رہیں۔

قارئین! زندگی کا سفر جاری و ساری ہے۔ ہمیں محبت سے زیادہ دعاؤں کی ضرورت ہے۔

ردا! آپ کا اپنا ہے، لکھتی رہیے، اس یقین کے ساتھ کہ ایک دن آپ اپنا مقام پالیں گی۔

صالحہ محمود

صالحہ محمود

Ridadigest.com

ماں کا احترام:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا۔

عرض کیا گیا۔ ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ [illegible] [illegible] علیٰ [illegible]؟''

[illegible] نے فرمایا۔ ''اپنی ماں سے۔''

پوچھنے والے نے کہا۔ ''اس کے بعد کس سے؟''

فرمایا۔ ''اپنی ماں سے۔''

اس نے کہا۔ ''اس کے بعد کس سے؟''

فرمایا۔ ''اپنے باپ سے۔''

اس نے کہا۔ ''اس کے بعد کس سے؟''

فرمایا۔ ''جو زیادہ قریبی (تعلق رکھتا) ہو، پھر جو (اس کے بعد) زیادہ قریبی ہو۔''

باپ کا حق:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''بیٹا اپنے باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا مگر صرف اس صورت میں (ادا کر سکتا ہے) کہ اسے غلام پائے تو اسے خرید کر آزاد کر دے۔''

اولاد کی دعا:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''قنطار بارہ ہزار اوقیے کے برابر ہے۔ ہر اوقیہ زمین و آسمان کے درمیان کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''جنت میں آدمی کا درجہ بلند کیا جاتا ہے۔''

وہ کہتا۔ ''یہ کس وجہ سے ہوا۔''

اسے کہا جاتا ہے۔ ''تیری اولاد کے تیرے لیے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے۔''

جنت اور جہنم:

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی [illegible] کہا۔ [illegible] اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اولاد پر والدین کا [illegible] ہے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''وہ تیری جنت او[illegible] جہنم [illegible]یں۔''

والد کے قرابت داروں سے صلہ رحمی:

حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا، ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ قبیلہ بنو سلمہ کا ایک آدمی آیا اور عرض کیا۔

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میرے والدین سے حسن سلوک کی کوئی صورت

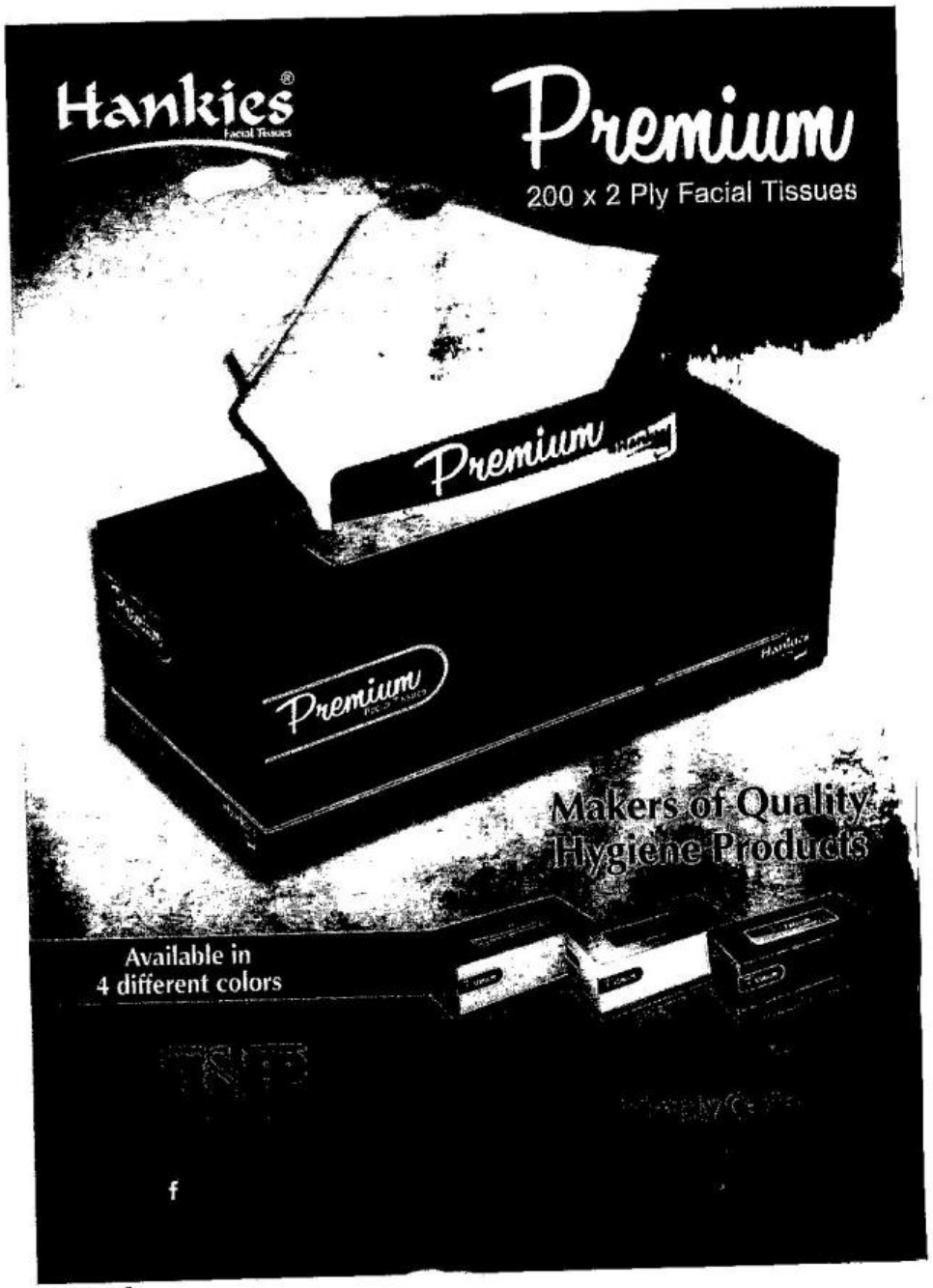

باقی ہے، جس کے ذریعے سے ان کی وفات کے بعد میں ان سے نیکی کر سکوں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ہاں ان کے لیے دعا کرنا، ان کے لیے (اللہ سے) بخشش کی درخواست کرنا، ان کی وفات کے بعد ان کے وعدے پورے کرنا (جو وہ زندگی میں پورے نہ کر سکے ہوں) ان کے دوستوں کا احترام کرنا اور ان رشتے داروں سے صلہ رحمی کرنا جن سے تعلق صرف ان کے واسطے سے ہے۔"

بیٹیوں سے حسن سلوک کا بیان:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کچھ اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا۔

"کیا تم لوگ اپنے بچوں کو چومتے ہو؟"

صحابہؓ نے کہا۔ "ہاں!"

انہوں نے کہا۔ "لیکن قسم ہے اللہ کی ہم تو (اپنے بچوں کو) نہیں چومتے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "یہ میرے اختیار کی بات تو نہیں جب اللہ نے تمہارے اندر سے رحم کا جذبہ سلب کر لیا ہے۔"

بخار کا بیان:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بخار کا ذکر ہوا تو ایک آدمی نے اسے برا بھلا کہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس (بخار) کو برا نہ کہو۔ اس سے گناہ اس طرح دور ہو جاتے ہیں جس طرح آگ سے لوہے کی میل کچیل دور ہو جاتی ہے۔" (مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے جسے بخار تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ بھی ساتھ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مریض سے) فرمایا:

"خوش ہو جاؤ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، بخار میری آگ ہے جسے میں دنیا میں اپنے مومن بندے پر مسلط کرتا ہوں تاکہ آخرت میں جہنم کے عذاب کے عوض اس کا حصہ اس (بخار) کو قرار دیا جائے۔"

ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بخار جہنم کی بھاپ سے ہے، لہٰذا اسے پانی کے ذریعے سے ٹھنڈا کرو۔"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بخار کی شدت جہنم کی بھاپ میں سے (ایک قسم) ہے لہٰذا اسے پانی کے ذریعے سے ٹھنڈا کرو۔"

حضرت رافع خدیجؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمان سنا: "بخار جہنم کی بھاپ سے ہے لہٰذا اسے پانی کے ذریعے سے ٹھنڈا کرو۔" پھر آپ حضرت عمارؓ کے ایک بیٹے کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا۔ "تکلیف دور کر دے، اے لوگوں کے مالک! اے لوگوں کے معبود!"

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جن چیزوں سے تم علاج کرتے ہو، اگر ان میں سے کسی میں کوئی بھلائی (اور فائدہ) ہے تو وہ سینگی (لگانے میں) ہے۔" ☆☆☆

Ridadigest.com

RIDA

قمروش شہک

صحرائوں کی رگوں میں عشق

سید اذکار علوی کو جہاں خوشی تھی وہیں حیرت بھی تھی اور پھر شکر بھی کیا تھا کہ کوئی تو ہے جس نے ندیم بلوچ کے دل کے تاروں کو چھیڑا ہے مگر ہائے رے قسمت، رجاء صدیقی کی بھی الگ ہی منطق سامنے آئی۔

''اچھا اچھا فکر مت کرو۔ نکالتے ہیں کوئی حل۔ یوں کرتے ہیں رجاء صدیقی سے میں خود ایک بار اور بات کرتا ہوں۔ وہ دل کی بری نہیں ہے، سمجھ جائے گی۔ اب زندگی تو گزارنی ہے، تمہارے ساتھ ہی سہی۔''

سبکتگین حیدر نے بھی شوخ نظروں سے ندیم بلوچ کو دیکھا۔

''فی الحال تو مجھے ایک ... اور نظر آرہا ہے۔'' ندیم بلوچ نے باری باری سبکتگین اور اذکار کو دیکھا۔ ان دونوں نے بھی ندیم بلوچ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پہ کچھ پراسرار سا تھا جو ان دونوں کی تو سمجھ سے باہر تھا۔

''کیسا حل؟'' اذکار علوی نے پوچھا۔

''وہ یہ کہ تم دونوں میں سے کسی کے بھی سب ... جس کے ٹوئنز بے بی ہوئے وہ میرے۔''

''واٹ!''

قسط نمبر 16

digest.com

سبکتگین اور اذکار کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ان دونوں کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ندیم بلوچ کچھ ایسی انوکھی خواہش کر دے گا۔

''ہا، ہا، ہا....'' ٹیبل پر اس خاموشی کو ذاکر حیات کے جاندار قہقہے نے توڑا تھا اور یہ ہنسی کوئی ایک منٹ تک تو رہی ہوگی۔ ندیم بلوچ نے بڑے چبھتی نظروں سے دیکھا تھا ذاکر حیات کو۔

''سر! اب تو آپ کو ندیم صاحب کی خواہش پوری کرنی ہی ہوگی۔'' ذاکر حیات نے مسکراتے ہوئے کہا۔ سبکتگین حیدر ترمذی تو خاموشی سے اذکار علوی کو دیکھ رہا تھا۔

''تو ہے ہی بے غیرت۔'' اذکار علوی نے خفیف ہوتے ہوئے ندیم بلوچ کو گھور کے دیکھا۔ اذکار کی سرخ رنگت پر ندیم بلوچ کی ہنسی نکل گئی۔

''یہ دیکھو میری خواہش پر حیدر بھی اپنی بغلیں بجھا نک رہا ہے، مشرقی عورت کا تو بہت ذکر سنا تھا مگر آج مشرقی مرد بھی دیکھ لیا۔'' ندیم بلوچ ان دونوں کی حالت سے خوب لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس دوران ویٹر بھی ٹرے میں چار عدد کافی کے کپ لے آیا تھا۔ سبکتگین حیدر نے اپنا کافی کا مگ اٹھالیا اور کچھ نہ کہنے کے لیے مگ لبوں سے لگالیا۔ اس کے ذہن میں پتہ نہیں کون سی نئی بات [illegible] ابھرا تھا اور پھر اسی وقت اس کا سیل فون بھی چیخ پڑا۔ سبکتگین حیدر ترمذی نے فون دیکھا جہاں [illegible] ''مما کالنگ'' جگمگا رہا تھا۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

''مما کالنگ، ایکسکیوز می۔'' اس نے اپنے سیل فون کی اسکرین ندیم بلوچ کو دکھائی اور کافی کا مگ واپس ٹیبل پر رکھ کے کھڑا ہو گیا۔

''یہ دیکھو، حیدر صاحب نے تو اپنی جان بچالی بڑی خوبصورتی سے، اب تو اذکار سر آپ ہی رہ جاتے ہیں۔'' ذاکر حیات بھی خوب انجوائے کر رہا تھا۔

''آپ کو بہت مزہ آرہا ہے، ذاکر۔'' سید اذکار علوی نے ذاکر حیات کا کھلتا چہرہ دیکھا۔

''اذکار سر! مجھے ندیم صاحب پر زیادہ ترس آرہا ہے۔''

''وہ تو اندازہ ہے مجھے۔'' اس کا اشارہ ذاکر حیات کی بیساختہ ہنسی پر تھا۔

''دیکھ اذکار، ڈن کرتا کہ میں اس بے وقوف لڑکی کو روک سکوں، یار میری زندگی کا مسئلہ ہے۔'' بہت معصومیت بھرا انداز تھا۔

''او کے بابا، وقت تو آنے دے پھر دیکھا جائے گا۔''

''بس فوج کی زبان، ایک زبان۔ مان لیا کہ ٹوئنز بے بی میرے ہوئے۔'' اس نے پرسکون ہوتے ہوئے اپنا گرم کافی کا مگ اٹھالیا۔

''یہ شرط ہے اذکار سر کہ بے بی ٹوئنز ہی ہوں؟'' ذاکر حیات نے مسکراتے ہوئے چٹکلا چھوڑا اور پھر اپنا کافی کا مگ اٹھالیا۔ اذکار علوی مسکرا دیا۔ اس نے بھی اپنا گرم کافی کا مگ اٹھالیا۔

''اچھا ہاں، یاد آیا، تمہارے مشن کا کیا ہوا؟ سہد وڑائچ پکڑا گیا؟''

ندیم بلوچ نے گرم کافی کا کپ سپ لیا۔

''پکڑا جائے گا، انشاءاللہ۔ زیادہ ٹائم نہیں لگے گا اب۔'' اذکار علوی نے بھی ایک گرم سپ لیا اور مگ ٹیبل پر رکھا۔

''کچھ سراغ ملا؟''

''دیکھو اللہ کرے جہاں کا سراغ ملا ہے وہ وہیں ہو۔''

''انشاءاللہ۔'' ندیم بلوچ نے بھی صدق دل سے دعا دی۔

''کیا ہوا، ہوگئی بات؟'' ندیم بلوچ نے اپنے برابر میں بیٹھتے سبکتگین حیدر ترمذی کو دیکھا۔

''ہاں ہوگئی، مما واپس آگئی ہیں سعودی عرب سے۔ ان کے بعد پاپا کی کال آگئی۔ آج ضورف سنگھانیا سے میٹنگ تھی۔ مجھے بھی بلایا تھا مگر میں جا نہیں سکا، صرف تمہاری وجہ سے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اپنا مگ اٹھالیا۔

''ضورف سنگھانیا، شاید انڈین؟'' ذاکر حیات کو بہت عجیب سا لگا۔

''ہاں انڈین، بزنس ڈیلنگ تو بزنس مین قیصر انکل سے کنفرم ہوگئی تھی مگر ضورف سنگھانیا نے پھر بعد میں منع کر دیا۔''

''ہوں؟ بلکہ میں نے سنا ہے چوہدری قیصر عسکری بزنس کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ تم انہی قیصر انکل کی بات کر رہے ہو نا؟'' سید اذکار علوی نے اپنا مگ خالی کر کے ٹیبل پر رکھ دیا۔

''ہاں، مگر ابراش کو دیکھ کر.....''

''ابراش....!''

''قیصر انکل کا اکلوتا بیٹا۔''

''ابراش کو کیا ہوا ہے؟''

پتہ نہیں کیوں سید اذکار علوی کو انٹرسٹ ہو رہا تھا۔ سبکتگین حیدر ترمذی نے ابراش عسکری کے حادثے کے بارے میں الف سے یے تک کی کہانی سنا دی۔

''اوہ، بہت افسوس ہوا مگر حیرت ہوتی ہے دنیا میں ایسے بھی عجیب لوگ ہوتے ہیں۔''

''ضورف سنگھانیا تو شاید سائیکو سے بھی بڑھ کر ہے، میری ملاقات تو نہیں ہوئی مگر ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔ ایسے عجوبہ لوگوں کو دیکھنے کا شوق ہے۔''

سید اذکار علوی اور ذاکر حیات کو ایک ساتھ سہد وڑائچ کا خیال آیا تھا۔ وہ بھی تو ایسا ہی تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

☆......☆

محبت کبھی میں نے کی تو نہیں تھی، کسی کی نگاہوں سے پی تو نہیں تھی مگر یہ اچانک ہوا کیا ہے۔ تو سانسوں میں سمائے تو دھڑکن کو چرائے کہیں دیوانہ ہو جاؤں نا تیرا۔

ابراش عسکری ہاتھ میں گٹار لیے سونو نگم کا گانا گنگنا رہا تھا۔ اتفاق سے اس کی آواز بھی بہت اچھی تھی مگر مقابل والا! اجیارہ وہ اندر ہی اندر تپ رہی تھی، سلگ رہی تھی۔ کچھ دنوں سے وہ ابراش عسکری کے بدلتے تیور، لو دیتی نگاہیں خود کے لیے محسوس کر تو رہی تھی مگر وہ جانتی تھی یہ غلط ہے، سراسر غلط ہے۔ وہ ایسا کچھ سوچ بھی نہیں سکتی تھی مگر آج ابراش عسکری نے تو سارے ریکارڈ توڑ دیے تھے۔

آج وہ سنی کو ٹھیک طرح سے پڑھا بھی نہیں پا رہی تھی۔ اندرا اپنے روم میں بیڈ پر نیم دراز لیٹی زنیرہ جو کوئی اردو ناول پڑھ رہی تھی، ابراش عسکری کی سریلی گنگناتی آواز جو اس کے کانوں میں پڑی، پہلے تو وہ اس کو اپنا

Ridadigest.com

وہم سمجھی تھی مگر گٹار اور ابراش عسکری کی مسلسل آتی آواز پر اس نے ناول بند کیا اور سائیڈ میں رکھا اور بیڈ سے نیچے اتر کر حقیقت کی تصدیق کرنے باہر نکلی۔

پہلی نظر کا پہلا نشہ دل میں اترتا جائے صنم
شرما کے مجھ سے ملنا تیرا جادو سا کرتا جائے صنم
یہ بے قراری ایسی خماری پہلے کبھی تو مجھ پر نہ رہی
کبھی دل پہ یوں بے خودی تو نہیں تھی، کسی سے مجھے عاشقی تو نہیں تھی

مگر یہ اچانک ہوا کیا۔

گٹار کا میوزک اجیارہ کو چڑا رہا تھا۔

”آپ کا مسئلہ کیا ہے، نظر نہیں آ رہا میں سنی کو پڑھا رہی ہوں مگر مسلسل آپ کا یہ فضول گانا اور یہ بے ہنگم میوزک ہماری پڑھائی میں ڈسٹرب کر رہا ہے۔ آپ اپنا شوق اپنے کمرے میں جا کر کیوں نہیں کرتے۔“

وہ سخت جھنجھلا کر رہ گئی تھی۔ اس کی برداشت اب ختم ہو گئی تھی۔ کوئی ایک بجے سے لے کر تین بج گئے تھے مگر وہ ابھی تک سنی کو ایک لفظ بھی پڑھا نہیں پائی تھی۔ ابراش عسکری نے نہایت شوق سے اس کا جھنجھلایا گلابی چہرہ دیکھا تھا۔ بغور اس کا نازک اندام سا اپسراؤں کو شرماتا وجود دیکھا تھا۔ جانے کیوں اس گلابی چہرے کا وہ اسیر ہوتا جا رہا تھا۔ جو کچھ اس نے کبھی کسی لڑکی کے لئے محسوس نہیں کیا وہ سب اس گلابی چہرے والی لڑکی کے لئے محسوس کر رہا تھا۔ اس کی سوچ، اس کا سانس، اس کے دل، اس کی دھڑکنوں، یہاں تک کہ اس کے خوابوں تک پر اس کا قبضہ ہو گیا تھا۔

ابراش عسکری کا اس طرح سے بغور متواتر تکنا اجیارہ کو نروس کر گیا تھا۔ اس کا دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔ اس نے اپنا گھبرایا گھبرایا چہرے کا رخ ہی پھیر لیا تھا۔ ابراش عسکری اس کے رخ موڑنے پر دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔ اس نے اپنا گٹار گلے سے اتار کے ایک طرف رکھا اور کھڑا ہو کر اس کے بالکل سامنے والے صوفے پر آ بیٹھا۔

”تمہاری لاجک بھی میری سمجھ سے باہر ہے۔ جب میں اپنے روم سے باہر نہیں نکلتا تھا تو تم مجھے باہر لانے کے جتن کرتی تھیں اور اب میں باہر آ گیا ہوں تمہارے سامنے تو تم مجھ سے نظریں چرا رہی ہو۔ مجھے منہ نہیں لگا رہی ہو۔“ ابراش عسکری نے اس کی بادامی آنکھوں میں جھانکا جہاں اس کو اپنا جھلسا ہوا عکس دکھائی دیا مگر اب تو اس کو بھی اپنے اس جھلسے ہوئے چہرے سے نفرت نہیں ہوتی تھی، چڑ نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کو اپنے اس جھلسے چہرے سے محبت ہو گئی تھی جس نے اس کو بہت کچھ احساس دلایا تھا، بہت کچھ سکھایا تھا، ایک مغرور، گھمنڈی، انا پرست، خود پسند ابراش عسکری کو مار کے ایک نئے ابراش عسکری نے جنم لیا اور ان سب کا کریڈٹ جاتا تھا صرف اس گلابی چہرے والی کو جس نے اس سے اس کا سارا چین قرار لوٹ لیا تھا، وہ جو کچھ بھی تھا سب اجیارہ کے مرہون منت ہی تو تھا۔

”یہ کیا بکواس ہے، میں آپ کو کیوں منہ لگانے لگی۔“ وہ مسلسل جھنجھلاہٹ و گھبراہٹ کا شکار تھی تو کبھی کبھی ابراش عسکری کی فضول گوئی پر سرتاپا سلگ کر بھی رہ جاتی۔ ابراش عسکری کا بہت ہی جاندار اور اونچا قہقہہ اس ماحول کے پر فضا ماحول میں گونجا۔

”نہیں پڑھانا مجھے آج، آپ ہی پڑھا لیں۔“ وہ تپتی تنکتی ہوئی کھڑی ہو گئی کہ بلا ارادہ ہی ابراش عسکری نے

اس کا ہاتھ تھام لیا۔

پیچھے کھڑی زنیرہ ہولے سے مسکرا دی۔ اس کا بھائی، اس کا دوست آج واپس اپنی پرانی جون میں آ گیا تھا۔ وہ زندگی سے جو منہ موڑ گیا تھا آج زندگی کو پھر سے جی رہا تھا اور وہ بہت خوش تھی مگر اجیارہ کا گھبرانا، شرمانا بھی بہت لطف دے رہا تھا۔ وہ پیاری سی چھوٹی سی لڑکی اس کے بھائی کے دل میں گھر کر گئی تھی۔

”مگر.....“ زنیرہ کی مسکراہٹ سمٹی تھی مگر کیا وہ سنجیدہ ہے اجیارہ کے لئے یا پھر اس کا وہی آوارہ دل ہے۔

اس کا وسوسہ، اس کا خدشہ۔

وہم.....

شک..... بھی غلط نہیں تھا۔

”ابراش کیوں پریشان کر رہے ہو۔ تم جانتے ہو نا کہ سنی کے فائنل پیپرز ہونے والے ہیں۔“ زنیرہ نے یوں اچانک انٹری دی جیسے اس نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔

اجیارہ تو صحیح معنوں میں گڑبڑا کے رہ گئی اور جلدی سے اپنی کلائی اس کی ہتھیلی سے چھڑا کے دور جا کھڑی ہوئی۔ خفیف تو ابراش عسکری بھی ہو گیا تھا، اس کا اعتماد زندگی میں پہلی بار پست پڑا تھا۔ اس نے وہ گلابی چہرہ ایک بار بھرپور نظروں سے دیکھا اور پھر خاموشی سے زنیرہ کے پاس چلتا ہوا آ کھڑا ہوا تھا۔ چند لمحے اس کا چہرہ دیکھا اور پھر اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا کر لاؤنج سے نکلتا چلا گیا۔ زنیرہ نے دور تک اس کو جاتا ہوا دیکھا۔ وہ اس کا جڑواں بھائی تھا۔ اس سے بہتر بھلا اس کو کون جان سکتا تھا۔ زنیرہ کی لوٹتی ہوئی نظر واپس پلٹی اور پاس کھڑی اجیارہ پر ٹھہر گئی۔ گھبرایا سا چہرہ، حیا سے دہکتا گلابی چہرہ۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر کے بے دردی سے مروڑنا، گلابی ہونٹوں کو بے رحمی سے دانتوں سے کاٹنا..... اس کی غیر ہوتی حالت پر زنیرہ ہولے سے ہنس دی اور آگے بڑھ کر اس کو گلے سے لگا لیا۔

☆.....☆

وہ گھر رات کے کوئی گیارہ بجے واپس آیا۔ کل صبح ہی اس کو ذاکر حیات کے ساتھ سوئزرلینڈ کے لئے چلے جانا تھا۔ تقریباً ساری تیاری مکمل تھی۔ وہاں کی پولیس فورس کو بھی خفیہ طریقے سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ ان لیگل طریقے سے جو کام ہو رہا تھا وہ اس سے بے خبر تھے۔ ہر کام نہایت رازداری اور احتیاط سے کرنا تھا، ذرا بھی بھنک ہو جاتی تو سہد وڑائچ وہاں سے بھاگ جاتا اور اس کا پکڑے جانا ہر حال میں ضروری تھا جس نے نیٹ کے ذریعے آدھی دنیا میں گندگی پھیلائی ہوئی تھی۔

سید اذکار علوی اپنے بیڈ روم میں داخل ہوا تو گھمبیر خاموشی اور سناٹے نے اس کا سواگت کیا۔ بہت شدت سے اس کو بریزے کی کمی محسوس ہوئی۔ اس دن کے بعد سے آج دو دن ہو گئے تھے، وہ اس کے سامنے نہیں آئی تھی۔ اس کی شرم و حیا، اس کا حجاب، اس کی جھجک وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر جاندار سی مسکراہٹ رینگ گئی۔ ساری ٹینشن اس کی لف جاب اپنی جگہ اور گھر کی ذمہ داری اپنی جگہ جس کو وہ بہت خوش اسلوبی سے نبھا رہا تھا۔ وہ واپس پلٹا اور اپنے روم سے باہر نکلا۔

دونوں ہاتھوں کو اپنی پشت پر باندھے وہ چھوٹے چھوٹے ڈگ بھرتا اسٹڈی روم کے دروازے کے پاس آ کھڑا ہوا۔ بغیر دستک دیئے اس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور دھیرے سے گھما کر دروازہ کھولا۔ سید اذکار علوی اسٹڈی روم میں داخل ہوا۔ متلاشی نگاہوں نے اس اپسرا کو تلاش کر لیا تھا۔ ان گرنے کا نچ میں

Ridadigest.com
Ridadigest.com

پرشوق سی چمک ابھری تو عنابی لبوں پر دلکش سی مسکراہٹ نے گھر کیا۔

بریزے صوفے پر ایزی ہو کر لیٹی تھی۔ دوپٹہ نیچے کارپٹ پر پڑا تھا۔ بال پورے کھلے ہوئے تھے اور بے ترتیب بالوں کی طرح کپڑوں کا بھی یہی حال تھا۔ شاید دو دن سے اس نے یہی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ وہ رات پھر اس کی گرے آنکھوں میں بھرنے لگی تھی تو دل نے گستاخی پر مائل کیا۔ وہ ہولے ہولے چلتا ہوا اس کے بالکل پاس آ ٹھہرا اور دوزانو اس کے پاس نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ بغور اس کا خوبصورت چہرہ دیکھ رہا تھا۔ وہ نیلے جھیل کانچ بند کوئی خواب بن رہے تھے۔ خوبصورت سے نازک ہونٹ مسکرا رہے تھے، شاید اس خواب کا اثر تھا جو یہ مسکراہٹ دلکشی لئے ہوئے تھی۔ بالوں کی چھوٹی چھوٹی سی لٹیں اس کے خوبصورت چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ دل ایک شوخ سی جسارت کرنے پر اکسانے لگا تھا اور اس نے اپنے دل کی حکایات پر لبیک کہتے ہوئے ہاتھ اس کے چہرے کی جانب بڑھایا۔ چہرے سے ان بالوں کی لٹوں کو دھیرے سے ہٹایا تھا۔ ان لرزتی پلکوں پر اپنی انگلیاں پھیریں، ان مسکراتے ہونٹوں پر ایک خط سا کھینچا۔

خواب پورا ہو گیا یا اس دہکتے لمس کی حدت تھی کہ بریزے کی نیند ٹوٹی تھی۔ اس نے آہستگی سے آنکھیں وا کیں۔ سامنے وہی چہرہ تھا جو دن رات عکس بن کر اس کے نیلے جھیل کانچ میں بسا رہتا تھا، جو دل کے ایوانوں پر بڑے دھڑلے سے [illegible] ہوا تھا، جو خوابوں کی دنیا میں اس کا ہمسفر بنا، اس کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ دیئے سرسبز وادیوں میں اس کے ساتھ محو سفر رہتا تھا، اس سے ڈھیروں باتیں کرتا..... اس نے ہاتھ بڑھا کر سیداذکار علوی کے چہرے کو ہلکا سا چھوا، دل بہت زور سے دھڑکا تھا، بہت شدت سے احساس ہوا کہ یہ کوئی خوبصورت خواب نہیں حقیقت ہے..... وہ تیزی سے [illegible] لڑکھڑاتی چکراتی سیداذکار علوی کے اوپر جا گری۔ وہ مزید گڑبڑائی گھبرائی تھی مگر اس اچانک افتاد کے لئے [illegible] اذکار علوی بھی کہاں تیار تھا مگر دل کو جو خوشی ہوئی تھی اس کا اندازہ بریزے نہیں کر سکتی تھی۔

''محترمہ کیوں بے کار سی کوشش کر رہی ہو، جہاں کی چیز تھی وہاں لوٹ کے آ گئی۔''

بریزے جو اس کی مضبوط آہنی بانہوں کے گھیرے سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی اس کی مزاحمت بے کار گئی تھی کیونکہ اذکار علوی نے ایسا کرنے نہیں دیا تھا۔ اس کی بے باک بات پر بریزے شرم و حیا سے گلنار ہو گئی۔

''دو دن ہو گئے اس طرح مجھ سے چھپتے ہوئے۔ اب بھی اپنے بیڈ روم میں چلو گی یا میں اٹھا کے لے چلوں۔''

بریزے اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔

''میں خود سے چل رہی ہوں۔'' نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔

''او کے۔'' سیداذکار علوی نے بانہوں کا گھیرا ڈھیلا کر دیا تو وہ تیزی سے ان بانہوں کا حصار توڑتی باہر نکلی اور کھڑی ہو گئی۔ کھلے بال جو سارے کے سارے اس کے آگے سینے پر پڑے تھے، جلدی سے انہیں جوڑے کی شکل میں لپیٹا، دوپٹے کا خیال آیا تو نظر ادھر اُدھر پڑی اور دوپٹہ سیداذکار علوی کے پاس پڑا تھا۔ سیداذکار علوی مسکراتا ہوا کھڑا ہوا اور ساتھ اس کا دوپٹہ بھی اٹھا لیا۔ دوپٹے کو پورا پھیلا کے اس کے گرد اوڑھا دیا۔

''چلو آؤ۔'' اس کے نازک شانے پر اپنا بازو رکھ کے اس کو خود سے لگا لیا۔ بریزے سمٹی سمٹائی سی اس کے حصار میں مقید اس کے ساتھ چلنے لگی۔ بریزے کو اپنے ساتھ لئے وہ اپنے اور اس کے مشترکہ بیڈ روم میں لے آیا۔

''جانتی ہو کس قدر سونا کر دیا تھا تم نے میرے کمرے کو، اس کمرے کی ایک ایک شے مجھ سمیت ہم سب تمہارے عادی ہو گئے ہیں۔ تمہارے بغیر میں نامکمل ادھورا ہوں اس لئے آج کے بعد اس بیڈ روم کو چھوڑنا نہیں، او کے!''

بریزے کو بیڈ پر بٹھائے خود بھی اس کے مقابل بیٹھے اس کے دونوں ہاتھ تھامے اپنی دونوں چوڑی ہتھیلیوں میں قید کر لئے تھے۔

''جی۔''

''اور آج کے بعد میں تمہیں ان تین رنگ کے ملگجے کپڑوں میں بھی نہ دیکھوں۔''

''جی۔'' سر کو جھکائے وہ اپنے ہاتھوں کو بغور گھور رہی تھی۔ اتنی ہمت نہیں تھی کہ نگاہیں اٹھا کے دیکھے۔

سیداذکار علوی نے اس کا سندر مکھڑا اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھرا اور اوپر اٹھایا۔

''[illegible] [illegible] بہت پیار [illegible] ہوں، تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا، تمہیں چاہنے لگا ہوں۔ کیا تم مجھ سے پیار کرتی [illegible]''

[illegible] نیلے جھیل کانچ میں نمی تھی [illegible] میں اس کا اپنا جھلملاتا عکس دکھائی دے رہا تھا۔

''جی۔'' بالآخر بریزے نے اقرار کر لیا، اظہار محبت کر ہی دیا۔ وہ اپنے دل پر یہ بار نہیں سہہ پا رہی تھی۔ دو دن جس طرح وہ اس کے بغیر رہی تو بہت شدت سے احساس جاگا کہ وہ سیداذکار کے بنا کچھ نہیں ہے۔

''صرف جی، جی کی گردان کرتی رہو گی یا عمل بھی کرو گی۔'' سیداذکار علوی نے شوخی سے چھیڑا۔ وہ بے ساختہ اس کے سینے سے لگی تھی اور جو اندر دو دن سے غبار بھرا ہوا تھا سب اس کے وسیع و عریض سینے پر منتقل کر دیا تھا۔ اس کی ہچکیاں ہی تو بندھ گئی تھیں۔ وہ اظہار محبت ہی تو نہیں کر پا رہی تھی۔ اپنے دل کی حالت بیان نہیں کر پا رہی تھی اور اس کی یہ غیر ہوتی حالت سیداذکار علوی بہت اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس کی مضبوط بانہوں کا گھیرا مزید سے مزید تنگ ہوتا چلا گیا تھا۔ اس روشن پیشانی پر سیداذکار علوی نے اپنی محبت و بے قراری کی مہر ثبت کر دی تھی۔

''محبت و اقرار کا یہ طریقہ بہت پسند آیا۔'' اس نے اپنے سینے میں چھپے اس کے چہرے کو ٹھوڑی سے اوپر اٹھایا اور بغور ان نیلے جھیل کانچ میں دیکھا۔ بریزے نے کچھ نہیں کہا بس خاموشی سے جا کے واپس آنکھیں موندھ کے سر اسی سینے میں چھپا لیا تھا جہاں اس کی زندگی اس کی دنیا بستی تھی۔ اس پیاری سی ادا پر سیداذکار علوی نثار ہو گیا۔ اس کے لبوں پر سرشاری سی مسکراہٹ گھر کر گئی تھی۔

☆......☆

''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ، غنوئ کچھ علم ہے آپ کو؟''

''مجھے نہیں پتہ، میں کچھ نہیں جانتی، بس صرف اتنا جانتی ہوں کہ میں سبکتگین کے ساتھ مزید اس چھت کے نیچے نہیں رہ سکتی، مجھے ڈائیورس چاہیے۔'' وہ الجھتے ہوئے بولی تھی اور الجھ ہی تو گئی تھی اس کی زندگی، اس کی زندگی کی کشتی منجدھار میں کھڑی تھی نہ وہ آگے بڑھ پا رہی تھی نہ کنارے کوئی منزل نظر آ رہی تھی، ساتھ رہنا تو دور وہ تو اب تک سمجھوتہ بھی نہیں کر پا رہی تھی۔ سبکتگین حیدر ترمذی کا مقام اس کے دل میں کیا تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

''غنوئ!'' سبرینہ کو سخت ناگوار گزرا تھا، انہوں نے سختی سے ٹوک دیا تھا، وہ کچھ ہی دن پہلے سعودی عرب

Ridadigest.com

سے واپس آ گئی تھیں اور وہ واپس کیا آئیں غنوئی نے لمحہ بھی نہیں لگایا سبکتگین حیدر ترمذی کے گھر کو چھوڑنے میں۔ آج ایک ہفتہ ہوگیا تھا، وہ یہاں اپنے روم میں بند تھی، نہ کسی سے ملنا نہ بات کرنا سب چھوڑ دیا تھا۔ اس دوران کتنی ہی دفعہ امبرین، عفان ترمذی، سبکتگین حیدر ترمذی آئے مگر اس کی چپ کا قفل نہ ٹوٹا۔ اس نے اپنے روم کا دروازہ نہیں کھولا۔ کتنی ہی لاتعداد کالز، میسجز اس کے فون پر سبکتگین حیدر کے آچکے تھے مگر ایک بھی کال نہ تو ریسیو کی اور نہ ہی کسی میسج کا ریپلائی کیا۔

''مما پلیز.... پلیز...... اگر آپ نے اب کوئی ضد کی تو میں زہر کھا کے مار لوں گی خود کو، خودکشی کر لوں گی۔'' غنوئی زور سے چیخی۔

''غنوئی بس۔'' سبرینہ کی برداشت کی انتہا ہوگئی تھی۔ ان کا پہلی بار غنوئی پر ہاتھ اٹھا تھا۔

''بہت اچھا صلہ دیا ہے میری ریاضتوں کا، میری تربیت اور پرورش کا۔ شاباش بیٹا، شاباش.... میری ہی غلطی تھی جو آپ سے اتنی امیدیں باندھ لی تھیں۔''

''مما۔'' پیچھے سے حیدر کی آواز پر سبرینہ نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ شاید بہت دیر سے کھڑا تھا۔ منہ پر ہاتھ رکھے غنوئی نے بھی اس کو دیکھا تھا مگر تیزی سے چہرے کا رخ پھیر لیا۔

''مجھے معاف کر دو سبکتگین، میں نے آپ کی زندگی اور غنوئی کی زندگی کے ساتھ ایسا جوا کھیلا جس کے لئے میں سمجھتی تھی کہ شاید بیٹا میری ہی ہوگی.... مگر.... مگر....'' ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ کر کے ایک ایک آنسو بہنے لگا تھا جو سبکتگین حیدر کو اپنے دل پہ گرتا محسوس ہوا۔ وہ رو رہی تھیں، دل اس کا دکھ رہا تھا، خون خون ہو رہا تھا۔

''مگر.... میرے بچے میں ہار گئی.... آپ کی مما ہار گئی۔ مجھے معاف کر دیجئے گا.... غنوئی کو ڈائیورس چاہیے۔ میرے لاکھ سمجھانے لاکھ ڈانٹنے پر ان کا بس ایک موقف ہے.... ڈائیورس....''

اور پھر وہ مزید وہاں نہیں ٹھہر سکیں، منہ پر ہاتھ رکھے اپنی ہچکیاں روکتی ہوئی تیزی سے کمرے سے نکلی تھیں۔

سبکتگین حیدر ترمذی نے نہایت غصے سے تیز نظروں سے رخ پھیرے غنوئی کو دیکھا۔ وہ آگے بڑھا اور اس کو بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اس کا رخ اپنی جانب کیا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی اس کے بازو سے وجود کا حصہ بنی تھی۔

''کیا سمجھتی ہو خود کو.... ہاں.... سب کا دل دکھا کے، مما کی آنکھوں میں آنسو دے کر بہت اعلیٰ و ارفع سمجھتی ہو خود کو.... تم سمجھتی ہو کہ بہت اچھا کام کر رہی ہو سب کو رلا کے پریشان کر کے۔''

''ہاؤ ڈیر یو.... چھوڑو مجھے.... نفرت کرتی ہوں میں آپ سے۔'' وہ بھرپور مزاحمت کر رہی تھی خود کو چھڑانے کی۔

''جانتا ہوں کہ نفرت کرتی ہو۔'' سبکتگین حیدر نے اس کے بازو پر مزید دباؤ ڈال کر اس کو خود سے مزید قریب تر کیا اور ان مغرور آنکھوں میں جھانک کر دیکھا۔

''مگر میں سمجھتا تھا کہ تمہاری یہ نفرت، شدید نفرت ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی۔ میرے عشق و جنوں، میری محبت کی آنچ کی ہلکی سی چنگاری تمہارے دل تک ضرور پہنچے گی مگر نہیں۔ میں غلط تھا، میری سوچ غلط تھی۔ تم ایک انتہا درجے کی خود غرض، خود سر لڑکی ہو جو صرف اپنے بارے میں سوچتی ہے، جسے صرف اور صرف اپنی پرواہ ہے، اپنی فکر ہے۔''

''آپ میری بے عزتی کر رہے ہیں۔'' اس کا لب و لہجہ روہانسا سا ہوگیا تھا، وہ مغرور آنکھیں جھلملانے لگی۔

''آپ کو کوئی حق نہیں ہے اس طرح میری انسلٹ کرنے کا۔''

''بے عزتی.... ہونہہ....'' وہ استہزائیہ ہنسی ہنسا۔

''اس لفظ کا مطلب بھی سمجھتی ہو، مذاق تو تم نے میرا اڑایا ہے، میری بے پناہ محبت کو کبھی دیکھا ہی نہیں۔ ہر لمحے اپنے قدموں تلے میرے احساسات و جذبات کو بے دردی سے روندا ہے۔ تم بہت ظالم ہو غنوئی.... اور حق! کون سے حق کی بات کرتی ہو۔ کب میں نے تم پر اپنا حق جتایا ہے۔ بیوی ہو میری، کوئی نہیں روک سکتا مگر مجھے صرف تمہاری فکر تھی، تمہاری رضامندی چاہیے تھی۔ سوچتا تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ گلیشیئر پگھلے گا، اس دل میں ضرب لگے گی۔'' اس نے غنوئی کے بائیں طرف کے سینے پر اپنی انگلی رکھی۔

''مگر تم نے لفظ ڈائیورس کا کہہ کر میری ساری خوش فہمیوں کا گلا گھونٹ دیا، میری محبت کو اتنا کمتر کر دیا کہ میں خود اپنی نظروں سے ہی گر گیا ہوں۔ غنوئی تم نے یہ ایک مکروہ لفظ کہہ کر مجھے میری اوقات دکھا دی ہے۔ میری ایک غلطی کی سزا، جو بچپن میں غلطی سرزد ہوئی تھی تاعمر اس سزا کو کاٹنا ہوگا..... غنوئی تم نے.... تم نے مجھے بہت اونچائی سے بہت گہرائی کے پاتال میں پھینکا ہے۔ تم مجھ سے الگ ہونا چاہتی ہو نا۔ مجھ سے الگ رہ کر خوش رہنا چاہتی ہو، سکون سے اپنی زندگی جینا چاہتی ہو.... راتوں کو اٹھ اٹھ کر تمہیں لگتا ہے کہ جو ڈر جو خوف تمہارے اندر کہیں ہے وہ میرے نہ ہونے سے ختم ہو جائے گا تو ٹھیک ہے۔'' سبکتگین حیدر ترمذی نے اس کا بازو چھوڑ دیا تھا اور اس سے چند قدم کے فاصلے پر جا کھڑا ہوا۔

''تمہاری یہ خواہش ضرور پوری ہوگی۔ تمہیں آزادی چاہیے، اپنی خوشی چاہیے نا.... ٹھیک ہے، بہت جلد آزادی کا پروانہ تمہیں مل جائے گا۔''

''میں تمہیں ہر حال میں خوش دیکھنا چاہتا ہوں غنوئی مگر یہ مت سمجھنا کہ تمہیں چھوڑنے کے بعد میری محبت میں کمی آئے گی۔ میں تم سے پیار کرتا تھا، کرتا ہوں اور آخری سانس تک کرتا رہوں گا.... یہ زندگی تمہارے نام ہے۔ اب تمہارے علاوہ کوئی اس زندگی کا ساتھی نہیں بنے گا۔ جلد میں تمہیں تمہاری خواہش کی نوید سناتا ہوں۔'' اور پھر وہ وہاں رکا نہیں، وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

غنوئی کی آنکھیں پتھرا کے رہ گئیں۔ رنگت اس قدر سپید پڑ گئی جیسے کسی نے خون کا قطرہ قطرہ نچوڑ لیا ہو۔ یہ وہ کیا کہہ گیا تھا..... اس کو تو خوش ہونا چاہیے، خوشیوں کے چراغ جلانا چاہیے مگر یہ دل خالی خالی سا کیوں ہوگیا ہے۔ ایک اس کے جانے سے اندر نامکمل سا ادھورا سا کیوں لگ رہا ہے..... دل دھڑکنا کیوں بھول گیا ہے.... کیوں ان آنکھوں سے بے آواز زار و قطار آنسو بہہ جا رہے ہیں.... کیوں.... آخر کیوں؟ کیا وجہ ہے....؟''

بہت گھنٹوں تک، بہت سوچنے سمجھنے کے بعد اس کو یہ احساس ہوا کہ وہ تو اپنے دشمن سے محبت کر بیٹھی ہے جس سے نفرت شدید نفرت کے دعوے کرتی رہی ہے۔ وہ تو اس کے بغیر بالکل نامکمل ہے، کچھ نہیں ہے اس کے بغیر.....اس کی زندگی کی چاہت ہی وہی ہے۔

سبکتگین حیدر ترمذی.....

ہاں وہ اپنی جھنجھلاہٹ اپنی بے زاری، الجھن کو اب سمجھ پائی تھی اور ہر طرف بس ایک ہی نام کی گونج تھی۔ سبکتگین، سبکتگین، سبکتگین۔

''غنوئی۔'' خاقان ترمذی نے ہولے سے دست شفقت اس کے سر پر دھرا۔ اس نرم و ملائم لب و لہجے پر غنوئی نے اپنی ڈبڈبائی آنکھیں ان کی طرف اٹھائیں۔

Ridadigest.com
Ridadigest.com

''ڈیڈو!'' وہ اس نرم سینے سے لگی۔
''آئی لو ہم... آئی لو ہم... ڈیڈو...''
''آئی نو مائی چائلڈ۔'' انہوں نے غنوئی کے بالوں میں بوسہ لیا اور دل کے حصے میں بہت سکون سا، بہت ٹھنڈک سی محسوس ہوئی تھی۔ دروازے پر کھڑی سبرینہ گیلی آنکھوں سمیت مسکرا دیں۔ وہ اپنی شریک حیات کو تشکرانہ نظروں سے دیکھ کر رہ گئے۔

☆......☆

''اجیارہ آج شام کو جلدی آجانا بیٹا۔''
''اماں کوشش کروں گی کیونکہ آج سنی کی برتھ ڈے ہے۔'' اس نے آئینے کے سامنے اپنی پنک لپ اسٹک کو آخری ٹچ دیا۔ بادامی آنکھوں میں کاجل کی ایک لکیر سی کھینچی۔ پچھلے کچھ دنوں سے وہ بہت خوش خوش تھی۔ دل کرتا تھا ہواؤں میں اڑے، جھومے، گائے، خوب چہکے۔ شاید محبت اور چاہے جانے کا احساس کا دوسرا نام یہی ہے۔ ہاں اسے یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ وہ اپنا دل ابراش عسکری کو دے چکی تھی۔ اس نے ابراش عسکری کے ظاہر سے نہیں باطن سے پیار کیا تھا۔ وہ اس کو چاہنے لگی تھی۔ ابراش عسکری کی زندگی میں اس کی اہمیت، ایک حیثیت بھی اور کیا چاہیے اس کو۔
''وہ تو ٹھیک ہے میری بچی مگر آج شام کوئی آرہا ہے، تو تمہارا ہونا لازمی ہے نا۔''
''ٹھیک ہے اماں میں سات بجے تک آجاؤں گی۔'' اس کی اپنی ہی دھن تھی اپنی ہی لے تھی۔
''وہ ٹھیک تین بجے ''عسکری ولا'' پہنچ گئی تھی، سب تیاریاں عروج پر تھیں۔ گھر کے سارے افراد جمع تھے، باہر کا کوئی فرد انوائٹ نہیں تھا۔ ابراش عسکری کے کہنے پر کسی کو انوائٹ نہیں کیا گیا تھا۔
پرپل اینڈ پنک فل کڑھائی والے اوور کوٹ کے ساتھ اس کی گلابی رنگت خوب کھل رہی تھی۔ وہ ابراش عسکری کو مزید اپنے دل کے پاس ہوتی لگی تھی۔ بس آنکھوں کے ذریعے دل میں ہی اتار رہا تھا، اجیارہ اچھی طرح ان پرشوخ نگاہوں کو خود پر محسوس کرسکتی تھی۔ شرم سے اس کی رنگت مزید دوہری ہوئی جارہی تھی۔
تالیوں کی گونج میں سنی نے کیک کاٹا، سب نے ہی کوئی نہ کوئی تحفہ دیا تھا۔ اجیارہ نے بھی بڑا پیارا اور مہنگا سا گفٹ اس کو دیا تھا۔
''رشی ماما! سب نے مجھے کچھ نہ کچھ گفٹ دیا ہے۔ آپ نے مجھے کچھ بھی نہیں دیا۔'' سنی نے منہ بسور کے کہا۔
''ویسے سنی! آپ کے رشی ماما تو بہت ہی کنجوس نکلے، ہم تو انہیں بہت بڑے دل والا سمجھتے تھے۔'' اجیارہ نے سنی سے دھیرے سے کہا جو صرف ابراش عسکری ہی سن سکتا تھا کیونکہ زنیرہ فون پر اپنے ہسبینڈ سے بات کررہی تھی۔ رشنا اور چوہدری قیصر عسکری اپنی کوئی بات کو لے کر بحث کررہے تھے۔
''میری جان! آپ ہمارے پاس آئیے تو پھر پتہ چلے گا کہ کتنا بڑا دل ہے۔ رشک کرو گی اپنی قسمت پر۔''
ابراش عسکری نے پرشوق نظروں سے اجیارہ کا گلابی چہرہ دیکھا۔ اجیارہ تو کان کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی۔
''اس وقت سنی کے برتھ ڈے گفٹ کے بارے میں ذکر ہو رہا ہے۔'' بمشکل لرزتی کانپتی گھنیری پلکیں اوپر اٹھا کے دیکھا تھا مگر لمحہ بھر ان نگاہوں میں دیکھ نہیں سکی کیونکہ وہاں محبتوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا جس کی شوریدہ لہریں اجیارہ کے دل میں بہت سے جذبات ابھار گئی تھیں۔ آنکھوں میں بہت سے سپنے پرو گئے تھے۔
ابراش عسکری نے اجیارہ کی اس پیاری سی ادا کو نظریں اٹھا کے جھکانے اور جھکانے کے بعد اٹھا کر دیکھنے پر مسکرا

کے دیکھا تھا۔ اب تو ویسے بھی ان لبوں سے مسکراہٹ ہٹتی نہیں تھی۔
''یہ لو آج کے دن سنی کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی گفٹ نہیں ہے۔ اتنے دن ہوگئے اس کو ایک جگہ رکھے۔ آج اس پرانی سریلی آواز کے ساتھ اس کے سر اور تال دونوں چھیڑ دو۔''
زنیرہ بے شک اور کاموں میں مصروف تھی، سب کو اسنیکس سرو کررہی تھی، اپنے ہسبینڈ سے باتیں بھی کررہی تھی مگر دھیان کے اور دھاگے ابراش عسکری اور اجیارہ سے بھی بندھے ہوئے تھے۔ اس کا چہیتا اکلوتا جڑواں بھائی، اس کا دوست مسکرانے لگا تھا، خوش رہنے لگا تھا جو تنہائی کا ساتھی بن گیا تھا۔ پھر سے سب میں مل جل کر ہنسنے، گنگنانے چہکنے لگا ہے جس کا سارا کریڈٹ اجیارہ کو جاتا ہے۔
زنیرہ نے ابراش عسکری کا فیورٹ گٹار اس کو تھما دیا تھا۔
''بالکل کیوں نہیں، سنی کا برتھ ڈے گفٹ اور کسی اپنے کے لئے دل کے بول محبت کی عکاسی۔'' ابراش عسکری نے دھیرے سے کہا، آنکھوں میں چاہت بھرتے ہوئے اس گلابی چہرے کو دیکھا جس کی رنگت محبت کے رنگوں سے کھلی ہوئی تھی، قوس وقزح کے سارے رنگ اس گلابی رنگت پر چمک رہے تھے۔ زنیرہ نے بھی دل سے مسکراتے ہوئے اس چہرے کو دیکھا جو اس کے بھائی کے دل میں گھر کرگیا تھا۔
ابراش عسکری نے گٹار کے تاروں کو چھیڑنے شروع کردیئے تھے۔ اس کے دل کے جذبات واحساسات میں یہ ماسا میوزک اجیارہ کے دل کی چاہت ومحبت کے ساتھ ملنے جلنے لگے تھے۔
''مسکرانے کی وجہ تم ہو، گنگنانے کی وجہ تم ہو
جیا جائے نہ جائے نہ جائے او رے پیارے
او! ارے لمحے تو کہیں مت جا، ہو سکے تو عمر بھر تھم جا
جیا جائے نہ جائے نہ جائے نہ او رے پیارے
رشنا اور قیصر عسکری نے بھی حیران نظروں سے ابراش عسکری کو گنگناتے دیکھا۔ ان کو یاد تھا کہ کتنی نفرت سے ابراش عسکری نے اپنے گٹار کو دور پھینکا تھا کہ آج کے بعد وہ دوبارہ اس کی شکل نہیں دیکھے گا مگر زنیرہ نے پھر بتایا کہ سنی کا گفٹ ہے یہ.... پھر بھی ان دونوں کے لئے بہت بڑی بات اور خوشی کی بات تھی۔
دھوپ آئے تو چھاؤں تم لانا، خواہشوں کی بارش میں بھیگ سنگ جانا
جیا جائے نہ جائے نہ جائے نہ او رے پیارے
مسکرانے کی وجہ تم ہو، گنگنانے کی وجہ تم ہو.... جیا جائے نہ.....
ابراش عسکری نے مزید گانا گٹار کے تاروں پر بکھیرا تھا۔
سب کی تالیوں کی گونج میں اس نے گانا مکمل کیا۔
''بہت مزہ آیا اس چھوٹی سی پارٹی میں اور ابراش نے تو چار چاند لگا دیئے، مائی سویٹ چائلڈ۔''
رشنا بھیگی آنکھوں سمیت مسکرا دیں اور دل کی خوشی سنبھالے وہ اٹھیں، ابراش کی پیشانی چوم لی۔
''ابراش...''
''جی ڈیڈی۔''
''ڈاکٹر زائر کا فون آیا تھا۔ کینیڈا کے اسپیشلسٹ سرجن سے بات ہوگئی ہے آپ کیا کہتے ہیں، آپریشن کی ڈیٹ کنفرم کرلی جائے؟'' چوہدری قیصر عسکری نے اندھیرے میں ایک تیر چلایا تھا جس کا انہیں ننانوے فیصد

Ridadigest.com

یقین تھا کہ وہ اب انکار نہیں کرے گا، غصہ نہیں کرے گا۔ پچھلے دنوں آپریشن کا سن کر وہ جس طرح ہذیانی ہو جایا کرتا تھا کہ سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا، شاید اب صورت حال مختلف ہو۔

''قیصر!'' رشنا نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا منع کرنے کے ارادے سے اور ڈرتی ڈرتی نظروں سے ابراش عسکری کو دیکھا تھا مگر وہاں تو جیسے معاملہ ہی الگ تھا۔

''اوکے ڈیڈی! آپ آپریشن کی ڈیٹ کنفرم کروا دیجئے، میں انہی ایک دو دنوں میں جلد از جلد آپریشن کرانا چاہتا ہوں۔'' ابراش عسکری نے مسکراتے ہوئے عندیہ دے دیا۔

''اوکے ڈن، میں ابھی ڈاکٹر زائر چوہان کو فون کر دیتا ہوں۔'' وہ خوشی خوشی اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے، اپنی جیب سے سیل فون نکالا اور ڈاکٹر زائر چوہان کو فون ملا کر باہر نکل گئے۔ ان کے پیچھے حیران اور خوشی کے ملے جلے تاثرات لئے وہ ان کے پیچھے گئی تھیں۔

''بھئی میرا بیٹا بہت تھک گیا ہے، میں تو اس کو سلانے چلی۔'' زنیرہ نے سنی کو گود میں اٹھایا اور ہال سے باہر نکل گئی۔ وہ اجیارہ اور ابراش کو بات کرنے کا موقع دینا چاہتی تھی۔

ابراش عسکری نے گٹار کو سائیڈ صوفے پر رکھا اور کھڑا ہو گیا۔ اجیارہ جو گھبراہٹ میں اپنے ہونٹوں کو دانتوں سے کاٹ رہی تھی، دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کئے ایک دوسرے سے مروڑ رہی تھی۔ دل تھا کہ پسلیوں کی مضبوط دیوار سے نکلنے کو تھا اور ساری کسر تو خود ابراش عسکری نے پوری کر دی۔ وہ اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔ ہاتھ بڑھا کے اس کے ہونٹوں کو دانتوں سے آزاد کیا تھا۔ اجیارہ نے اس کے دہکتے لمس پر سختی سے آنکھیں بند کر لیں۔ جھکے سر، بند آنکھوں کو بغور ابراش عسکری نے دیکھا۔ اس کی ٹھوڑی اپنی دو انگلیوں سے پکڑ کے چہرے کا رخ اپنی جانب کیا۔

''جیا!'' نہایت مدھم لہجے میں پکارا جیسے کوئی التجا ہو کوئی امید... کوئی گزارش... کوئی خواہش!!

اجیارہ نے دھیرے دھیرے لرزتی پلکوں کو اوپر اٹھایا، کاجل سے بھری بادامی آنکھوں میں نمی سی تیر رہی تھی۔

''میرا انتظار کرنا.... میں بہت جلد واپس آؤں گا تمہیں لینے۔ بولو کرو گی نا...'' وہ صرف ہولے سے مسکرادی تھی، ابراش عسکری کو اس کا جواب مل گیا تھا۔

''اور ایک بات کہ تم میری امانت ہو اور میری امانت میں خیانت مت کرنا... آج کے بعد ان گلابی ہونٹوں کو نقصان مت پہنچانا، یہ میری امانت ہیں، ان پر صرف میرا حق ہے۔'' اس کا دل بری طرح دھڑکا۔ شرم و جھجک کے مارے اس کی آواز تو جیسے حلق میں ہی گھٹ کے رہ گئی تھی۔ گلابی رنگت مزید قندھاری ہو گئی تھی۔

اس کے گھبرانے شرمانے پر ابراش عسکری دھیرے سے ہنس دیا۔ ایسا دلنشین منظر آج تک اس نے نہیں دیکھا تھا۔ اتنا عرصہ وہ طلسم ناز کے ساتھ رہا مگر کبھی بھی اس نے طلسم ناز کو شرماتے، گھبراتے نہیں دیکھا۔ اب لگتا تھا زندگی وہ نہیں، زندگی کا اصل مزہ، اصل مقصد یہ تھا۔ اس کی محبت اس کی زندگی اجیارہ۔

جو احساسات و جذبات اجیارہ کے لئے تھے وہ بالکل نئے سے اور خوبصورت احساس تھا جو کبھی طلسم ناز کے لئے نہیں تھے۔

☆......☆

سید اذکار علوی بے خبر سو رہا تھا کہ اس کے فون کی مسلسل بجتی بیل نے اس کی پرسکون نیند میں خلل ڈال دیا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں، اپنا موبائل اٹھایا جہاں ''ذاکر حیات کالنگ'' جگمگا رہا تھا۔ اپنے برابر میں بے خبر

نرم ملائم سے آزاد نیند کی وادیوں میں گم بریزے کو دیکھا جس کا ہاتھ اس کے سینے پر رکھا ہوا تھا، سید اذکار علوی نے بڑی احتیاط سے اس کا ہاتھ ہٹایا۔ وہ تھوڑا کسمسائی مگر پھر کروٹ لے کر نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ وہ ہولے سے مسکرا دیا اور پھر کہنیوں کے بل اٹھ کے بیک کراؤن سے ٹیک لگایا، گھڑی دیکھی جہاں صبح کے سات بج رہے تھے۔ فون متواتر بج رہا تھا اور اس سے پہلے کہ بریزے کی نیند خراب ہوتی اس نے فون ریسیو کر لیا۔

''جی، السلام علیکم، ذاکر! کہیے۔''

''وعلیکم السلام سر!.... سر اذکار کیا ہم کچھ دیر بعد ''ہوٹل الشمس'' میں مل سکتے ہیں؟''

''جی کیوں نہیں مگر سب خیریت ہے نا؟ کیا سہد وڑائچ کا پتہ چل گیا ہے؟'' اذکار علوی نے ہولے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''انشاء اللہ سر، اس رذیل انسان کا پتہ بھی چل ہی جائے گا۔ جب اس کے پورے گروہ کو پکڑ لیا ہے تو یقیناً اس کا بھی پتہ چل ہی جائے گا کہ وہ انسان کے بھیس میں چھپا گیدڑ کون سے بل میں دبکا بیٹھا ہے۔'' لب و لہجہ نہایت پرامید تھا۔

''چلیں میں کچھ دیر میں وہاں پہنچتا ہوں۔''

''اوکے آئی ویٹ۔''

دونوں جانب سے فون بند ہو گیا تھا۔ سید اذکار علوی نے فون سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور رخ پھیر کر کروٹ لئے بریزے کو دیکھا۔ اس کے پہلو میں بے خبر سوئی وہ لڑکی ہر خوف و ڈر سے آزاد تھی۔ اس کے خوبصورت چہرے پر زمانے بھر کی معصومیت اور سکون تھا۔ وہ سید اذکار علوی کی پناہوں میں خود کو مضبوط تصور کر رہی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے چہرے پر جھکا اور اس کے چہرے پر بکھری لٹوں کو کان کے پیچھے اڑس کے اس کے رخسار پر اپنے ہونے کا احساس دلایا۔ بریزے نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ نیلے جھیل کانچ میں اعتماد تھا، چاہت تھی، محبت تھی۔

''گڈ مارننگ۔''

''گڈ مارننگ.... آپ اٹھ گئے...'' وہ سیدھی ہو کر لیٹی تھی۔

''ہاں ایکچولی مجھے کہیں کام سے جانا ہے۔'' وہ اس کے سرخ رخسار پر اپنی مضبوط لمبی چوڑی انگلیوں کی پشت پھیر رہا تھا۔

''کام سے رات کو تو آئے ہیں پورے پندرہ دن بعد۔ آپ جانتے ہیں آپ جب اتنے اتنے دنوں تک گھر سے مجھ سے دور جاتے ہیں تو میرا دل بہت گھبراتا ہے۔'' یہ سید اذکار علوی کی محبت کا فخر ہی تو تھا جو وہ اعتماد سے ان گرے کانچ میں دیکھ رہی تھی۔

''بس تھوڑی دیر کا کام ہے، جلدی آ جاؤں گا۔''

''پرامس!'' اس نے اپنا مرمریں ہاتھ اس کے آگے کیا۔

''پرامس۔'' سید اذکار علوی نے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

کچھ ہی گھنٹوں میں وہ اور ذاکر حیات اپنے مطلوبہ مقام پر پہنچ چکے تھے۔

''کہاں ہے وہ؟''

Ridadigest.com
Ridadigest.com

"اندر۔"

"پھر انتظار کس بات کا۔ چلیں اندر۔" سیداذکار علوی نے سنجیدگی سے ذاکر حیات کو دیکھا۔

"جی۔" ذاکر حیات نے دروازہ کھولا، کمرے میں گھپ قبر سے بھی زیادہ اندھیرا اور خاموشی تھی۔ ذاکر حیات نے سارے بٹن آن کر دیئے تھے، وہ چھوٹا سا بوسیدہ کمرہ فل روشنی میں نہا گیا۔ کمرہ چونکہ خالی تھا سوائے ایک چیز کے کچھ نہ تھا، وہ وجود کمرے کے کونے میں سکڑا سمٹا بیٹھا تھا۔ گھٹنوں میں چہرہ چھپائے وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اب نہ تو کبھی آنکھیں کھولے گی اور نہ دنیا دیکھے گی۔ مگر کھٹکے کی آواز پر ازابیلا نے چہرہ اوپر اٹھا کے دیکھا اور جس شخص کو وہ اپنے سامنے دیکھ رہی تھی اس کی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی ہی رہ گئیں۔

"ٹام کروز۔"

"نہیں، کیپٹن سیداذکار علوی۔" وہ چیئر گھسیٹ کے اس تک لایا۔

کتنی ہی دیر تک تو وہ سناٹے میں رہ گئی تھی۔

"جواب تک ٹام کروز کی بن کر ملتا رہا تھا، تمہارے لئے ٹام کروز تھا، وہ سب تمہارے گروہ تک پہنچنے کا راستہ تھا۔" سیداذکار علوی نے بغور اس کی حیران آنکھوں میں جھانکا۔

"اب میں تمہارے لئے کیا سزا تجویز کروں۔ تمہارا تو سہد وڑائچ نے ہی وہ حال کر دیا ہے، کروا دیا ہے کہ تم تو نہ جینے میں ہو اور نہ مرنے میں۔ تمہارا اپنا چہرہ اس قدر مکروہ اور نفرت زدہ ہو گیا ہے کہ جس چہرے پر تمہیں بڑا غرور تھا، گھمنڈ تھا، ناز تھا، اب اگر اپنا چہرہ آئینے میں دیکھو گی تو خود سے ہی گھن آنے لگے گی، کراہیت محسوس کرو گی۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔ میں نہ تو اب جینے میں ہوں نہ مرنے میں۔ مجھے جو اپنے اس چھریرے جسم پر بڑا تکبر تھا آج سارا مٹی ہو گیا ہے۔ یہ خوبصورت جسم ایک زندہ لاش بن کے رہ گیا ہے۔ خدا کے لئے مجھ پر ایک احسان کر دو، مجھے موت دے دو، مجھے مار دو۔"

"ویسے تو تم نے اپنے کئے کی بہت سزا پائی ہے، ہر روز مرنا جینا... سوچا ان بے چاری معصوم بے بس و لاچار لڑکیوں کے بارے میں جن کے ساتھ تم نے زیادتی کی ہے۔"

"ٹام کروز! میں اپنے سارے گناہ قبول کرتی ہوں۔ میں اپنے رب کو بھول کر وہ سب کرتی رہی جو مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا مگر اب میں بہت تھک چکی ہوں، میری ہڈیوں میں جان نہیں ہے، مجھے ایڈز جیسی مہلک بیماری ہے۔ خدا کے لئے مجھے گولی مار دو، اس تکلیف سے، اس درد سے چھٹکارا دلا دو۔" وہ گڑگڑا رہی تھی، التجا کر رہی تھی، منت وسماجت کر رہی تھی، اپنی موت کی بھیک مانگ رہی تھی۔

"سہد وڑائچ کہاں ہے؟ سوئٹزرلینڈ کا وہ جزیرہ جو غیر قانونی طریقے سے تعمیر کروایا گیا تھا وہ تو مکمل سوئٹزرلینڈ کی فورس کی تحویل میں چلا گیا ہے، اسے مکمل سیل کر دیا گیا ہے۔ وہاں کی ہر جگہ چھان ماری، کہیں نہیں ملا۔ ہر شخص کو اریسٹ کر لیا گیا ہے مگر سہد وڑائچ لاپتہ ہے۔ اب تم بتاؤ کہاں ہے وہ؟"

"خدا کی قسم ٹام کروز، میں جھوٹ نہیں بولوں گی اگر مجھے ذرا بھی علم ہوتا میں تم کو سب سچ سچ بتا دیتی مگر میں واقعی نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہے۔" ازابیلا نے اس کے جوتوں کو پکڑ لیا۔ سیداذکار علوی نے بغور اس کا بھیانک ہڈیوں کا ڈھانچہ والا چہرہ دیکھا۔

"مگر ہاں، ایک بات بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔"

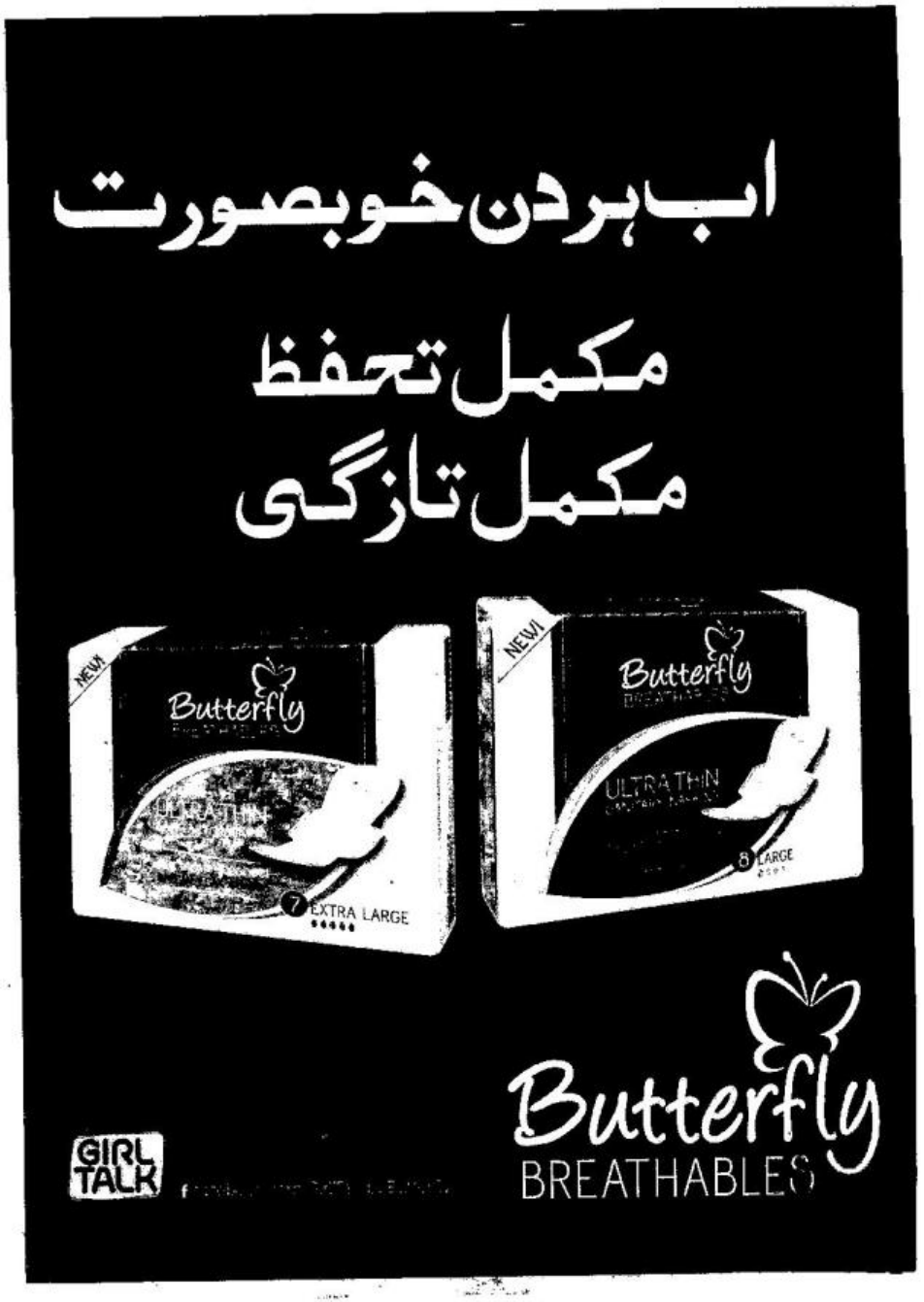

Ridadigest.com

"وہ کیا؟"

"سہد وڑائچ کو بریزے چاہیے اور اگر میرا شک غلط نہیں تو وہ یقیناً پاکستان میں ہے۔"

"بریزے کہاں ہے؟" سیداذکار علوی نے بہت سوچ کر اپنا اوپری ہونٹ کھجاتے ہوئے کہا۔

"یہ تو کوئی نہیں جانتا کہ بریزے کہاں ہے مگر اس کی بیماری ایک دن اس کو سڑک پر لے ہی آئے گی۔"

"نہیں، اب ایسا ناممکن ہے۔ بریزے اب کبھی بھی نیند میں نہیں چلے گی۔ اس کی بیماری کا علاج مکمل ہو گیا ہے۔" سیداذکار علوی نے چیئر سے ٹیک لگاتے نہایت مطمئن انداز میں اس کو دیکھا۔

"مگر تم یہ کیسے کہہ سکتے......" وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔

"تو کیا بریزے تمہارے پاس ہے؟" دوسرا حیران کن انکشاف تھا۔

"ہاں، وہ اپنے اصل مقام پر اسی دن آ گئی تھی جس دن تم لوگ اس کو اس طوائف خانے سے نکال رہے تھے۔"

"مگر یہ سب تم نے کیسے کیا۔ اتنی کڑی پہرے داری کے باوجود۔"

"یہ سب تمہارے سوچنے کی بات نہیں ہے۔ تم بس اپنی آخری سانسیں گنو۔" وہ کھڑا ہو گیا اور دونوں وہاں سے جانے لگے۔

"اس طرح مت جاؤ، کام تمام کر دو۔ خدارا مجھے گولی مار دو، مجھے مار دو تمام کر دو۔" وہ چیختی چلاتی رہی مگر اتنی ہمت اتنی طاقت نہیں تھی کہ کھڑی بھی ہو سکتی۔ اپنے اپاہج وجود کو گھسیٹتی دروازے تک لائی تھی اور دروازے کو زور زور سے بجانے لگی مگر دور تک صحرا اور [illegible] اس کی چیخنے چلانے کی آواز کوئی سننے والا نہیں تھا۔

"اب سنیتا بائی کا کیا کرنا ہے، اذکار سر۔" جیپ اسٹارٹ کرتے ذاکر حیات نے کہا۔

"کرنا کیا ہے، اریسٹ کرواؤ اور اس پوری بلڈنگ کو حراست میں لے لو۔ اتنا تو اندازہ مجھے بھی تھا کہ سہد وڑائچ یہیں پاکستان کراچی میں ہے مگر خیر کب تک چھپتا۔"

جیپ اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔

"تم اب یوں کرو "ہوٹل الشمس" کی فوٹیج نکالو۔"

"او کے سر۔"

☆......☆

"مے آئی ہیلپ یو۔" جانی پہچانی سی آواز پر ابراش عسکری نے پلٹ کر دیکھا۔

"اوہ، ہیلو ڈاکٹر!" اس کے چہرے کی بے زاری ان کو دیکھتے ہوئے غائب ہو گئی تھی۔ زائر چوہان نے تھوڑا رخ کر کے اس کی گاڑی دیکھی جو شاید ڈرائیور ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اینی پرابلم؟"

"یار، گھر والوں کو سرپرائز دینا چاہتا تھا مگر خود سرپرائز ہو گیا۔ ایک تو گاڑی خراب اوپر سے یہ برستی موسلا دھار بارش۔" ابراش عسکری نے چھتری کو تھوڑا اوپر کیا اور اپنے چہرے پر آئی بارش کی بوندوں کو ہاتھ سے صاف کیا۔

"کوئی بات نہیں، اکثر بارشوں میں یہ سب ہو جاتا ہے۔ تم آؤ میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے پیشکش کی۔

Ridadigest.com

"یس، وائے ناٹ، کیونکہ میں سخت بے زار ہو رہا ہوں۔ دور دور تک کسی ٹیکسی رکشہ کا کوئی نام و نشان نہیں ہے۔"

"او کے... آ جاؤ!" زائر چوہان نے دھیمے سے ہنستے ہوئے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔ ابراش عسکری نے ڈرائیور کو کچھ ہدایتیں دیں اور پانی کی بوندوں سے بچتے بچاتے تیزی سے فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھا۔ چھتری کو بند کر کے پیچھے سیٹ پر رکھی اور بکھرے بالوں کو سیٹ کیا۔

"خوش ہو؟"

"بہت زیادہ۔" دل کی خوشی اس کے خوبصورت چہرے سے صاف عیاں تھی۔

"اچھا ابراش، مجھے ذرا گھر سے ایک اہم فائل لینی ہے، صرف پندرہ منٹ ویٹ کر لو گے؟" زائر چوہان نے موڑ کاٹتے ہوئے کہا۔

"ارے کیوں نہیں۔ جہاں اتنا ویٹ کیا وہاں پندرہ منٹ اور سہی۔" خوش دلی سے کہا حالانکہ دل تو پر لگا کے اڑنا چاہتا تھا۔ جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا۔

"ماشاءاللہ سے بہت خوش نظر آ رہے ہو۔ اس کی وجہ اپنا چہرہ واپس مل جانا ہے یا کچھ اور..." زائر چوہان نے اسٹیئرنگ گھمایا۔

"اس چہرے کی خوشی کی وجہ ایک گلابی چہرہ ہے، زندگی اتنی خوبصورت نہیں تھی جتنی اب ہو گئی ہے، اب لگنے لگی ہے۔"

"اوہ... اس کا مطلب ہمارے ابراش صاحب کو کسی سے محبت ہو گئی ہے۔" انہوں نے مسکراتی آنکھوں سے ابراش عسکری کو دیکھا۔

"جی..... محبت تو میں جانتا ہی نہیں تھا مگر اس سے ملنے کے بعد جانا کہ محبت، دیوانگی کیا ہے، دل کا دھڑکنا سانسوں کا مہکنا کیا ہے۔"

اس کے ذہن کی اسکرین پر آنکھوں کے پردے پر اجیارہ کا شرمایا، گھبرایا سا چہرہ جھلملانے لگا تھا۔

"پتہ ہے ڈاکٹر صاحب مجھے اپنے اس جھلسے چہرے سے نفرت نہیں تھی کیونکہ [illegible] نے میرے اس چہرے کو نہیں میرے دل میں جھانکا تھا۔ اپنی محبت کی لو جلائی تھی۔ شروع شروع میں تو میں بہت چڑا، غصہ کیا مگر دھیرے دھیرے لگا وہ میرے اندر بستی جا رہی ہے۔ میرے وجود کا میرے دل کا حصہ بنتی جا رہی ہے، اس کو میرے جھلسے چہرے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ تو مجھے ویسے بھی قبول کر رہی تھی کیونکہ اس نے میرے ظاہر سے نہیں باطن سے پیار ہے مگر جب آپ نے گھر والوں نے کہا کہ اس معاشرے میں رہنے کے لئے زندگی گزارنے کے لئے مجھے اپنا آپریشن کرا لینا چاہیے۔ اپنے چہرے کی سرجری کرا لینی چاہیے اور دیکھیں آج میں صحیح سلامت اپنے اسی چہرے کے ساتھ آپ کے سامنے ہوں۔ مجھے شدت سے انتظار ہے کہ میرا یہ چہرہ وہ دیکھے، میں دیکھنا چاہتا ہوں اس کا کیا ری ایکشن ہو گا۔ میں اس کو محسوس کرنا چاہتا ہوں مگر دیکھیں یہ انتظار کی گھڑیاں ہیں کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی ہیں۔"

اس کی دیوانگی پر زائر چوہان ہولے سے ہنس دیئے۔

"ابراش آئی ایم ویری ہیپی.... اور میں دل سے دعا کرتا ہوں کہ تمہاری یہ خوشی ہمیشہ قائم و دائم رہے، تم اپنی پری وش کے ساتھ ہمیشہ خوش و خرم زندگی گزارو۔ (آمین)۔"

Ridadigest.com

''ثمہ آمین۔'' ابراش عسکری نے ہولے سے کہا۔

''اچھا اتنا ناز کر ہو رہا ہے مگر ابھی تک تم نے اپنی پری وش کا نام نہیں بتایا۔''

''جی اس کا نام......''

''اوہ۔'' گاڑی کے ٹائر کے نیچے شاید کوئی پتھر آ گیا تھا کہ گاڑی جھٹکے سے بالکل صحیح مقام پر رکی تھی۔

''لو بالکل ٹھیک وقت پر گاڑی رکی ہے، چلو آؤ۔'' زائر چوہان نے گاڑی بند کی اور اپنی چھتری اور ابراش عسکری کی چھتری پیچھے سے اٹھائی۔

''ڈاکٹر صاحب! آپ جلدی سے آجایئے نا فائل لے کر۔ میرا جانا ضروری ہے، مجھے جلدی پہنچنا ہے۔'' اس کا گاڑی سے اترنے کا بالکل موڈ نہیں تھا۔ بس جلد از جلد وہ گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ ابھی پانچ ہی بجے ہیں، وہ گھر پر ہی ہوگی۔

''مجنوں صاحب! میں آپ کی بے قراری سمجھتا ہوں، بس تھوڑا اور ویٹ۔'' زائر چوہان کے بے حد اصرار پر بالآخر اس کو ماننے ہی بنی تھی۔

دونوں اس خوبصورت بنگلے میں داخل ہوئے۔ کوریڈور میں پہنچے تو وہاں لان کے پاس نظر ٹھہر گئی۔

موسلا دھار بارش کو انجوائے کرتی وہ لڑکی کون تھی؟ سفید گھیر دار والی فراک اور سفید چوڑی دار پاجامے، دوپٹے کو گلے میں ڈالے وہ دونوں ہاتھ پھیلائے آسمان کی طرف رخ کئے بارش کی صاف شفاف پڑتی چھینٹوں کو اپنے چہرے پر شاید سکون محسوس کر رہی تھی۔

''ہاں، شاید ڈاکٹر صاحب کی وائف ہو کیونکہ زنیرہ کا فون آیا تھا تو اس نے بتایا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کی شادی ہو گئی ہے۔''

زائر چوہان نے ابراش عسکری کے رک جانے پر بڑے عجیب طور پر نہ صرف دیکھا بلکہ اس کی نظروں کے تعاقب میں بھی دیکھا تھا۔

''اوہ..... شی از مائی وائف..... اجیارہ.....'' زائر چوہان نے دھیمے سے نام پکارا اور یہ چند جملے اور پھر یہ نام شاید اس کو کچھ گمان ہوا ہو مگر انہوں نے پھر سے یہ نام دہرایا تھا۔

''اجیارہ۔''

ایک بجلی سی تھی، کوئی طوفان تھا، پہاڑ تھا وزنی جو اس کے پورے وجود پر گرا ہو۔ اجیارہ نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ وہ گلابی چہرہ بالکل نظروں کے سامنے تھا۔ ابراش عسکری کے قدم لڑکھڑا کے رہ گئے۔

''ابراش..... آر یو او کے ناؤ۔'' ابراش عسکری کے بالکل ساکت و جامد وجود کو زائر چوہان نے فکر مند نظروں سے دیکھا۔

''جی..... ہاں...'' وہ جو گہری خاموشی، گہرے سناٹے میں چلا گیا۔ زائر چوہان کے پکارنے پر بری طرح چونکا۔

''ایک کام کریں، آپ آئیں اور تھوڑا سا فریش ہو جائیں، پھر نکلتے ہیں۔ مجھے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ اینچولی بارش بھی تو اس قدر تیز ہو رہی ہے، کہیں آپ کو ٹھنڈ نہ لگ جائے۔'' وہ کہتے جا رہے تھے اور ابراش عسکری کا ہاتھ تھامے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔

''اللہ دین...'' انہوں نے گھر کے وفادار ملازم کو آواز دی۔

''جی سرکار۔''

''اللہ دین، ابراش صاحب کو اس روم میں لے جاؤ، یہ تھوڑا فریش ہو جائیں گے۔ آپ پھر اچھی سی کافی بھی بنا دینا۔ میں جب تک اوپر سے اپنی فائل لے کر آتا ہوں۔''

''بہتر سرکار۔ آیئے ابراش صاحب۔'' ابراش عسکری کسی ریموٹ کی طرح بس چلتا ہی چلا جا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا اس کی سانسیں رک گئی ہیں، دل دھڑکنا بند ہو گیا ہے۔ اس کا ذہن کام کرنا بند ہو گیا تھا۔

اجیارہ دل کی زور و شور سے چیختی چنگھاڑتی دھڑکنوں پر ہاتھ رکھتی تیزی سے اندھا دھند اندر بھاگی۔ بادامی آنکھوں میں ایک ٹھاٹیں مارتا جو سمندر تھا اس کو بہنے کا راستہ مل گیا تھا۔ وہ نہیں جانتی کہ کہاں جا رہی ہے بس جو دروازہ کھلا نظر آیا وہ اس کمرے میں گھس گئی اور دروازے کو دھڑ سے بند کیا اور بند دروازے سے ٹیک لگا کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ دل پر ہاتھ رکھے آنکھوں کو سختی سے میچے وہ بے آواز رو رہی تھی۔ کھٹکے کی آواز پر اس نے آنکھیں کھولی تھیں تو جیسے وقت رک گیا، لمحے ٹھہر گئے، پل سرکنا بھول گئے ہوں۔ بالکل سامنے ابراش عسکری کے وہ دشمن جان کھڑا بہت عجیب نظروں سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

قسمت نے یہ چال کیوں چلی۔ کیوں وقت نے اس کو اس کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ وہ جو وعدہ، عہد کر چکی تھی اپنے رب سے گڑگڑا کے التجا کی تھی، عاجزی و انکساری سے رو رو کے دعا مانگی تھی کہ میرے رب اب زندگی میں کبھی ابراش عسکری کا سامنا نہ ہو... مگر قسمت کون سا کھیل کھیلنے پر تلی ہوئی تھی اس کے ساتھ۔

ابراش عسکری دھیرے دھیرے مضبوط قدموں سے پر دھرتا بالکل اس کے قریب اس کے نزدیک آ ٹھہرا اور بالکل بلا ارادہ بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھوں کی مضبوط انگلیاں اس کے نازک ناتواں شانے میں گاڑ دی تھیں۔

اجیارہ نے ہونٹوں کو سختی سے ایک دوسرے میں بھینچا تکلیف کی شدت سے آنکھیں زور سے میچ لیں مگر زبان سے اف تک نہیں کیا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی یہ ابراش عسکری کی اندر کی تکلیف ہے جو باہر آ رہی ہے۔

''اللہ دین، ابراش صاحب کو بلا لائیں، مجھے بھی جلدی اسپتال پہنچنا ہے۔''

''جی سرکار۔'' اللہ دین نے دروازہ بجایا۔ ابراش عسکری نے اجیارہ کو دور دھکا دیا اور کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔ اس کے جانے کے بعد اجیارہ دیوار سے ٹیک لگائے گھٹنوں میں چہرہ چھپائے سسکیوں سے رو دی تھی۔ پورا وجود اس کا لرزنے لگا تھا۔

☆......☆

''نہیں!'' دیوانوں جیسی ہذیانی کیفیت تھی۔ وہ اس وقت ایسا زخمی شیر بنا ہوا تھا کہ بس نہیں چل رہا تھا ہر شے تہس نہس کر دے، ہر شے کو چیر پھاڑ دے۔ غصہ جنون، غیض و غضب، کیا کچھ نہیں تھا اس کے انداز میں۔ اپنے روم کی کوئی ایسی شے نہیں تھی جو اپنی جگہ پر موجود ہو۔ وہ چیخ چلا رہا تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اندر کا غبار، اندر کا لاوا کیسے باہر نکالے۔ پاگلوں جیسی حالت تھی، ایسی حالت جیسے شیر کے منہ سے اس کا شکار چھین لیا گیا ہو اور وہ اتنا بے بس کہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

''ابراش۔'' اس کی چیخ و پکار، اس کی اٹھا پٹخ، اس کا زور و شور سے چنگھاڑنا چلانا۔ زنیرہ تیزی سے بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ اس نے کمرہ دیکھا جو پورا الٹ پلٹ ہوا تھا اور بالکل سینٹر میں ان سب کو تہہ و بالا کرنے والا خود بھی بکھرا ہوا مگر غصے میں پاگل ہوا تھا۔ اس کا تو شاید بس نہیں چل رہا تھا وہ خود کو مار لے۔

''ابراش... یہ کیا حالت بنالی ہے تم نے اپنی۔''

Ridadigest.com

بکھرا حلیہ، بکھرے بال، آنسوؤں سے تر چہرہ، شرٹ کے بٹن ٹوٹے ہوئے تھے۔

''یہ تم پوچھ رہی ہو مجھ سے۔ تم نہیں جانتی ہو؟'' ابراش عسکری نے شکایتی نظروں سے زنیرہ کو اس طرح دیکھا کہ اس کا دل خون خون ہو گیا۔

''ابراش کول ڈاؤن..... تم واپس آ گئے ہو اور ہمیں بتایا کیوں نہیں۔''

وہ اس کی شکایتی نظروں کو نظر انداز کر کے بولی۔

''زنیرہ، میں بول کے گیا تھا میری امانت کا خیال رکھنا، پھر کیوں... کیوں دھوکا دیا مجھے۔''

زنیرہ سب جانتی تھی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے مگر فی الحال ابھی اس کو ٹھنڈا کرنا ضروری تھا۔ ابھی ابھی تو اس کی پلاسٹک سرجری ہوئی تھی، اس کا آپریشن ہوا تھا۔ ایسے میں غصے کی حالت میں اس کی طبیعت بگڑ نہ جائے۔

''تم پہلے خود کو سنبھالو بعد میں اس بارے ہر بات کرتے ہیں۔'' زنیرہ نے اس کا شانہ تھام کر اس کو صوفے کی جانب لے جانا چاہا۔

''نہیں، بات ابھی ہو گی۔ اجیارہ نے مجھے دھوکا دیا ہے، بے وفائی کی ہے مجھ سے۔ کیوں... کیوں زنیرہ، میں نے تو اس کو دل سے چاہا تھا، سچی محبت کی تھی پھر کیوں میری محبت و چاہت کا مذاق بنا دیا۔ کیوں کسی اور کی ڈولی میں جا بیٹھی۔'' شکست خوردہ سا ٹوٹا بکھرا لب و لہجہ۔

ہارا ہوا وجود۔

ایک ایسا تھکا ماندہ انسان جس نے اپنا سب کچھ گنوا دیا ہو۔

''ابراش..... لو پہلے پانی پیو..... پیو...'' ابراش وہیں قالین پر سسکتا ہوا بیٹھتا چلا گیا تو زنیرہ جلدی سے روم فریج سے پانی کا ٹھنڈا گلاس لے آئی اور بردستی اس کو گھونٹ پلایا تھا۔

''میں نہیں جانتی ابراش کہ اجیارہ نے ایسا کیوں کیا۔ ایسی کیا مجبوری رہی ہو گی جو اس نے یہ انتہائی قدم اٹھایا اور میں نے پوچھا نہیں کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے نہایت سادگی سے نکاح کیا اور اجیارہ کو گھر لے آئے۔ میں تو خود حیران و پریشان تھی جب اجیارہ کو ڈاکٹر صاحب کے ساتھ دیکھا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ تمہیں کچھ پتہ چلے مگر تم کو آتے ہی سب پتہ چل گیا۔''

''اجیارہ کو میری ایک ایک بات کا جواب دینا ہو گا۔ اس نے مجھے دھوکا کیوں دیا، کیوں بے وفائی کی، مجھے اس کا جواب چاہیے۔'' آنکھوں کے سرخ ڈوروں میں لاتعداد سوالات، شکوے، شکایات تھیں۔

''ابراش! تم بھول نہیں سکتے کیا اجیارہ کو؟'' زنیرہ نے بہت دل سنبھال کے یہ بات کی تھی۔

''یہ تم کہہ رہی ہو، سب کچھ جانتے ہوئے..... تم جانتی ہو نا کہ وہ میرے لئے کیا تھی۔ ارے ابھی تو میں نے جینا سیکھا تھا۔ دل نے دھڑکنا شروع کیا تھا.... ان سانسوں نے اس کی خوشبو کی محبت کو محسوس کیا تھا.... اس زندگی جس کو میں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قید تنہائی کے نام کر دیا تھا، پھر سے اس زندگی نے چہکنا شروع کیا تھا۔ مجھے سب اچھا لگنے لگا تھا.... مسکرانے لگا تھا پھر سے.... خوش رہنے لگا تھا پھر سے... اور ان سب کی وجہ.... صرف ایک وجود تھا... اجیارہ.... اجیارہ... اور اجیارہ... اور تم کہتی ہو میں بھول جاؤں اس کو.... کیسے، بولو.... کیسے بھول جاؤں.... میں ہار گیا.... ٹوٹ کے ایک بار پھر سے بکھر گیا...'' ابراش عسکری اپنے چہرے پر دونوں ہاتھوں کو رکھ کے بلک اٹھا۔ زنیرہ کا دل کٹ کے رہ گیا۔

''میں جانتی ہوں میرے بھائی، مجھے سب علم تھا مگر جو کچھ بھی ہوا سب بالکل اچانک ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی بیوی کے روپ میں دیکھ کر میں اجیارہ سے کوئی سوال نہیں کر سکی۔'' اس کی آنکھیں بھی اشکبار تھیں۔

''سنبھالو خود کو ابراش، اللہ جانتا ہے کہ اس کے اس کام میں کیا مصلحت ہے؟''

''نہیں سنبھلتا یہ دل۔ ایسا لگ رہا ہے بند ہو جائے گا۔''

زنیرہ نے ایک دکھ بھری نظر اس پر ڈالی تھی۔ وہ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی کیا کرے، کیسے سمجھائے اس کو، دکھ بھی تو بہت بڑا ملا تھا کہ وہ شاکڈ کی، صدمے کی کیفیت میں تھا۔ زنیرہ کی ہمدردی، اس کی تسلی، دلاسا مزید اس کو بکھیر رہا تھا۔ کانچ کے ٹکڑوں کی طرح وہ ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ اس کا دل ٹوٹا تھا۔

خوبصورت خواب ٹوٹا تھا۔

اس کے خوبصورت خواب کی تعبیر تنکا تنکا کر کے بکھر گئی تھی۔

زندگی ایک بار پھر سے خزاں کی جانب گامزن تھی۔

☆......☆

''غنوی بیٹا۔'' نہایت نرمی سے خاقان ترمذی نے چپ چاپ صوفے پر بیٹھی غنوی کو پکارا۔

''جی ڈیڈو۔'' معصوم چہرہ پژمردہ سا اداس سا ہو رہا تھا۔ کچھ بہت قیمتی شے کھو جانے کا ڈر و خوف اس کے معصوم چہرے پر ہلکورے لے رہا تھا۔

''بیٹا، سبکتگین اسپتال میں ایڈمٹ ہیں.... چلو گی...؟''

''واٹ!'' وہ اپنی جگہ سے دو فٹ جیسے اچھلی تھی۔ دل تھا کہ جیسے ابھی پسلیاں توڑ کے باہر آ جائے گا۔

''ڈیڈ.... ڈیڈو.... یہ... یہ آپ کیا.... کہہ رہے ہیں....؟'' وہ بے چین و بے قراری اٹک اٹک کر بولتی ہوئے خاقان ترمذی کے پاس آئی۔

''سبکتگین ایک ہی کڈنی پر اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ تو آپ جانتی ہیں نا...؟''

''نہیں ڈیڈو، یہ تو مجھے نہیں معلوم۔'' گہرے انکشاف پر وہ شاکڈ ہو کر رہ گئی۔

''بہر حال... کچھ دنوں سے انہوں نے بالکل کھانا پینا چھوڑ دیا تھا اور نتیجہ یہ کہ ان کی بہت حالت خراب ہو گئی۔ کل رات ہی ان کو ایڈمٹ کیا گیا ہے۔''

''مجھے سبکتگین کے پاس جانا ہے... مجھے لے چلیں۔'' وہ پریشان سی ہو گئی۔ سبکتگین حیدر ترمذی کے کھانا پینا کے چھوڑنے کی وجہ وہ اچھی طرح سمجھتی تھی۔ وہ تو اپنا ہی دکھ، اپنا ہی غم لے کر بیٹھی تھی۔ اسے کیا خبر کہ کوئی اور بھی ہے جو اس سے زیادہ تکلیف میں ہے، درد میں جی رہا ہے اور اس نے کیا کیا۔ مزید اپنے رویے، اپنے برتاؤ.... اپنے سلوک سے.... اس کی مزید دل آزاری کرتی رہی، اس کا دل دکھاتی رہی... اس کو نیچا دکھاتی رہی..... قدم قدم پر اپنے کڑوے زہریلے لفظوں کے تیروں سے اس کا دل.....

اس کی روح.... اس کا جسم.... تک چھلنی چھلنی کرتی رہی.....

اپنے انتقام کے بدلے کی آگ میں وہ اس قدر آگے نکل گئی کہ لمحہ لمحہ کوئی اس کی خاطر اس کی خوشی کے لئے اپنی زندگی ہار رہا ہے.... مگر... نہیں.... وہ اب سبکتگین کو ٹوٹنے بکھرنے نہیں دے گی، اس کو مزید نقصان نہیں پہنچائے گی۔''

کچھ ہی دیر میں غنوی اسپتال پہنچ گئی جہاں پہلے سے ہی سب موجود تھے۔ سبکتگین حیدر ترمذی کو پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ سبرینہ اس کو سوپ پلانے کی کوشش کر رہی تھیں مگر وہ مستقل منع کر رہا تھا۔

Ridadigest.com

''جان تھوڑا سا...''

''ایک کام کریں، آپ لوگوں نے بہت خدمت کرلی رات سے، غنویٰ آگئی ہیں یہی سبکتگین کے ناز نخرے اٹھائیں گی۔'' عفان ترمذی نے غنویٰ کا فکرمند اداس سا چہرہ دیکھا۔ وہاں جو کچھ تھا وہ سب سمجھ گئے تھے۔

''بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ عفان۔'' امبرین نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے کہا۔ حالانکہ ان کا دل جتنا پریشان تھا وہ جانتی تھیں مگر غنویٰ آگئی وہ اس سے کوئی گلہ، کوئی شکوہ و شکایات کرکے اس کا دل نہیں دکھانا چاہتی تھیں۔ ان سب کے لئے یہی بہت تھا اور اس سے اچھی بات تو اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی کہ وہ دونوں کو اکیلے رہنے کا موقع دیں، بات کرنے کے لئے اکیلا چھوڑ دیں۔

خاقان ترمذی کی آنکھ کے اشارے پر سب باہر نکل گئے۔ امبرین اور سبرینہ نے باری باری اس کی پیشانی پر چاہت بھرا نرم سا بوسہ لیا اور عفان ترمذی نے دستِ شفقت اس کے سر پر رکھا اور ڈھیروں دعائیں دیتے باہر نکل گئے۔

روم میں صرف دو نفوس رہ گئے تھے اور اس گہری خاموشی کو غنویٰ نے ہی توڑا تھا۔

''کیا سمجھتے ہیں خود کو، اس طرح کرکے سمجھیں گے کہ میں پریشان ہو جاؤں گی، فکرمند ہو جاؤں گی اور دوڑی دوڑی چلی آؤں گی آپ کو دیکھنے۔ تو یہ آپ کی بھول ہے۔ مجھے کوئی آپ کی فکر نہیں ہے۔'' آنسو بہاتی، گلہ کرتی وہ سیدھا اس کے دل میں اتری تھی۔ سبکتگین حیدر نے سر کو جھکا لیا تھا، لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

''یہ مسکرا کیوں رہے ہیں۔ میں کوئی بے وقوف ہوں جو ان در و دیوار سے باتیں کر رہی ہوں.... ہاں.... آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں.... آپ سمجھ رہے ہیں یہ تو ہے ہی پاگل، دیوانی، بولتی ہے تو بولنے دو۔ مجھ پر کون سا اثر ہونے والا ہے۔ میں تو اپنی ہی کروں گا.... بس....''

''شش...'' سبکتگین حیدر نے ایک جھٹکے سے اس کی کلائی پکڑ کے جو کھینچی وہ نازک سی ڈالی اس کی جانب کھنچتی چلی آئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی، سبکتگین حیدر ترمذی نے اس کی کمر کے گرد اپنی محبت کا مضبوط حصار باندھ دیا تھا۔

''مجھے ان مغرور آنکھوں میں آنسو اچھے نہیں لگتے، اس معصوم چہرے پر اداسی اچھی نہیں لگتی.... مجھے یہ والی غنویٰ پسند نہیں ہے۔ مجھ سے لڑتی جھگڑتی مغرور ناک کو چڑھاتی اور کہیں نہ کہیں پیار جھلکاتی غنویٰ پسند ہے۔'' سبکتگین حیدر ترمذی نے بغور اس کی مغرور آنکھوں میں جھانکا۔

''میں اپنی انا اور ضد میں اپنی محبت کو پہچان ہی نہیں سکی۔ نادانستگی، انجانے میں جو آپ سے غلطی ہوئی اس کی سزا دیتی رہی۔ اپنے کڑوے لفظوں سے آپ کا دل دکھاتی رہی.... سبکتگین میں آپ کو سمجھ ہی نہیں سکی.... انجانے میں، میں خود کا بہت بڑا نقصان کرنے جا رہی تھی.... خدانخواستہ اگر دیر ہو جاتی تو میں اپنی زندگی ہار جاتی۔'' ان آنکھوں سے ٹپ ٹپ کرکے ایک ایک آنسو گرتا سبکتگین حیدر کے سینے پر جذب ہوتا چلا گیا۔

''اور تمہارا سبکتگین تمہیں کبھی ہارنے نہیں دیتا۔'' اس نے دھیرے سے اس کے شنگرفی ہونٹوں پر انگلیاں پھیریں۔

''مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں، سبکتگین۔'' اس نے آسودہ ہو کر اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔

(جاری ہے)

ن شاہ

سانسوں کی مالا

وہ خاصے نپے تلے قدموں سے اپنے کمرے سے باہر نکلے تھے، پیشانی پر ابھری نیلی رگ اس بات کی غمازی تھی کہ ان کا مزاج خاصا گرم ہے وہ بے حد خراب موڈ کے ساتھ ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر بیٹھے تھے۔ ٹی وی آن کر کے چینل پر چینل بدلتے جا رہے تھے۔ جلد ہی اکتا کر انہوں نے ٹی وی آف کر دیا۔

''میرا بے بی کتنا پیارا لگ رہا ہے لاؤ میں اپنے بے بی کے بال سنوارتی ہوں۔''

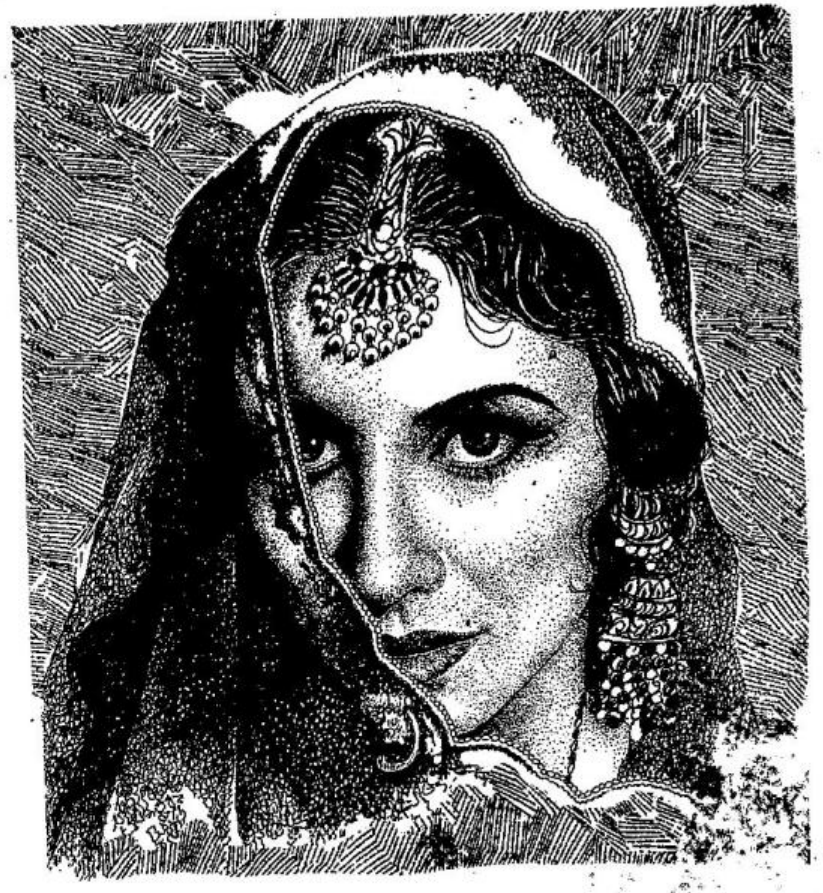

ایاز حسن نے آواز کی سمت دیکھا۔ ٹی وی لاؤنج کے نیم تاریک گوشے میں فاریہ کارپٹ پر براجمان گڈے کے بالوں میں ہیئر برش کر رہی تھی۔ کپڑے سے بنا اور روئی سے بھرا یہ نیلی آنکھوں والا ''گڈا'' جانے کہاں سے اس کے ہاتھ لگا تھا۔ گڈے سے کھیلنا اس کا من پسند مشغلہ تھا۔

فاریہ ایاز حسن کی 30 سالہ بہن تھی۔ ایاز حسن خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔ وہ گڈے کو سینے سے لگائے ہانس رہی تھی۔ نجانے کیوں آج اسے دیکھ کر وہ بھڑکے نہیں تھے بلکہ ان کا برہم مزاج معتدل ہو چکا تھا، یوں پر فکر کی پرچھائیں غالب آ چکی تھیں۔ ایک گہرا ملال ان کے اندر اتر آیا تھا۔ اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

☆......☆

مکمل ناول

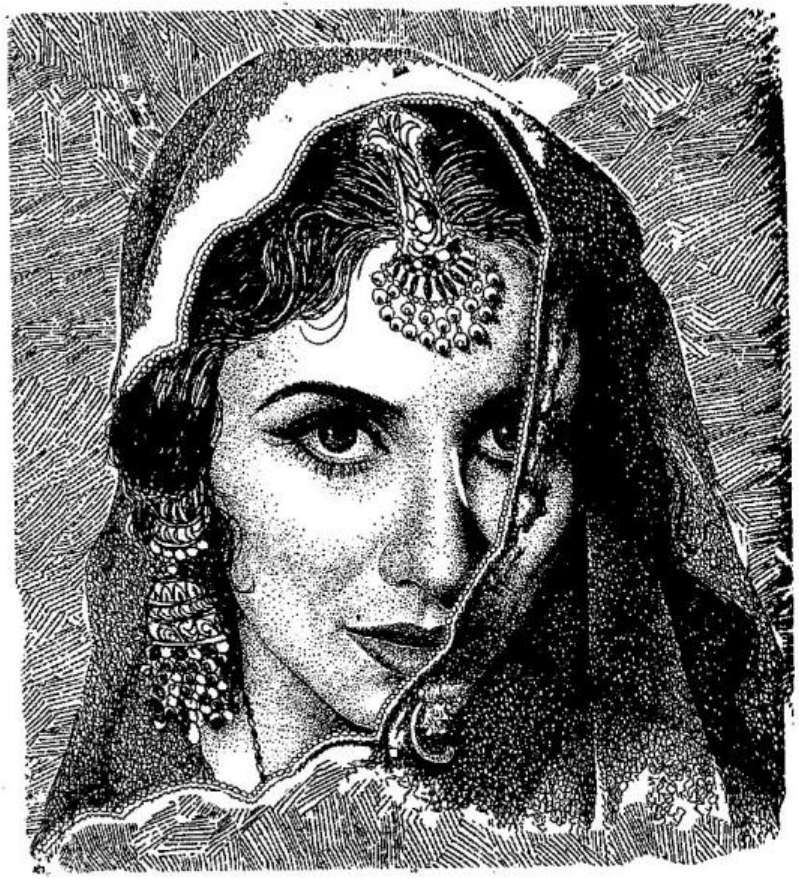

''مجھے تو لگتا ہے کہ بیلا بھابی کا دماغ چل گیا ہے۔ امی آپ کو بھی پورے جہان میں زرناب بھائی کے لیے یہی ایک لڑکی ملی تھی۔''

اسے یہ بھی احساس نہ تھا کہ اس کی بلند آواز میں نشر ہونے والا ''بیلا نامہ'' کچن میں کھڑی ''بیلا'' تک بخوبی پہنچ رہا ہے۔ ویسے بھی فرق ہی کیا پڑتا تھا۔ وہ یہ باتیں بھلے خود ''بیلا'' کے روبرو کر لیتی۔ اس کے پاس محض خاموشی ہوتی یا مسکراہٹ۔

''ہانیہ بس کرو اب..... ایسی بہوئیں اب نہیں ملتیں اگر وہ کم گو ہے تو سوچو اس میں ہمارا ہی بھلا ہے۔ تم کیا چاہتی ہو کہ وہ گھر پر محاذ کھول لے۔ گھر کو میدان جنگ بنانے کے لیے سمیہ کافی ہے۔''

''امی انسان کو تھوڑا تیز ہونا چاہیے کم از کم اپنی ذات کے لیے لڑ سکنے کی صلاحیت ہونی چاہیے۔ اب یہ ہی دیکھ لیں کہ وہ سارا دن کام کرتی ہیں سمیہ بھابی ان پر حکم چلاتی رہتی ہیں، ان کے ہاتھ مفت کی نوکرانی لگ گئی ہے۔ اپنے حصے کے کام بھی بیلا بھابی سے کرواتی ہیں۔'' اسے نہایت غم و غصہ تھا۔ بیلا سمجھ نہ پائی کہ وہ اس کی نقاد ہے یا ہمدرد۔

رشیدہ بیگم نے ہاتھ جوڑ دیے۔ ''بی بی تم اس گھر میں چند روز کی مہمان ہو، ایک دن تم کو سسرال رخصت ہو جانا ہے۔ کیا فائدہ بے وجہ تنقید کا۔ تم بنی ہو سب کے ساتھ بنا کر رکھو۔''

''امی مجھ سے یہ ناانصافیاں برداشت نہیں ہوتیں۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔ پھر کسی خیال کے تحت ان کے قریب آ کر بولی۔ ''کہیں زرناب بھائی نے بیلا بھابی کو فاریہ کے متعلق تو نہیں بتا دیا۔''

''آئے ہائے..... خدا سے خیر مانگو۔ کیا الٹا سیدھا سوچ رہی ہو۔ اب کیا ہو گیا ہے جو تم اول فول بولے جا رہی ہو..... خاصی بے ضرر سی تو ہے۔'' رشیدہ بیگم نے کڑے تیوروں کے ساتھ ہانیہ کو دیکھا۔

''خاصی بے ضرر نہیں بلکہ حد سے زیادہ بے ضرر۔'' وہ ناگواری سے بولی تھی۔

''شکر کرو ہائی کہ بیلا حد سے زیادہ بے ضرر ہے ورنہ اگر تمہاری بڑی بھابی سمیہ کی طرح ہوتی ناں تو عقل ٹھکانے آ جاتی۔'' انہوں نے نرم لہجے میں ہانیہ کو سمجھایا۔

''فار گاڈ سیک امی اب اتنی حمایت بھی نہ کریں۔ وہ صرف بے ضرر ہی نہیں بے وقوف بھی ہیں۔ کوئی بات خواہ ان کے خلاف ہو یا حق میں بس مسکراتی ہی رہیں گی۔ دو مرتبہ دہرانے پر انہیں مدعا سمجھ میں آتا ہے۔ انسان کیسی ہی سنجیدہ بات کرے یا غصہ ہو، مجال ہے کبھی پلٹ کر جواب دیا ہو۔ بے تاثر چہرے سے دیکھ کر مسکرائیں گی اور کل شاپنگ کے لیے بازار گئے تو نجانے ذہن کہاں الجھا ہوا تھا شاپ کیپر نے بیس سوٹ دکھائے اور جو بھی دکھایا انہیں سب پسند آئے۔ میں نے جس کو بھی اچھا کہا انہوں نے ہاں میں ہاں ملائی بھلے وہ کسی کام کا بھی نہ تھا۔ امی بے ضرر اور بے وقوف ہونے میں فرق ہوتا ہے۔ اتنی کم گو ہیں کہ مجھے وحشت ہونے لگتی ہے۔ زرناب بھائی چاہے رات گئے گھر آئیں یا انہیں ناحق ٹوک دیں انہوں نے کبھی گلہ نہیں کیا بس ایک چپ ہے۔'' اس نے لمبی چوڑی تقریر کرتے ہوئے رشیدہ بیگم کو ہم نوا بنانا چاہا۔

وہ دہل کر بولیں تو ہانیہ نے اپنے خیال کو خود ہی رد کر دیا۔

''ہاں آپ ٹھیک کہتی ہیں اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو شاید بیلا بھابی کبھی چپ نہ رہتیں۔'' وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔

''ویسے امی کیا اچھا ہوتا اگر فاریہ کے بھائی نے رشتہ قبول کر لیا ہوتا۔ ہم اتنے غیر نہ تھے۔ آخر دور پرے

لے رشتہ دار تھے ان کے، زرناب بھائی کیسے بجھ سے گئے ہیں۔ آپ کی خاطر شادی کر تو لی ہے لیکن خوشی ڈھونڈنے سے بھی چہرے پر نہیں ملتی۔''

''ہانی تم تو پاگل ہو گئی ہو۔ یہ باتیں با آواز بلند کرنے والی نہیں ہیں اگر بیلا نے سن لیا تو اس کے دل پر کیا گزرے گی۔ چلو اٹھو جا کر کچن میں اس کا ہاتھ بٹاؤ۔'' رشیدہ بیگم نے اسے گھرکا۔

وہ بھی بحث سے تنگ آ گئی تھی۔ سو خاموشی سے اٹھ گئی۔ کچن کے قریب ہانیہ کے قدموں کی چاپ سن کر بیلا نے جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے۔

☆.....☆

وہ صحن میں لگے نل پر چھوٹے چھوٹے کپڑے دھو رہی تھی۔ جب نئے کرائے داروں کی خاتون گھر میں داخل ہوئیں۔

''السلام علیکم!'' کوئی جواب نہ پا کر وہ برآمدے میں بیٹھی شبانہ بھابی کے پاس چلی گئیں۔ شبانہ بھابی نے دل دلی سے سلام کا جواب دیا تھا۔ رضیہ خالہ سے ان کی گاڑھی چھنتی تھی۔ پہلے تو وہ خود ان کے ہاں چکر لگا آتی تھیں لیکن ناسازی طبع کے سبب جا نہ پائی تھیں۔ سو وہ خود ہی بھابی سے ملنے چلی آئیں۔

''خیر تو ہے ناں تم نے آج چکر نہیں لگایا۔''

''بس خالہ طبیعت کچھ خراب تھی۔ آپ سنائیں سب خیر ہے ناں؟''

''اللہ کا بڑا فضل ہے۔ شبانہ یہ بچی کون ہے۔ میں نے سلام کیا اس نے جواب ہی نہیں دیا۔''

''نند ہے میری۔'' انہوں نے انتہائی بیزار کن لہجے میں کہا۔

''یہ بولتی کہاں ہے جو جواب دیتی۔ مرضی کی مالک ہے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا یہ گونگی ہے؟'' رضیہ خالہ کو دلی طور پر دکھ محسوس ہوا۔

''ارے نہیں خالہ بس مرضی سے بولتی ہے۔'' رضیہ خالہ نے رسی پر کپڑے پھیلاتی فاریہ کو تاسف سے دیکھا۔ وہ ناسمجھی کے عالم میں تھیں۔

''شبانہ تم لوگوں کے گھر کوئی چھوٹا بچہ تو نہیں ہے پھر یہ کس کے کپڑے دھو کر پھیلا رہی ہے؟''

''وہ خالہ میں نے تو چاہا تھا کہ یہ بھید نہ کھلے مگر ایسا ہوتا نظر نہیں آ رہا۔ ہمارے گھر میں واقعی کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہے لیکن میری نند جانے کن حسرتوں کو پورا کر رہی ہے۔ خالہ دراصل اسے عشق ہو گیا تھا۔'' ان کے لہجے میں زہر بھرا طنز تھا۔ خالہ حیران ہی رہ گئیں۔

''پھر؟''

''پھر کیا ہونا تھا۔ لڑکا تو خیر خاندان برادری کا تھا لیکن ایاز حسن نہیں مانے۔ لڑکے میں کچھ عیب بھی نہ تھا۔ وجہ صرف یہ رہی کہ ایاز حسن اپنے دوست کے بھائی سے فاریہ کی شادی کرنا چاہتے تھے جب کہ فاریہ کا آنکھ مٹکا زرناب سے چل رہا تھا۔ فاریہ نے منہ پھاڑ کر بے حیائی کے ساتھ بھائی سے کہہ دیا کہ اگر زرناب سے شادی نہ ہوئی تو پھر شادی نہیں کرے گی۔ ایاز حسن نے والدین کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بہت لاڈ سے فاریہ کو پالا تھا ان سے یہ بدتمیزی ہضم نہ ہوئی زرناب کا رشتہ آیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ اس کے کچھ عرصہ تک تو سب ٹھیک رہا پھر بی بی جی کا دماغ الٹ گیا۔ بی اے کر رکھا ہے۔ بہت ذہین تھی بے چاری..... مگر ایسی ذہانت کو چاٹنا ہے کیا جسے بھائی کی عزت کا احساس نہ ہو۔ ایسی بہنوں کو کیا کرنا ہے۔ ان کا تو مر جانا ہی

بہتر ہے۔'' انہوں نے تلخی سے تفصیل بتائی۔ رضیہ خالہ توبہ توبہ کرنے لگیں۔

''قیامت کی نشانی ہے بہن۔ ورنہ ہم بھی جوان تھے مگر مجال ہے جو کبھی والدین یا بڑوں کے سامنے زبان کھولی ہو۔''

''ٹھیک کہتی ہیں آپ خالہ! آج کل کی نسل میں تو شرم و حیا ناپید ہو چکی ہے۔ اب میری نند کو دیکھ لیں۔ ایک ''گڈا'' لیے سارا دن اسے کا کا بنائے ارمان نکالتی رہتی ہے۔ سب ڈھونگ ہے خالہ۔ اور یہ کپڑے بھی اسی گڈے کے ہیں۔ اس کی ماں بنی رہتی ہے۔ ہر آئے گئے کے سامنے شرمندہ تو مجھے ہونا پڑتا ہے۔ وہ پوچھتے ہیں کہ چھوکری تیس سال کی ہو کر بھی کنواری کیوں ہے اور ابھی تک کھلونوں سے کیوں کھیلتی ہے؟'' شبانہ نے دوپٹہ ماتھے پر باندھ لیا۔

''سچ ہے بھئی اب ہر کسی کے سامنے عشق کی داستان تھوڑی کھل سکتی ہے کہ پھر لوگ کہیں گے بھابی جو ٹھہری من گھڑت قصے سناتی ہے۔'' رضیہ خالہ نے افسوس کا اظہار کیا۔

''ارے خالہ آپ کو تو میں نے اپنا سمجھ کر سب کہہ دیا کیا بتاؤں یہ بوجھ اٹھائے تھک گئی ہوں۔ یہ جو ننھی پری بن کر گڑیوں سے کھیلتی رہتی ہے ساری زندگی خون چوسنے کے واسطے میرے جسم سے جونک کی طرح چمٹی رہے گی۔'' کوشش کر کے انہوں نے آنکھوں میں آنسو بھر لیے تھے۔

''اس کی تو تم فکر نہ کرو جب تمہیں بیٹی کہا ہے تو تمہارے درد بھی میرے ہی ہوئے ناں۔ چلو اب چھوڑو اس ذکر کو دل دکھتا ہے۔''

''اچھا خالہ آپ بیٹھیں میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' کہہ کر وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

نل کے نیچے گڈے کو نہلاتی فاریہ کو دیکھا تو ایک دم پارہ ہائی ہوا تھا۔

''بی بی بس کر و اب...... سرف، صابن، شیمپو کوئی چیز تمہارے ہاتھ سے بچی نہیں ہے۔ ٹنکی کا آدھا پانی تو تم ضائع کر دیتی ہو پھر موٹر چلے گی، بجلی خرچ ہوگی، بل آئے گا اور ایاز حسن میری جان کو روئے گا۔ چل اب بھاگ یہاں سے۔'' فاری کی آنکھوں میں ڈھیروں پانی امڈ آیا تھا۔ شبانہ نے اس کے ہاتھ سے گڈا چھین کر دور پھینکا تھا۔

''نہیں۔'' فاریہ سسک ہی تو پڑی تھی۔ اس نے بھاگ کر گڈا اٹھایا تھا۔ اسے سینے سے لگا کر روتی ہوئی وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

''دیکھا آپ نے۔'' شبانہ بھابی نے جتاتی ہوئی نظروں سے رضیہ خالہ کو دیکھا اور کچن میں گھس گئی۔

☆......☆

''پاپا آپ کیوں تاریخ دہرانا چاہتے ہیں۔ کیوں فاریہ پھپھو کی طرح مجھے بھی زندہ درگور کرنا چاہتے ہیں۔ آپ میرے باپ ہیں اگر اپنی پسند کا اظہار آپ سے نہیں کروں گی تو اور کیا باہر کے لوگوں سے کہوں گی کہ مجھے منہال سے شادی کرنی ہے۔ ایک بار صرف ایک بار ٹھنڈے ذہن سے سوچیں پاپا...... آج سے 8 سال قبل آپ کی بہن بھی میری طرح آپ کے سامنے بھکارن بن کر کھڑی تھی۔ بتائیں پاپا کیا پسند کی شادی کرنا کیا ہمارے مذہب میں ناجائز ہے۔ نہیں پاپا نہیں ہمارا اسلام پسند کی شادی کی اجازت مرد عورت کو برابری کے اصول پر دیتا ہے۔ ہر بات میں اسلام کا پرچار کرنے والے اس ایک نقطے پر آ کر کیوں اختلاف کرتے ہیں؟

[illegible] بھول جاتے ہیں کہ اسلام میں ہر انسان کو پسند کی شادی کا حق ہے۔ اگر فاریہ پھپھو نے مان بھرے [illegible] کے سامنے حقیقت کھول دی تھی۔ منافقت اختیار نہیں کی تھی تو کیا یہ ان کا جرم تھا نہیں پاپا انہوں [illegible] ں والا حق جتایا تھا کہ ماں جایا ان کے خواب کی تکمیل میں آسانی پیدا کرے گا۔ مگر نہیں پاپا آپ [illegible] ان کی کوئی مان نہیں رکھا اور آج آپ مجھے بھی دوسری فاریہ بنانا چاہتے ہیں۔ کبھی اپنی بہن کی اجاڑ آنکھوں [illegible] حالت کو غور سے دیکھا ہے آپ نے کسی کی خوشیاں چھین لیں حالانکہ زرناب انکل ہر لحاظ سے شریعت [illegible] مطابق پھپھو کا جوڑ تھے۔ پاپا اسلام تو رشتہ داری کرنے میں صرف تقویٰ کو مدنظر رکھنے کا حکم دیتا ہے لیکن آج اسی تقویٰ سے صرف نظر کر کے بینک بیلنس، انا، برادری، ذات اور آن بان کو اہمیت دیتا ہے۔ پاپا کیوں یہ دوغلی پالیسی ہمارے معاشرے میں اب تک ختم نہ ہو سکی۔ یاد رکھیں پاپا یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر بار کوئی فاریہ بن کر اپنے حق سے دستبردار ہو جائے وقت بدل بھی سکتا ہے۔ میں جانتی ہوں پاپا کہ میری ماما فاریہ پھپھو کو ان کے ماضی کے حوالے سے کچو کے لگاتی رہتی ہیں۔ وہ میری ماما ہی سہی لیکن حق، حق ہوتا ہے حق کہنے سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ فاریہ آپ کی بہن ہیں پاپا نجانے کیوں آپ کو ان کا درد محسوس نہیں ہوتا۔ بتا دیں جا کر ماما کو کہ آج ان کے طعنے سہنے والی میں ایک اور کا اضافہ ہو گیا ہے۔ ترس آتا ہے مجھے فاریہ پھپھو پر!!'' عشاء نے ایک سانس میں ہزار باتیں کی تھیں۔

''بہت سن چکا میں تمہاری بکواس اس دن کے لیے تمہیں پڑھایا لکھایا تھا میں نے کہ تم آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھاؤ اور دو بدو باپ سے بَر مانگو۔ جیسی تم ویسی فاریہ...... تم لوگوں نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔ شکر کرو تمہاری ماں گھر پر نہیں ہے ورنہ زمین آسمان ایک کر دیتی آج سے دس سال قبل جو ہوا اس کا تنہا ذمہ دار صرف میں نہیں ہوں۔ زہر لگتی ہے مجھے وہ عورت اگر مجھے زمانے کا خوف نہ ہوتا تو کب سے اسے اٹھا کر پاگل خانے ڈلوا دیتا۔ وہ میری بہن نہیں ہے۔ میرے منہ پر لگی ہوئی کالک ہے کالک...... سمجھی تم۔ بڑی آئی تم حمایت کرنے والی...... مجھے درس دو گی تم مجھے ایاز حسن کو، تمہاری شادی کسی صورت منہال سے نہیں ہوگی اور کل سے تمہارا یونیورسٹی جانا بند۔'' ان کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا تھا۔

''آپ میرے باپ ہیں۔ میرے لیے بہت محترم ہیں لیکن کاش پاپا آپ اپنے دل میں زمانے کا خوف رکھنے کے بجائے خدا کا خوف رکھتے اور اگر آپ کی یہ ہی مرضی ہے کہ میں دوسری فاریہ بنوں تو ٹھیک ہے ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ میں فاریہ کی بھتیجی ہوں...... غلط قدم اٹھانے کی بجائے مرنا پسند کروں گی۔ گھٹ گھٹ کر مرنا روز جینا اور مرنا۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

ایاز حسن غصے سے بھناتے ہوئے کمرے سے باہر آ گئے۔

☆......☆

''ناں بی سات سال ہو گئے ہیں تمہاری شادی کو اور میں اب تک تمہارے بچے دیکھنے کی خواہش دل میں دبائے بیٹھی ہوں۔ آخر تم اس معاملے میں سنجیدہ کیوں نہیں ہوتے؟ زرناب کو رشیدہ بیگم نے آج آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ قریب ہی بیلا چاول چن رہی تھی۔ ان کی بات پر اس کے سینے میں ایک ٹیس سی اٹھی تھی۔

''آپ کا دل بہلانے کو فواد بھائی کے بچے موجود ہیں ناں زکی، دعا اور سنی ہمارے ہی گلشن کے پھول ہیں۔'' زرناب نے ہنس کر کہا تھا۔

''مجھے ٹالو مت زرناب! خدا فواد اور اس کے بیوی بچوں کو سلامت رکھے لیکن مجھے تمہارے بچوں کی بھی

آرزو ہے اپنی اولاد اپنی ہوتی ہے۔ کب سے تمہیں کہہ رہی ہوں کہ کسی اچھی لیڈی ڈاکٹر سے بیلا کا چیک اپ کرواؤ۔ تمہیں کیوں میری بات سمجھ میں نہیں آتی؟" وہ خاصی خفا تھیں۔

"اماں! دیر آید درست آید...... وقت مقررہ پر سب ٹھیک ہوجائے گا اور خدا نے چاہا تو آپ کی خواہش بھی پوری ہوجائے گی۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"دیکھو بیٹا ماں بننا ہر عورت کی خواہش ہوتی ہے اور گھر کا سکون اولاد سے حاصل ہوتا ہے۔ کیوں بیلا؟" رشیدہ بیگم نے براہ راست اسے مخاطب کیا تو وہ گڑبڑا سی گئی۔ چاولوں کی ٹرے گرتے گرتے بچی تھی۔

"آں...... ہاں...... ہاں جی۔"

اب وہ رشیدہ بیگم کو کیا بتاتی کہ زرناب سرے سے ان قربتوں کا شائق نہیں تھا۔ اس کی زندگی میں ایسا کوئی لمحہ نہ آیا تھا کہ جو اسے ثمر بار کر جاتا۔

"سات سالوں سے بیلا پورے گھر کی خدمت کر رہی ہے۔ کبھی اف تک نہیں کی۔ بڑی صابر بچی ہے۔ خدا اسے صالح اولاد دے۔ تمہارے بھاگ جاگ گئے ہیں زرناب ورنہ آج کل کی لڑکیاں تو فرمائشی پروگرام بنائے رکھتی ہیں۔ اسے تو جیسا پہنا دیا پہن لیا۔ جو کھلا دیا کھا لیا۔ خدا اس کی گود ہری کرے۔" اب کی مرتبہ رشیدہ بیگم کا لہجہ انتہائی شفقت اور نرمی سے لبریز تھا۔ زرناب نے خاموشی سے کروٹ بدل لی اور وہ چاولوں کے دانوں پر نظر جمائے سوچ رہی تھی۔

"کہ نجانے کس کے بھاگ جاگے ہیں اور کس کے سو گئے ہیں ماں...... بس صبر و ضبط کے دموں کی خیر ہو یہ دعا کرو کہ خدا سب کو زہر عشق پی کر بھی سمجھوتوں کی صلیب پر لٹک کر جینے کا یارا بخشے جس روز جھک کر گرے قیامت ہوگی۔"

☆......☆

"ماما مجھے پھپھو نے ہرگز غلط راہ پر نہیں ڈالا وہ بے چاری تو خود کو سنبھالنے کے قابل نہیں رہیں، مجھے کیا بھڑکائیں گی۔ پاپا کی زبانی جو بات آپ تک پہنچ گئی ہے بس وہی اٹل ہے ورنہ......" عشاء نے مضبوط لہجے میں کہہ کر شبانہ بیگم کی طرف دیکھا۔

"کیا ورنہ گھر چھوڑ کر چلی جائے گی تو......؟" وہ پھنکاریں۔

"نہیں خودکشی کرلوں گی، مہذب خودکشی۔ ساری زندگی اسی چوکھٹ پر گزار دوں گی مگر آپ کے بھانجے سے شادی نہیں کروں گی اگر آپ نے زیادہ فورس کیا تو زہر کھالوں گی۔"

"تمہاری رگوں میں گندی نسل کا خون ہے یہ چاند تو چڑھنا ضروری تھا لیکن میں تم کو بتارہی ہوں عشاء یہ دل جلوں کی سرائے نہیں ہے۔ جہاں میں ہر دس سال بعد کنواریوں کو بٹھا کے رکھوں۔ تم مرو یا جیو تمہاری شادی بہرحال ارسلان ہی سے ہوگی۔"

"ماما پلیز میری بات کو انڈراسٹینڈ کریں۔ پھپھو کو درمیان میں نہ گھسیٹیں کسی لڑکی کا دل نہیں چاہتا کہ وہ والدین کے لیے دردِ سر بنے۔ ماما ہر لڑکی کا خواب گھر، شوہر، بچے ہوتے ہیں اگر کوئی شادی نہ کرنے کا فیصلہ کرتی ہے تو آپ کا کیا خیال ہے وہ یہ فیصلہ ذاتی خوشی سے کرتی ہے۔ نہیں ماما نہیں...... ایسا کرنے سے اس کی روح بھی چھلنی ہوجاتی ہے...... رشتہ داروں کی باتیں، سماج کا خوف اسے اندر سے مار دیتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ ادھوری خواہش خون کے گھونٹ پینے پر مجبور کرتی ہیں۔ کچھ لڑکیاں والدین کی عزت پر قربان ہوکر سمجھوتوں

کی دار پر سفر کرتی رہتی ہیں اور اندر سے گھائل ہوتی رہتی ہیں۔ کچھ تنہا زندگی گزارتی ہیں اور پھپھو کی طرح گزارتی ہیں۔ ماما دونوں میں فرق بس اتنا ہوتا ہے کہ پہلی قسم کی لڑکی دوہرے عذاب سے گزرتی ہے۔ اسے ایسے شخص کا قرب برداشت کرنا پڑتا ہے جس کے خوابوں کی سرزمین پر اس کا گزر نہیں تھا۔ اسے یہ منافقانہ زندگی گزار کر اپنا جسم گناہوں میں ہلتا محسوس ہوتا ہے۔ ذرا سوچیں ماما جسم کہیں ہو اور خیال کہیں ... قرب کسی کا ہو اور خواہش کسی اور کی...... تو کیا یہ گناہ نہیں ہوگا...... ہوگا ماما ضرور گناہ ہوگا۔ جب وہ لڑکی قبر میں اترے گی تو اسے عذاب سے کون بچائے گا۔ ماما بتائیں اس لڑکی کے لیے ثواب کس دنیا میں ہے۔ والدین ناراض، خدا ناراض وہ ایسی جگہ پر کھڑی ہے جہاں سایہ بھی ساتھ چھوڑ جائے۔ جب کہ دوسری قسم کی لڑکی کو یہ بار نہیں اٹھانا پڑتا لیکن اس کی تنہائی ہی زہر قاتل ہے ادھورے خواب اور تشنگیاں انسان کو پاگل کردیتی ہیں ماما...... پاگل کردیتی ہیں۔" وہ ان کے قدموں میں بیٹھی زار و قطار رو رہی تھی۔ شبانہ بیگم غصیلی نظروں سے اسے دیکھ کر اٹھ گئی تھیں۔

"اب لوگوں کو اپنی بیٹی کے عشق کی داستان بھی ضرور سنایئے گا۔ ہاں ماما...... بتایئے گا کہ عشاء ایاز حسن کیوں "گڈوں" سے کھیلتی پھرتی ہے۔" وہ ہذیانی انداز میں اونچا اونچا بول رہی تھی۔

ایاز حسن جو آفس سے لوٹے تھے ٹی وی لاؤنج کے باہر کھڑے ماں بیٹی کی ساری بحث سن چکے تھے۔ وہ کارپٹ پر بیٹھی سسکیاں لے رہی تھی۔ ایاز حسن اس کے قریب آ رکے۔

"عشاء!" اس نے سر اٹھا کر باپ کی طرف آنسو بھری شکایتی نظر کی۔ ان کا دل کٹ گیا انہوں نے عشاء کے آنسو صاف کرنا چاہے مگر وہ خفگی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆......☆

زرناب کی گود میں کسی بچے کی انلارج تصویر دھری تھی۔ یہ تصویر اسے فاریہ نے گفٹ کی تھی۔ سات ماہ کا گول مٹول، صحت مند بچہ معصومانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔ زرناب نے بے ساختہ تصویر کو چوم لیا تھا۔

"زرناب تمہارے تو بھاگ جاگ گئے ہیں جو اتنی صابر بیوی ملی۔ ہر عورت کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ماں بنے۔" ماں کی بات یاد آنے کے ساتھ ہی ایک دلکش بچہ سماعتوں کو مہکا گیا تھا۔

تتلی کے پیچھے بھاگتا ہوا معصوم سا بچہ
ایسا ہی ایک خواب ہمارا بھی کبھی تھا

"میں آپ کو کتنی پیاری لگتی ہوں؟"

"تم میری جان ہو...... لاتعداد پیاری لگتی ہو۔"

"اچھا مگر آپ تو مجھے جان سے زیادہ عزیز ہیں۔"

"جان سے بڑھ کر تو کچھ پیارا نہیں ہوتا فاری؟"

"لیکن کبھی کبھی حالات سے تنگ آکر انسان خود اپنی جان بھی لینے پر مجبور ہوجاتا ہے...... تنگ آجاتا ہے اپنی جان سے۔"

"تو میں تنگ ہوں ناں تم سے۔" وہ شرارت سے بولا۔

"اچھا گولی ماردیں۔" وہ ایک دم ناراض ہوئی۔

"میں کیوں ماروں تمہیں اللہ ماریں گے۔" فاریہ نے برہمی سے دیکھا۔

''ارے میری جان میرا تم سے پیار کسی حد کا محتاج نہیں ہے۔ اچھے نیٹ ورک کے پیکیج کی طرح ان لمیٹڈ ہے۔ تمہارے ساتھ مل کر کیا کہوں کہ محبت میں کثرت دکھانے کا جی چاہتا ہے۔ ایسی کثرت کہ جن کے نرم اجسام کی تکمیل ہم سے ہوتی ہو اور جو ہمیں مکمل کردیں۔'' وہ شائستگی سے اپنی خواہش کا اظہار کر گیا تھا۔ فاریہ کے چہرے پر حیا کے رنگ تھے۔

''بولو اب چپ کیوں ہو؟''

''دل ہی دل میں آپ کے اس خواب کی نظر اتاری ہے۔ اس سے آگے میں نے بھی کچھ نہیں دیکھا نہ سوچا۔'' وہ چپکے سے بولی۔

''زرناب آپ کو باہر امی جان بلا رہی ہیں۔'' ایک طلسم تھا جسے بیلا کی آواز نے توڑا تھا۔ وہ نم آنکھوں کو خشک کرتا اٹھ کھڑا ہوا اور بے بی کی تصویر کو کمرے میں سیٹ کردیا۔

☆.....☆

وہ دنیا جہاں سے بے خبر کسی لوری کا مصرعہ گنگناتے ہوئے گڈے کو پالنے میں ڈال کر سلا رہی تھی۔

''ہو گئے شروع ڈرامے۔'' شبانہ بیگم بڑبڑائیں۔

''حیا نام کو بھی موجود نہیں ہے۔ ایسی بے حیائی کے منظر جب گھر میں دیکھنے کو ملیں گے تو عشاء کا ذہن از خود بہکے گا۔'' وہ خود سے باتیں کرتی ہوئی اس کے پاس آرکیں۔

''کیوں نہ یہ ٹنٹنا ہی ختم کردوں؟'' انہوں نے پالنے سے ''گڈے'' کو کھینچ کر نکالا۔

فاریہ دہل کر رہ گئی۔

''ناں..... میرا گڈا..... مجھے دو۔''

''خاموش رہ۔'' انہوں نے زوردار آواز میں اسے دبکا اور ایک نوکری جس میں گڈے کے کپڑے تھے گڈے سمیت صحن میں ڈھیر کردی۔

تھوڑی دیر میں انہوں نے مٹی کا تیل چھڑک کر آگ دکھائی۔ فاریہ تڑپ کر آگے آئی تھی۔ انہوں نے پوری جان سے اسے دھکیل دیا تھا۔

''تنگ آگئی ہوں میں روز روز کے تماشوں سے..... مر گیا ہے تیرا منا..... بین کرلے اب۔'' وہ بلند آواز میں کہہ رہی تھیں۔ فاریہ کی سانسیں خشک ہو رہی تھیں۔

شور سن کر عشاء باہر آئی۔ وہ صورتحال کو سمجھ چکی تھی۔ فاریہ نے زور زور سے رونا شروع کردیا۔ عشاء کا دل بھر آیا۔ وہ چلائی تھی۔

''گڈے کو جلا کر کون سا تمغہ جیت بیٹھی ہیں آپ..... زندگی تو غریب کی خراب ہوگئی ہے اب اس سے بہلاوے تو مت چھینیں ایک پتلا ہی تو ہے۔ جان دار بچہ تو نہیں ہے جو آپ کی انا پر ضرب لگ رہی ہے۔''

''تم اپنا منہ بند رکھو۔ بے حیائی کے یہ باب میرے گھر میں نہیں کھل سکتے..... عریصہ ہو گیا برداشت کرتی رہی مگر اب میں کچھ برداشت نہیں کروں گی۔ اتنا ہی دکھ ہو رہا ہے ناں تو مل کر پھوپی بھتیجی اس کی میت پر لمبے ہاتھ کر کے بین ڈالو۔'' وہ کہہ کر رکی نہیں تھیں۔ وہ دیوار سے ٹکریں مارتی فاریہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

''پھپھو..... پلیز ایسا نہ کریں۔'' وہ بمشکل روک پائی تھی۔ اسے جیسے سہارے کی ضرورت تھی۔ وہ عشاء کی بانہوں میں بکھر کر بلک بلک کر رو رہی تھی۔

''منا مر گیا ہے..... وہ کہتی ہے تمہارا منا مر گیا ہے۔''

☆.....☆

''خدا کا شکر ہے میری بچی کی زندگی بچ گئی۔'' ایاز حسن نے عشاء کی پیشانی چوم لی۔ ایک طرف بینچ پر شبانہ بیگم پریشان صورت لیے بیٹھی تھیں۔ ساری اکڑفوں نکل گئی تھی۔ ان کا دل چاہ رہا تھا کہ عشاء کو پیار کریں۔ لیکن ان کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ وہ آخر کیسے اس کا سامنا کرتیں۔ ایاز حسن نے تو عشاء کا ساتھ دے دیا تھا لیکن سب سے زیادہ مخالفت انہوں نے کی تھی۔ اپنی انا کے پہاڑ کے سامنے بیٹی کی خوشیاں نظر نہ آئی تھیں۔ وہ چپ چاپ آنسو بہا رہی تھیں۔ عشاء خلاؤں میں گھور رہی تھی۔

''عشاء میری بچی تم نے ایسا کیوں کیا؟'' شبانہ بیگم رہ نہ سکیں تو اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

''ہماری زندگی کی تم واحد کمائی ہو، اکلوتی اولاد ہو تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں اور تمہارے پاپا کیسے زندہ رہ پاتے؟''

''بس کریں ماما زندگی کے نام سے مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ جب میں موت و حیات کی کشمکش میں تھی تو بتائیں کیا بیتی تھی آپ پر؟'' وہ استہزاء سے پوچھ رہی تھی۔

''ارے یہ تم ماں سے پوچھ رہی ہو کہ کیا بیت رہی تھی..... میری جان کے ٹکڑے ہو رہے تھے۔ لگتا تھا کہ آج آخری دن ہے۔'' عشاء نے آنکھیں موند لیں۔ بند آنکھوں سے آنسو ڈھلک کر تکیے میں جذب ہو رہے تھے۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''اسی طرح فاریہ پھپھو اپنے گڈے کے جلنے پر محسوس کرتی ہوں گی۔ ہاں ماما اپنا خواب جلتا ہوا دیکھنے پر جان کے ٹکڑے تو ہوا کرتے ہیں۔ میں تو آپ کے خواب کی مجسم تصویر تھی بلکہ تعبیر تھی..... جب میری جان ہاتھوں سے جا رہی تھی تو آپ گڑگڑا اٹھی تھیں۔ پھر عشاء نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔

''لیکن ماما فاری پھپھو تو اپنے خواب کے جل جانے پر کھل کر بین بھی نہ کرسکتی تھیں۔ بلکہ کئی لوگ تو اپنے خوابوں کے مرجانے پر آنسوؤں سے بھی رونہیں پاتے کیونکہ زمانہ برا کہتا ہے فاری پھپھو تو دیوانی ہوگئی ہیں ناں اس لیے درد اور وحشت سے گھبرا اٹھی اور چیخ پڑیں۔ ہوش مند ہوتی تو آپ کے پندار کی بھینٹ چڑھ جاتی مگر ماما میرے مرجانے پر تو آپ بین کرسکتیں تھیں کوئی بھی فتوی نہ لگاتا۔ ماما بتائیں ناں ظاہر پر تو انسان خاک اڑا کر رو لے مگر باطنی دکھ پر کیسے روئے؟ یا کہ ساری عمر سر نیہوڑائے رکھے تاکہ چہرے پر رقم عبارتیں کوئی پڑھ نہ لے کوئی فتوی نہ لگ جائے..... بولیں ماما؟'' اس کی باتوں سے ایاز حسن نہایت دل گرفتہ ہوگئے تھے۔ شبانہ بیگم کا کلیجہ پھٹ رہا تھا۔ انہوں نے ہاتھ جوڑ دیے۔

''بس کرو عشاء خاموش ہو جاؤ۔'' وہ ہلکا سا مسکرائی۔

''ماما سو سائیڈ کر کے میں نے خاموش ہی تو ہونا چاہا تھا۔ میں بول کر بہت اذیت میں ڈالتی ہوں ناں آپ کو اب خاموش رہوں گی سوری ماما اب خاموش ہی رہوں گی کیونکہ چپ رہنا اور کچھ نہ کہنا بیٹیوں کی تقدیر ہے میں نے شروع سے لے کر اب تک آپ دونوں سے جتنی بدتمیزی کی میں سب پر شرمندہ ہوں اس لیے نہیں کہ میں نے کچھ غلط کہا اس لیے کہ مجھے فطرت کے خلاف اور کہنے دیجیے کے خدا کے حکم کے خلاف والدین کے سامنے تیز لہجے میں بولا..... ماما پاپا دعا کرنا خدا مجھے معاف کردے۔''

''ایسا نہ کہو میری جان جیسا تم چاہو گی اب ویسا ہی ہوگا۔ میں منہال سے تمہاری شادی پر رضامند ہوں تم

ریکور کرلو تو ہم اس سے بات کریں گے۔'' شبانہ بیگم نے بے قرار ہو کر ہار مانی تھی۔

''ہاں بیٹا! تمہاری ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں تمہاری خوشیاں تمہیں لوٹا دوں گا۔'' ایاز حسن بولے۔

''پاپا پلوں کے نیچے سے پانی بہہ چکا ہے کون جانے گھڑی بھر میں کیا تماشا ہو..... آپ میری خوشیاں لوٹانے سے پہلے فاریٰ پھپھو کو ان کی خوشیاں لوٹا دیں۔''

''لیکن اب وقت گزر چکا ہے میں فاریہ کو کیسے لوٹاؤں میں اس کی خوشیاں؟''

''ہاں..... پاپا وقت گزر چکا ہے اور ہمیں اس کا احساس ہمیشہ بعد میں ہوتا ہے۔ میرے لیے یہ اطمینان کافی ہے کہ آپ نے اور ماما نے میری خواہش کا احترام کیا۔ میں یہ نہیں کہوں گی کہ ضد سے ہار مانی..... کیونکہ والدین بچوں سے ضد نہیں لگایا کرتے۔ نہ کبھی ہارتے ہیں بس وہ ہر صورت عظیم رہتے ہیں اور اولاد کی خوشیاں دیکھ کر لوٹا کر عظیم ترین بن جاتے ہیں لیکن پاپا اب وقت گزر چکا ہے۔'' وہ معنی خیز انداز میں کہہ کر خالی نظروں سے اطراف میں دیکھ رہی تھی۔

''کیا مطلب بیٹا؟''

''کوئی مطلب نہیں پاپا وقت کسی کا ساتھی نہیں ہوتا..... مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں رہا۔ اب روز محشر ملاقات ہوگی۔ اس انداز میں کہ میرے لبوں پر ماما اور آپ کے لیے خدا کے حضور کوئی گلہ نہ ہوگا..... میری بخشش کی دعا کرنا..... خدا..... حافظ۔'' آخری ہچکی لے کر وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی تھی۔

''ڈاکٹر۔'' وہ پوری شدت سے چلا اٹھے تھے۔ اسپتال کے کاریڈور میں دوڑ کر ڈاکٹرز کو بلاتے انہیں گردوپیش کا ہوش نہ تھا۔ شبانہ بیگم کی تو دنیا ہی لٹ گئی تھی۔ ڈاکٹرز لمحوں میں آئے تھے۔

''سوری شی از نو مور.....'' ڈاکٹر نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسہ دیا تھا۔ سفید چادر نے ان کی جواں سال عشاء کے وجود کو سرتاپیر ڈھانپ دیا تھا۔

''لوگو
دیکھو یہاں
سفید چادر تلے
میرے جواں سال
کافوری خواب
سوئے ہوئے ہیں
دیکھو انہیں ہلانا مت
برسوں بعد سوئے ہیں
جگانا مت
ان کے سرہانے چلانا مت
آنسوؤں کو گنوانا مت
ظلم ان پر کمانا مت
انہوں نے کاٹے ہیں
رتجگے کئی

میرے خوابوں کو گہری
نیند لینے دو
انہیں لیٹو کفن میں
اور
بھربھری مٹی کے نیچے
سونے دو
میرے خوابوں کو سونے دو

☆.....☆

ایاز حسن گھٹنوں کے بل فاریہ کے پاس بیٹھے تھے۔ وہ گھٹنوں پر ٹھوڑی جمائے بازوان کے گرد لپیٹے بیٹھی تھی۔ بال کھلے ہوئے تھے اور آنکھوں میں وحشت اور اداسی کی چھاپ تھی۔

''فاری! مجھے معاف کردو، دیکھو میں ہاتھ جوڑتا ہوں۔'' انہوں نے ہاتھ جوڑ دیے۔

''ہماری عشاء ہم سے روٹھ گئی ہے..... میری اناؤں نے تم دونوں کا راستہ کاٹ دیا..... عشاء میری بیٹی میری گڑیا مٹی میں جا سوئی اور تم میری فاری نظروں کے سامنے زندہ درگور ہو۔ بہت گہرے زخم لگائے ہیں مجھے تم دونوں نے مگر جو دکھ میں نے تم لوگوں کو دیے یہ زخم اس کا عشر عشیر بھی نہیں..... یقین جانو فاری تمہارا بھیا بھی زندہ لاش بن گیا ہے میرے جیسے بھائی اور باپ جو ساری زندگی جھوٹی انا کا تاج سجا کر معصوم بیٹیوں کی ''آہ'' لیتے ہیں۔ ان کے ساتھ ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ مگر نہیں میں غلط کہہ گیا ہوں بیٹیاں تو پریاں ہوتی ہیں کسی صورت باپ بھائی کو بددعا نہیں دے سکتیں..... لیکن ان کی چپ کو خدا تو دیکھتا ہے ناں..... ہاں وہی خدا جو کہتا ہے کہ جب میں بہت خوش ہوتا ہوں تو بیٹیاں عطا کرتا ہوں..... ارے..... تم تو خدا کی خوشیوں کی علامت ہو اور میرے جیسے بدنصیب تمہیں غم کی علامت بنا دیتے ہیں۔''

''بھیا وہ مرگیا ہے..... منا مرگیا ہے..... اس نے مارا ہے اسے۔'' فاریہ نے منہ بسور کر آنسو بہاتی شبانہ بیگم کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ گویا باقی کی سب باتیں فضول ہوں۔

شبانہ بیگم اپنی جگہ نادم سی ہوگئیں۔

''مجھے معاف کردو فاریہ..... میں بے وقوف بن گئی تھی۔ دل پر چوٹ لگی ہے تو اندازہ ہوا ہے کہ جو ہو چکا وہ کتنا غلط تھا۔ میں تمہاری مجرم سہی..... لیکن یہ دیکھو میں تمہارے لیے نیا منا لے کر آئی ہوں۔''

''نیا منا؟'' اس نے بے تاثر لہجے میں پوچھا۔

''ہاں یہ لو پکڑو.....'' شبانہ بیگم نے شاپر سے نیا گڈا نکال کر فاریہ کی طرف بڑھایا۔ اس نے جھپٹ کر اسے سینے لگایا اور بچوں کی طرح ہونٹ لٹکا کر بولی۔

''لیکن تم میرے پہلے منے کی قاتل ہو..... اگر تم نے اسے بھی مار دیا تو؟''

''نہیں میں ایسا بالکل نہیں کروں گی مجھے معاف کردو۔''

''معاف کیا۔'' اس نے گویا احسان عظیم کیا تھا۔

''فاری..... مجھے معاف نہیں کروگی۔'' ایاز حسن تڑپ کر بولے۔

''سوچیں گے..... سوچیں گے..... کیوں منا..... میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں؟'' فاریہ نے گڈے کے

دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر تالیاں بجائیں۔ وہ روہانسے ہو گئے۔

شبانہ بیگم نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''ایاز اس غریب کو کیا معلوم ہو کہ معافی کیا ہوتی ہے۔ وہ تو محض گڈا پا کر خوش ہو گئی ہے۔ آپ دل چھوٹا نہ کریں۔ خدا سے معافی طلب کریں۔''

''مجھے معافی مل جائے گی لیکن فاریہ کو خوشیاں کیسے ملیں گی شبانہ؟'' وہ انتہائی دل گرفتہ تھے۔

''اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔'' وہ لاجواب ہو گئیں۔ ایاز حسن ٹھنڈی سانس بھر کر فاریہ مخاطب ہوئے۔

''فاریہ اپنے بھیا کے لیے دعا کرو۔''

''بھیا کے لیے دعا کریں۔ آؤ منے بھیا کے لیے دعا کریں۔'' اس نے دوپٹہ اوڑھ کر اپنے ہاتھوں میں گڈے کے ہاتھ لے کر منہ ہی منہ میں کچھ کہا اور چہرے پر ہاتھ پھیرے۔

''آمین۔'' ایاز حسن نے فاریہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور تھکے تھکے انداز میں کمرے سے باہر نکل آئے۔

☆.....☆

بارش رم جھم برس رہی تھی۔ موسم کی خوش گواریت سے ہر چہرہ کھل اٹھا تھا۔ سب منظر دل لبھا رہے تھے۔ وہ شفاف تارکول کی سڑک پر چھتری تانے چل رہی تھی۔ سڑک کنارے لگے ہوئے مختلف النوع درخت نکھر گئے تھے اور بھیگے پتے گیلی سڑک پر ہوا کے دوش سے اڑتے پھر رہے تھے۔

اور گہری طمانیت ماحول میں رچی بسی تھی۔ بے آواز انجن والی گاڑیاں خاموشی سے کسی پرسکون ندی کی مانند پھسلتی جا رہی تھیں۔ اس کی نظر سڑک کے دوسرے کنارے کی جانب اٹھی تھی۔ جہاں ایک نوجوان چھتری تانے اس کی طرح موسم سے لطف اندوز ہوتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا رہا تھا۔

اچانک نظریں چار ہوئیں۔ وہ مسکرایا تھا اور نجانے کیوں میکانکی انداز میں وہ بھی مسکرا دی تھی۔

نوجوان کا حوصلہ بڑھا اور اس نے ہاتھ ہلا دیا۔ نوجوان کی دیکھا دیکھی اس نے بھی ہاتھ ہلا دیا۔ نوجوان نے بک شاپ کے سامنے مکئی بھوننے والے ریڑھی بان کی چھابڑی کی جانب اشارہ کیا۔ اس نے نوجوان کی ہدایت پر عمل کیا۔ دونوں چھابڑی والے کے پاس آ رکے۔ مکئی کے دانے گرم گرم ریت پر پٹاخے کی طرح پھوٹ کر سفید سفید پھولوں میں بدل رہے تھے۔ سوندھی خوشبو بھیگی فضا میں پھیل رہی تھی۔ گیلی مٹی اور مکئی کے دانوں کی خوشبو اور پاس کھڑے نوجوان کے ملبوس سے اٹھتی پرفیوم کی تیز خوشبو قوت شامہ کو مل جل کر مہکا رہی تھی۔

نوجوان نے سرخ رنگت کے مالک پٹھان کو دولفافے بنانے کا اشارہ کیا۔ وہ حیران ہوئی۔

نوجوان نے اس کے تاثرات بھانپ لیے تھے۔ وہ اشاروں کی زبان میں اسے سمجھانے لگا کہ میں ''گونگا'' ہوں۔ اسے صدمہ ہوا تھا۔ اس نے غور سے نوجوان کو دیکھا۔ سفید رنگت ذہانت بھری گھور سیاہ آنکھیں، کھڑی ناک اور سلیقے سے جمائے بال وہ نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھا۔ وہ آہ بھر کر رہ گئی۔

پٹھان نے مکئی کے دانوں والے پیکٹ ان کی طرف بڑھائے اس نے ہینڈ بیگ سے پیسے نکالنے کا ارادہ کیا لیکن اس سے پہلے نوجوان نے لیدر کے براؤن والٹ سے 50 کا کڑکتا نوٹ نکال کر پٹھان کی طرف بڑھا دیا۔ وہ پیکٹ تھامے بک شاپ میں داخل ہوا۔ اتفاقاً اسے بھی وہیں جانا تھا۔ وہ چھتری کو بند کر کے بک شاپ

کا اس ڈور کھول کر اندر داخل ہوئی۔

''السلام علیکم'' کاؤنٹر پر بیٹھے بزرگ شاپ کیپر نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''وعلیکم السلام۔'' وہ جواب دے کر دوبارہ کسی حساب کتاب میں مصروف ہو گیا۔ اس نے نظر دوڑائی ہر سمت سلیقے سے کتابیں سجی ہوئی تھیں۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ایک بک ریک کے پاس کھڑے نوجوان کے پاس رکی۔ وہ ایک بار پھر دوستانہ انداز میں مسکرایا تھا۔ جواباً اس نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ نوجوان نے لمحہ بھر کے لیے اس کی دودھیا کلائی میں سجی فیروزی اور سیاہ کانچ کی سادہ چوڑیوں کو دیکھا۔ پھر اس کی نظر اس کے پیروں پر گئی۔ اس کے گلابی پیر نفیس سیاہ جوتے میں بہت بھلے لگ رہے تھے۔ ماحول میں یکسر خاموشی تھی۔ جیسے کسی کا یہاں گزر نہ ہو اور ان کے دل سینے کی قید میں یوں دھڑک رہے تھے گویا کسی بزرگ کے مزار پر نصب گنبد کے اوپر کبوتر ''اللہ ہو'' کی گردان پر گول گول گھیریاں لے رہے ہوں۔

نوجوان نے ریک سے ''میرے ہو کر رہو'' وصی شاہ کا مجموعہ نکالنا چاہا تو عین اسی لمحے اس کا ہاتھ بھی نوجوان کے ہاتھ سے ٹکرایا تھا۔ نوجوان مطمئن ہو کر کھڑا تھا۔ اس نے کتاب کے سادہ حصے پر لکھا تھا۔ یور گڈ نیم؟ اور پنسل اس کی طرف بڑھا دی۔ لڑکی کی کلائی میں چوڑیوں نے مترنم سا شور مچایا تھا۔

''رابیل سکندر۔'' نئے نکور کاغذوں کی مہک سانسوں میں اتر گئی تھی۔

''میں نقاش علی ہوں۔'' نوجوان نے دوبارہ لکھا اور اپنے نام کے نیچے ایک نظم تحریر کی۔

بہار تازہ کے ہاتھ تھامے
برستے بادل کی بارشوں میں
مہکتے آنچل کو سر پر اوڑھے
کوئی گلابوں کی خالی شاخوں پر
اپنے ہونٹوں سے پھول ٹنکے
پیغام صبح نوید پڑھ کر
کوئی تو آنکھوں کی سیرزمیں سے
سسکتی کلیوں کے موتی چن کے
پیاسے ہونٹوں کے مقبروں پر
گلاب رنگوں کو ہار ڈالے
کوئی شفق کے اداس دل سے
میری محبت کا نوحہ سن کے
پکڑ کے کرنوں کی انگلیوں کو
تاریک راتوں کے کاغذوں پر
جگنوؤں سے لکھے اجالے
کوئی تو ہم کو بھی اتنا سوچے
کہ خود ہم کو پھول وار ڈالے
کوئی تو اتنا لپٹ کے روئے

کہ اب کے ہم کو ہی مار ڈالے

نظم تحریر کرنے کے بعد اس نے نیچے تاریخ بھی لکھ دی یکم اپریل 2010 اور کتاب رابیل کے حوالے کر دی۔ کاؤنٹر پر بل پے کرنے کے بعد اس نے ہاتھ ہلا کر رابیل کو الوداع کیا تھا۔

اور نہ جانے کہاں چلا گیا۔ اسے رابیل نے کبھی کھوجا بھی نہیں۔ نجانے یہ کیسا تعلق تھا...... دوستی، محبت، یا الفت؟ لیکن یہ نامعلوم سا تعلق ہمیشہ اس نے دل سے محسوس کیا تھا اور وہ اس تعلق کا بہت احترام کرتی تھی۔ وہ گمنام شخص جو دوبارہ کبھی ملا ہی نہیں اسے۔ کبھی رابیل نے تلاشا بھی نہیں۔ کیونکہ وہ اسے ہمیشہ دل کے قریب ہی پاتی تھی۔ سو اس کا سراغ لگانے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ بس وہ اس کی دعاؤں کا محور تھا۔

☆......☆

''فاری تم یہاں؟'' زرناب اُسے پاگل خانے کے وارڈ میں دیکھ کر پاگل سا ہو گیا تھا۔ وہ یہاں اپنے کسی دوست سے ملنے آیا تھا۔ جو یہاں کا ہیڈ تھا لیکن وارڈز کا وزٹ کرنے پر فاریہ کو یہاں پا کر حیران رہ گیا تھا۔ اسے بھاری آہنی زنجیر میں جکڑا گیا تھا۔

اس کے ہاتھ میں ''گڈا'' تھا جسے اس نے اپنے ساتھ لگا رکھا تھا۔ زرناب بے خود ہو کر آگے بڑھا۔

''فاریہ میری طرف دیکھو، پلیز...... یہ میں ہوں تمہارا نابی۔'' وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹی تھی۔ اس کی بے رونق آنکھوں میں شناسائی کی رمق مفقود تھی۔ وہ تڑپ اٹھا تھا۔

''فاری میری جان مجھے پہچانو۔'' فاریہ مزید دو قدم ہٹ کر دیوار سے لگ گئی۔

''میں اپنا منا کسی کو نہیں دوں گی...... تم چلے جاؤ...... وہ آتا ہی ہوگا۔''

''وہ کون؟'' اس نے امید بھرے لہجے میں دریافت کیا۔

''وہ...... وہی...... وہ تمہیں مارے گا۔''

''کون مارے گا؟ اس نے پھر سوال کیا۔

''منے کا پاپا۔'' زرناب کا کلیجہ پھٹ رہا تھا۔

''منے کے پاپا کا نام کیا ہے؟''

''نام...... یہ نام کیا ہوتا ہے۔ ہاں...... مجھے نہیں پتہ نام کیا ہوتا ہے؟'' وہ الجھ گئی تھی۔

زرناب دکھی دل لیے اپنے دوست کے آفس میں چلا آیا۔ سلام دعا کے بعد اس نے فاریہ کو تفصیلاً ڈسکس کیا تھا۔

''فاریہ کو ہمارے پاس آئے ہوئے سال بھر کا عرصہ ہوا ہے۔ کوئی ایاز حسن نامی شخص خود کو فاریہ کا بھائی بتلاتا تھا جو چھوڑ گیا تھا۔ پہلے پہل تو وہ یہاں آتا رہا پھر کبھی وقفہ بھی آنے لگا۔ وہ کہتا تھا کہ اس کی بیوی فالج کے حملے سے معذور ہو گئی ہے اور خود بھی بیمار رہتا ہے۔ وہ مسلسل یہاں نہیں آسکتا۔ پھر ایک دن معلوم ہوا کہ اس کی بیوی فوت ہو گئی تھی۔ وہ فاریہ سے ایاز حسن کی آخری ملاقات تھی۔ وہ بہت فکرمند تھا۔ بہن سے جانے کس بات کی معافیاں مانگے جاتا تھا۔ اور روئے جاتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ واقعی فاریہ کو سنبھالنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ کیونکہ وہ بہت ضعیف محسوس ہوتا تھا اور بیمار بھی دکھتا تھا۔ جب کہ فاریہ کی ذہنی حالت روز بروز بگڑتی جا رہی ہے۔ وہ خطرناک مریضہ بن چکی ہے۔ ٹریٹمنٹ کے باوجود بہتری نہیں آرہی...... اس کے بی ہیویئر سے شک پڑتا ہے کہ عشق میں ناکام ہونے کی وجہ سے اعصاب پر اثر پڑا ہے...... کوئی محرومی ہے جو اسے پاگل بنا چکی ہے

''...... اگر اسے کھویا ہوا پیار مل جائے تو یہ ٹھیک ہو جائے۔''

''ڈاکٹر صمید گیلانی...... فاریہ حسن کا کھویا ہوا پیار میں ہی ہوں۔

''فاری میری جان میرا سکون ہے یار......'' ضبط گریہ سے زرناب کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں آواز کانپ رہی تھی۔

''کیا؟'' ڈاکٹر صمید گیلانی ورطۂ حیرت میں تھا۔

''ہاں۔'' اب کی بار وہ کھل کر رو دیا۔ آنسوؤں کے دوران زرناب نے اپنی ساری کہانی ڈاکٹر صمید کے گوش گزار کر دی۔ خود ڈاکٹر کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ وہ زرناب کو تسلیاں دے رہا تھا اور زرناب نے ڈاکٹر صمید گیلانی کو فاریہ کا علاج جاری رکھنے کی تلقین کر دی تھی۔

''یار تو ڈاکٹر ہے، مسیحا ہے میری فاری کو ٹھیک کر دے۔ اخراجات کی پرواہ نہ کرنا میں ہوں نا...... میں اپنی فاریہ کو زندگی کی طرف لانے کے لیے ہر بازی کھیلنے کو تیار ہوں۔'' ''تم فکر نہ کرو زرناب! مسیحا کا تو فرض ہی ہے کہ مایوسیوں کی دلدل سے امیدوں کے چراغ جلائے مگر سب سے بڑا حکیم رب ذوالجلال ہے۔ تم اس سے دعا کرو ہم دوا کرتے ہیں۔ انشاءاللہ فاریہ حسن ریکوری کے بعد میرے یار کی دلہن بنے گی۔''

''انشاءاللہ۔'' وہ جذب سے بولا تھا۔

☆......☆

''بیلا بھابھی آج مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' ہانیہ کمرے کے دروازے میں کھڑی کہہ رہی تھی۔

''اندر آجاؤ۔'' بیلا نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ ہانیہ کمرے میں داخل گئی تھی۔ صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے بچے کی تصویر کو دیکھا۔

''یہ تصویر زرناب بھائی نے لگائی ہے ناں؟'' اس نے سر ہلا دیا۔

ہانیہ نے سرد آہ بھری۔ ''بھابی میری شادی کو ابھی صرف 6 ماہ کا عرصہ ہوا ہے اور سارب کو خوشخبری کی پڑ گئی ہے جب کہ آپ کی شادی کو لگ بھگ آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اس عرصے میں اماں بھی ہم سے بچھڑ گئیں اور سمیہ بھابھی بھی الگ گھر میں شفٹ ہو گئیں۔ بچوں کے ذکر پر میں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ آپ کے یا زرناب بھائی کے چہرے پر کوئی خوش گوار تاثر ابھرا ہو خوشگواریت کی بجائے سرد مہری آپ دونوں کے انداز سے ظاہر ہوتی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟'' ہانیہ نے اس کے چہرے کو کھوجا۔ وہ پھیکا سا مسکرا دی۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے ہانی تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ خدا کے گھر دیر ضرور ہے لیکن......''

''بس کر دیں بھابھی کئی سال گزر گئے یہ محاورہ سنتے ہوئے۔ خدا بھی اسے یہ خوشی عطا کرتا ہے جو خوشی سے لینا چاہے۔ آج تو حقیقت سے پردہ اٹھا دیں۔'' وہ جھنجھلا گئی تھی۔

''حقیقت تو تم جانتی ہو ہانیہ...... پھر کیوں پیچھے پڑی ہو۔ تمہیں یاد ہے کہ ایک بار ماں سے تم نے اس پورے مسئلے پر بحث کی تھی اور اس بحث میں تم نے فاریہ کا ذکر کیا تھا بس سمجھ لو کہ فاریہ آج بھی تمہارے بھائی کے دل میں پورے استحقاق کے ساتھ براجمان ہے اور انہوں نے سارے حقوق فاریہ کے لیے محفوظ رکھے ہیں۔ ہمارے درمیان ایسا کوئی تعلق نہیں ہے کہ...... یہ رشتہ تو فقط نام کا ہے۔ ہانیہ میں نے زرناب کو کئی مرتبہ فاریہ کے لیے روتے دیکھا ہے۔ فاریہ کہاں کھو گئی ہے وہ کون ہے؟''

ہانیہ دم بخود ہو کر بیلا کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے تمام خدشے درست نکلے۔ وہ یہ سوچ کر بھی شرمندہ تھی کہ بیلا نے اس کی تمام باتیں سن لی تھیں۔ اتنے سالوں سے بیلا یہ بوجھ اٹھائے تھک گئی تھی۔

''کیا بھائی نے آپ کو کچھ نہیں بتایا؟''

''انہوں نے صرف یہ بتایا تھا کہ ان کی زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری لڑکی فاریہ ہے اور ان کے حقوق بھی اسی کے لیے ہیں۔ میں ان سے کوئی تعلق نہ رکھوں، اگر یہ منظور ہے تو یہاں رہ سکتی ہو ورنہ مجھ سے آزادی لے کر جیسی چاہو زندگی گزار دو۔ اور پتہ ہے ہانیہ میں اپنے بابا کی اچھی بیٹی تھی۔ ان کی عزت کو کیسے رول دیتی میں نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا اور ہمیشہ اس رشتے کا بھرم رکھا۔ زرناب سے مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ وہ میری ہر ضرورت کا خیال رکھتے ہیں۔ اچھے طریقے سے بات کرتے ہیں۔ میری حیثیت ان کے نزدیک بے ضرر انسان کی سی ہے۔ یہ کافی ہے میرے لیے۔ اس سے زیادہ کی میں طلب گار نہیں رہی..... کیونکہ ہر پیار کرنے والوں کی طرح زرناب اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ ہانی سمجھوتوں کی صلیب پر چڑھ کر سانس لینا کم کمال نہیں ہوتا..... میں بھی زرناب کے لیے سمجھوتہ ہوں۔ اور جب سمجھوتے کر لیے جائیں تو ہر بات پر مسکرانا پڑتا ہے خواہ وہ بات ہمارے خلاف ہو یا مفاد میں جہاں اف کی سمجھو رسوا ہو گئے۔''

وہ آزردگی سے کہہ کر خاموش ہوگئی۔ ہانیہ کی آواز میں نمی گھل گئی۔

''بھابھی آئی ایم سوری..... میری باتوں سے آپ کو تکلیف پہنچی لیکن میرا مقصد آپ پر تنقید نہیں تھا۔ میں چاہتی تھی آپ اپنے حق کے لیے لڑیں، تھوڑی شارپ ہو جائیں۔''

''کوئی بات نہیں ہانی..... جب منظر دھندلا جائیں تو غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں اور اس حق پر سمجھدار لوگ کسی سے نہیں لڑتے جو دوسرے کے نام محفوظ ہو۔''

ہانیہ نے سر ہلا دیا اور اسے فاریہ کے متعلق بتانے لگی۔

☆.....☆

فاریہ کا علاج جاری تھا۔ وہ پہلے سے کافی بہتر تھی۔ زرناب فاریہ کے گھر ایاز حسن کا احوال لینے گیا تو ساری بات ان کے گوش گزار کی۔ وہ بار بار شکریہ ادا کر رہے تھے اور خاصے شرمسار بھی تھے۔ زرناب نے ان کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ جو وہ کر رہا ہے کسی پر احسان نہیں ہے۔ یہ سب اس کی اپنی ذاتی خوشی ہے۔ اس نے ایاز حسن کو ساتھ چلنے کی پیشکش بھی کر دی تھی۔ ان کی تنہائی کو وہ محسوس کر رہا تھا۔ لیکن بار بار اصرار پر بھی ایاز حسن رضامند نہ ہوئے۔ جب زرناب واپسی کے لیے اٹھا تو وہ انتہائی لجاجت سے بولے تھے۔

''یار..... میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ طبیعت اچانک بگڑ جاتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ میں نے کچھ اچھا نہیں کیا لیکن بیٹا مجھے معاف کر دو۔ میرے بعد فاری کا بہت خیال رکھنا اگر وہ ٹھیک ہو جائے تو اپنی بیوی کی رضامندی سے اسے اپنا لینا۔ یہ کہنا اچھا تو نہیں لگتا مگر اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ میں فاریہ کے معاملے میں کسی اور پر بھروسہ نہیں کر سکتا کیونکہ مجھے خوب علم ہے میرے علاوہ دنیا میں اگر کوئی فاری سے مخلص ہے تو وہ تم ہو..... باقی جو تمہیں بہتر لگے وہ کرنا۔ میں نے اپنی بہن کو تمہارے سپرد کر دیا۔ حالانکہ مجھے بہت پہلے ایسا کرنا چاہیے تھا۔ خیر جو خدا کو منظور..... زرناب میری بہن نے بہت کڑا وقت کاٹا ہے..... اسے خوش رکھنا۔'' زرناب نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

''آپ ہمارے بڑے ہیں بھیا! جو ہونا تھا وہ ہو چکا اور شائد بہتری کے لیے ہوا۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔

مجھے فاریہ کی خوشیاں خود سے زیادہ عزیز ہیں۔ بس آپ دعا کریں کہ ہماری فاریہ جلد صحت یاب ہو جائے۔''

''آمین۔'' وہ نم آنکھوں سے بولے۔

''میں بہت بدنصیب ہوں بیٹا نہ بہن کی خوشیاں دیکھ سکا اور نہ بیٹی کی..... میری جھوٹی انا نے دونوں کے ارمانوں کا خون کر دیا۔''

''تکلیف دہ باتوں کو بھول جائیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا آپ ضرور فاریہ کی خوشیاں دیکھیں گے ان شاءاللہ۔'' وہ پرامید لہجے میں بولا۔ تو انہوں نے مایوسی سے سر ہلایا۔

☆.....☆

وہ دو سال بعد وطن واپس لوٹا تھا۔ عشاء کے پیرنٹس کی طرف سے انکار کے بعد پاکستان میں جی نہیں لگتا تھا۔ وہ گھر سے قصد کر کے نکلا تھا کہ کبھی نہیں لوٹے گا..... لیکن مشرقی سال کی روایتی بلیک میلنگ نے اسے مجبور کر دیا۔ اسے پاکستان میں آئے ہوئے چند دن گزر گئے۔ اسے یہاں رہتا امتحان کا سا لگ رہا تھا۔ ایک محرومی ہمہ وقت آنکھوں میں تیرتی رہتی تھی۔

آج وہ یوں ہی واک کرتے کرتے گھر سے کافی دور نکل آیا تھا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ یہ ایریا تو عشاء ایاز کا تھا۔

جبھی اس کی نظر لاٹھی ٹیکے سست روی سے چلتے ایاز حسن پر پڑی..... ان کے ہاتھ میں ایک شاپر تھا۔ جس میں گلابوں کی پتیاں تھیں۔

وہ بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ ان کا لاغر وجود کسی صدمے کی چغلی کھا رہا تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے ان کے قریب پہنچا۔

''اسلام علیکم!'' سلام کا جواب دے کر وہ اسے غور سے دیکھنے لگے تھے۔ سانسیں پھولی ہوئی تھیں۔

''تم منہال ہو ناں..... کیسے ہو؟''

''جی میں منہال ہوں..... ٹھیک ہوں آپ سنائیں گھر میں سب خیریت ہے ناں؟'' وہ گہرے ملال سے مسکرائے تھے۔

''اب تو خیر ہی ہے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ ناسمجھی سے بولا۔

''کچھ نہیں۔'' انہوں نے چلنا نہیں چھوڑا تھا۔ چلتے چلتے وہ مرکزی قبرستان کا گیٹ عبور کر گئے۔ وہ بھی ساتھ ہی داخل ہوا تھا۔

''تم بتاؤ کاروبار کیسا چل رہا ہے؟''

''خدا کا کرم ہے انکل..... میں تو چند روز قبل دبئی سے لوٹا ہوں۔''

''ہوں.....'' انہوں نے ہنکارہ بھرا اور اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

وہ تذبذب کے عالم میں تھا۔ شائد کچھ پوچھنا چاہتا تھا اور پوچھنے کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ انہوں نے اس کی مشکل آسان کر دی۔

''یہ پھول ذرا اس قبر پر ڈالنے کی زحمت کرو گے؟'' اس نے خاموشی سے پتیاں قبر پر بکھیر دیں۔ جانے کیوں اس کا دل اچانک گھبرایا تھا۔ وہ اگر پتیاں لگا کر فوراً سے بیشتر اٹھ کھڑا ہوا۔

آسمان پر بدلیاں گھر گھر کر آرہی تھیں۔ مکمل سکوت تھا اور پھر بارش کی پھوار برسنے لگی۔ قبروں کی مٹی سے اٹھتی خوشبو اور اگربتی کی مہک اسے وحشت میں مبتلا کر رہی تھی۔ اس کا جی چاہا وہ یہاں سے بھاگ جائے لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ کیونکہ ایاز حسن دوسری قبر پر خود پھول بکھیرنے کے بعد فاتحہ پڑھ رہے تھے۔ اور آنسوان کے جھریوں زدہ چہرے پر پھسل رہے تھے یہ کیا ماجرا ہے؟

ہزار سوال تھے اور وہ بے جواب تھا۔

''کیا ہوا نوجوان؟'' انہوں نے دعا مانگ کر چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اگر بتیاں بجھ گئی تھیں۔ وہ خاموش کھڑا ادھ جلی گیلی اگربتی کو دیکھنے لگا۔

''تم جانتے ہو کہ یہ عشاء کی قبر ہے؟'' اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا تھا۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انکل؟'' آنکھوں میں حیرانی اور سرخی تھی۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں منہال..... عشاء اپنے باپ سے ضد نہیں منوا سکی تو ضدی لڑکی نے زندگی ہار دی۔ ضدی باپ جنگ ہار گیا۔ اسے بچانے کی سر توڑ کوشش کی گئی وہ بچ بھی گئی لیکن چند گھنٹوں کے بعد پیام اجل آ گیا۔ وہ ضدی ماں باپ کی کمر توڑ گئی تھی۔ پھر کچھ عرصے بعد ماں کو بھی پاس لے گئی اور باپ کو تنہا چھوڑ دیا..... احساس جرم بوڑھے کو چین نہیں لینے دیتا۔ وہ رات بھر سسکیاں بھرتا ہے..... اور کبھی مہینوں بعد مفلوج ٹانگیں گھسیٹتا یہاں آ کر معافی مانگتا ہے..... ہاں منہال.....'' وہ شکستہ لہجے میں بتا کر بچوں کی طرح رو دیے۔

''نہیں۔'' وہ حلق کے بل چلایا۔

اور عشاء کی قبر سے لپٹ کر زار و قطار آنسو بہانے لگا۔ یہاں بند قبر میں اس کی ''جان'' قید تھی۔ وہ پاگل سی لڑکی تھی جو کہتی تھی۔

''میں تمہارے بغیر مر جاؤں گی منہال..... مگر کسی کی ہو نہ پاؤں گی۔'' وہ کتنی سچی تھی۔

اور وہ کتنا ڈھیٹ تھا۔ جو اس سے بچھڑ کر کاری ہجر کے تیز وار سہہ کر بھی سانس لیتا تھا۔ وہ سخت جان تھا یا کہ ڈھیٹ..... سمجھ نہ پایا۔ سمجھ سکا تو بس اتنا کہ وہ ایک روز پیاسا ہی مر جائے گا۔

☆.....☆

''یہ فاریہ ہے۔''

زرناب نے ساتھ کھڑی کومل سی لڑکی کو متعارف کروایا بے شک وہ بہتر حلیے میں تھی لیکن آنکھوں کی ویرانی مخفی نہ تھی۔

وہ چونکہ بیلا کو سب بتا چکا تھا لہٰذا اسے کوئی حیرت نہ ہوئی۔ اس نے آگے بڑھ کر فاریہ کا سواگت کیا تھا۔ لیکن فاریہ کا چہرہ بے تاثر تھا۔ وہ چپ چاپ چاروں سمت دیکھ رہی تھی۔

''آپ فاریہ کو بیڈ روم میں لے جائیں۔'' وہ فاریہ کی ہمراہی میں اندر داخل ہوا۔ روم کو بہت پیارے انداز میں سجایا گیا تھا۔ بیلا اور زرناب کی شادی کی تصویر ہٹا دی گئی تھی۔ اس کی جگہ فاریہ کی تصویر مسکرا رہی تھی۔ یہ تصویر بیلا نے اس کی الماری سے ڈھونڈ کر نکالی تھی۔

''تھینک یو بیلا..... یو آر گریٹ۔''

وہ حقیقی معنوں میں ممنون ہوا تو وہ مطمئن ہو کر مسکرا دی۔ ''اس روم پر فاریہ سے زیادہ کسی کا حق نہیں ہے یہ ہی اس کی حق دار ہے۔'' زرناب نے سرشار ہو کر اسے دیکھا۔

''میں آپ کے تمام درد سمجھتی ہوں..... میں اس سے زیادہ کی خواہش نہیں رکھتی کہ اس گھر کے ایک کونے میں پڑی رہوں..... مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ بیسٹ آف لک۔'' وہ کہہ کر مڑ گئی تھی۔ زرناب کے دل میں ڈھیروں سکون اور بیلا کا احترام امڈ آیا تھا۔

وہ بچے کی تصویر کو یک ٹک دیکھتی فاریہ کے قریب آیا۔ اور اس کے شانوں کو تھام لیا۔

''فاری..... تمہیں پتا ہے کہ یہ کون ہے؟''

''ہاں۔'' اس نے جلدی سے سر ہلایا اور اس کی جانب رخ کیا۔

''کون ہے؟''

''یہ کاکا ہے.....''

''یہ کس کا کاکا ہے؟''

''یہ ہمارا کاکا ہے۔''

''ہمارا کس کا مطلب؟''

''میں نہیں جانتی؟''

''اچھا میں کون ہوں؟''

''تم.....؟''

''ہاں بولو''

''تم دوست ہو۔''

''میرا نام کیا ہے؟''

''تمہارا نام؟''

''ہاں میرا نام؟''

''میں نہیں جانتی۔''

''اچھا یہ کون ہے؟'' زرناب نے اپنی پرانی تصویر نکال کر سامنے کی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر دبایا۔

''یہ..... نابی..... ہے.....'' درد کی شدت سے وہ کراہ اٹھی۔ زرناب نے خوشی سے اسے ساتھ لگانا چاہا۔

''خدایا تیرا شکر ہے۔'' وہ تڑپ رہی تھی۔

''ایک بار پھر بولو فاری..... یہ کون ہے؟''

''یہ میرا نابی ہے..... کہاں..... یہ میرا نابی ہے..... تمہیں سمجھ کیوں نہیں آتی؟'' وہ چکرا کر گرنے کو تھی۔ زرناب نے اسے بانہوں میں بھر لیا۔ وہ اس کی بانہوں میں جھول گئی۔ عالم مدہوش میں جانے سے پہلے اس کے لبوں پر آنے والے الفاظ یہ تھے۔

''تم میرے نابی ہو ناں۔''

☆.....☆

''تمہیں بہت مبارک ہو زرناب، فاریہ کی یادداشت لوٹ آئی ہے اور اس کا پاگل پن ختم ہو چکا ہے۔ اب تم اسے مل سکتے ہو اور سنو اس کے سامنے کوئی ٹینشن والی بات نہ کرنا۔''

ڈاکٹر صمید گیلانی اس سے بغل گیر ہوا۔

''خدا کا شکر ہے اور میرے یار تمہارا بھی بہت شکریہ کہ تم نے خصوصی توجہ کے ساتھ فاریہ کا علاج کیا۔''

''یہ تو میرا فرض تھا۔'' ڈاکٹر صمید گیلانی نے مسکرا کر زرناب کی مسرت کو محسوس کرتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور مزید گویا ہوئے۔

''سچ تو یہ ہے کہ فاریہ کی ریکوری تمہارے جذباتی اور مالی تعاون سے ممکن ہوئی ہے۔ فاریہ کا بیماری کی انتہائی اسٹیج پر پہنچ کر صحت یاب ہونا کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔ تمہاری مدد کے بغیر فاریہ کا ٹھیک ہونا ممکن نہیں تھا اور شکر کرو اللہ عزوجل کا جس نے تمہاری شدتوں بھری محبت کی لاج رکھی..... تمہاری فریاد کو قریب ہو کر سنا اور پورا کر دیا۔ محبت تم پر ہمیشہ ناز کرے گی۔ جو لوگ کسی سے مخلص ہوتے ہیں وہ تمہاری طرح عظیم بن جاتے ہیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو صمید! خدا کی مدد بھی شامل حال رہی ہے لیکن اس میں میرا کمال صرف اتنا ہے کہ فاریہ حسن میری جان کا ٹکڑا تھی اور اپنی جاں تو سب کو عزیز ہوتی ہے پھر مجھے فاریہ کیوں نہ عزیز ہوتی..... میں نے جو کیا اپنی ذات کے لیے کیا۔ خدا نے مجھے میری محبت کی خدمت کا موقع دیا تھا یہ ہی وقت تھا کہ میں ثابت کرتا ''فاریہ حسن'' سے مجھے جنون کی آخری حدوں تک عشق ہے۔ مجھ میں اور فاریہ میں فرق صرف اتنا ہے کہ وہ جدائی کا صدمہ سہہ نہ پائی اور ہوش گنوا بیٹھی جب کہ میں جدائی کا صدمہ اٹھا کر سانسوں کی مالا پر اس کا نام جپتا رہا یوں کہ کوئی میرے اندر اتر نہ سکا۔ نہ کسی اور کا نام میرے ورد زباں ہو سکا۔ وہ میری پہلی اور آخری محبت ہے۔

وہ لاشعور میں میرے تصور کے ساتھ جیتی رہی اور میں شعور کی دنیا میں رہ کر اس کے خیالوں میں گم رہا..... میں عظیم نہیں ہوں محبت کا اسم ہی عظیم ہے۔''

وہ دردمند لہجے میں کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''زرناب محبت اسم عظیم ہوتا ہے اور یہ اسم ہی تو انسان کو عظیم بناتا ہے..... محبت کی برکتوں سے سارا جہان منور ہے نفرتوں کا سد باب محبت ہے ورنہ تم ایاز حسن کی تیمارداری کے لیے جانا چھوڑ دیتے اور یہ بھی محبت ہے کہ بیلا بھابی نے فاریہ کی صحتیابی کی صورت میں تمہیں اسے اپنانے کی اجازت دے دی۔ محبت اور احساس کا خاتمہ اخلاقی بحران کو جنم دیتا ہے۔ زندگی قلیل ہے..... ہمیں چاہیے کہ اس قلیل مدت میں دوسروں کے کام آ کر ہر پل سے خوشیاں کشید کر کے جی لیں۔'' ڈاکٹر صمید بے حد جذباتی ہو کر کہہ رہے تھے۔

''ڈاکٹر صاحب میں نے مان لیا کہ محبت ہر کسی کو عظیم بنا دیتی ہے اب اگر آپ کی اجازت ہو تو میں فاریہ سے مل سکتا ہوں۔'' زرناب بے تابی سے بولا۔ وہ ہنس دیے۔

''آئی ایم سوری یار..... شیور آپ فاریہ حسن سے مل سکتے ہیں۔''

زرناب مسکراتا ہوا ان کے آفس سے نکل آیا۔

☆.....☆

''منہال تمہیں بوڑھی ماں کا کچھ احساس نہیں ہے مانا کہ میری اور اولادیں بھی ہیں جنہوں نے ہمیشہ میرا خیال رکھا ہے مگر تم میرے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے ہو..... میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ اپنی نظروں کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں..... اگر.....''

کلثوم بی بی نے اسے جذباتی طور پر کمزور کرنا چاہا۔ وہ نہایت آبدیدہ تھیں۔

''ماں..... آپ کی خواہش پر پاکستان آ گیا ہوں یہاں میرا دم گھٹتا ہے۔ کیونکہ قدم قدم پر عشاء کی یادیں بکھری ہیں۔ وہ یادیں خوشگوار سہی لیکن اتنی تلخ حقیقت کو سہنا میرے لیے دشوار ہے کہ میری عشاء اس دنیا میں نہیں رہی..... وہ کسی اور کے سنگ رخصت ہو جاتی یہ صدمہ برداشت کر لیتا۔ مگر اس کی موت کا دائمی زخم جھیلنا میری برداشت سے باہر ہے۔ مجھے مت روکیں۔ میں بے بس ہوں۔ دبئی لوٹ جانے دیں۔'' وہ گلوگیر لہجے میں بولا۔

''بیٹا!'' انہوں نے کچھ کہنا چاہا۔

''نہیں ماں..... مجھے مجبور نہ کریں اگر وہ زندہ ہوتی اور اس ملک کے کسی بھی کونے میں کسی کے ساتھ بھی زندگی گزارتی۔ تو میں اس کی سانسوں کی خوشبو کے سہارے عمر کاٹ لیتا..... آخری سانس تک اس امید پر جیے جاتا کہ شائد وہ مجھے آ ملے۔ اب جب کہ ایسی کوئی آس نہیں رہی تو میری موجودگی کا جواز نہیں بنتا..... اس زمین اور اس کے باسیوں نے مجھ سے عشاء کو چھین لیا ہے۔ زندگی میرے لیے سزا سے کم نہیں ہے۔ میرے سکون کی دعا کیجیے گا..... چلتا ہوں خدا حافظ'' وہ ان کے قدم چھو کر لوٹ گیا تھا اور ماں بے بس ہو کر آنسو بہاتی رہ گئی۔

☆.....☆

فاریہ کی صحت یابی کی خبر وہ خود ایاز حسن کو سنانا چاہتا تھا۔ فاریہ سے مل کر وہ ان کے گھر چلا آیا۔ زرناب کا ارادہ تھا کہ انہیں اپنے ساتھ ہاسپٹل لے جائے۔ جہاں فاریہ تندرستی کے بعد احتیاطاً کچھ دنوں کے لیے ایڈمٹ تھی۔

لیکن یہاں آ کر اسے معلوم ہوا ایاز حسن بھی دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں وہ شکستہ دل لیے پلٹ آیا۔

چند ماہ بعد جب فاریہ مکمل طور پر شفایاب ہو گئی اور کسی صدمے کو جھیلنے کے لیے اعصابی طور پر کچھ مضبوط ہو گئی تو اس نے مناسب الفاظ میں اسے شبانہ اور ایاز حسن کی وفات کے متعلق بتا دیا۔ اسے انتہائی شاک لگا تھا۔ تاہم زرناب کا جذباتی سہارا پا کر وہ کافی سنبھل گئی تھی۔ بیلا بھی اس کا دھیان بٹا کے رکھتی۔ بیلا اس کی تندرستی پر دلی طور پر خوش تھی۔ جب زرناب نے فاریہ کو نکاح کے لیے کہا تو وہ خاصی پریشان تھی۔

لیکن بیلا کے اچھے رویے نے اسے گرویدہ کر لیا تھا اور وہ اچھی دوستیں بن چکی تھیں۔ اس نے فاریہ کو بتایا تھا کہ زرناب نے آج تک تمام حقوق تمہارے لیے محفوظ رکھے ہیں اور مجھے تم سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اب تو تم میری دوست ہو۔ ہمارے دکھ سکھ سانجھے ہیں۔ مدتوں بعد آ کر خدا نے تم کو زرناب سے ملانے کا موقع پیدا کیا ہے تو گنواؤ مت..... تم بھی کڑے مراحل سے گزری ہو اور زرناب بھی بے سکون رہا ہے۔ سو اب دیر مت کرو۔''

اس کے سمجھانے پر وہ ذہنی طور پر تر و تازہ ہو گئی تھی۔ تمام بوجھ سرک گئے تھے اور دو بچھڑے دل ایک ہو گئے تھے۔

بیلا نے اپنے ہاتھوں سے فاریہ کو سولہ سنگھار کیا تھا۔ فاریہ کے روپ میں دلکشی تھی۔

''ماشاءاللہ!'' وہ بے ساختہ کہہ اٹھی۔ دوستی نے محبت کی نظر اتاری تھی۔ زرناب کے چہرے پر بھی پیار کا نور پھیلا تھا۔ وصل کی گھڑیاں قریب تھیں۔ ان کے نکاح میں ہانیہ اور خاندان کے دیگر لوگ شامل تھے۔ ہانیہ بار بار زرناب کے چہرے کو دیکھ کر کہتی۔

''خدا نظر بد سے بچائے۔'' بیلا سوچ رہی تھی کہ سچی خوشیوں کے عکس کتنے نرالے ہوتے ہیں۔ عام آدمی کو بھی خوب صورت بنا دیتے ہیں۔ زرناب تو پھر پرکشش مرد تھا۔ اس نے آج سے پہلے زرناب کو کبھی اتنا خوش نہیں دیکھا تھا۔

☆.....☆

مسلسل سوچ بچار سے اس کا سر پھٹا جا رہا تھا۔ رات گہری ہو رہی تھی اور نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس نے بیڈ پر سوئی ہوئی فاریہ کو متفکر نظروں سے دیکھا۔

جس کے چہرے پر زرناب کے قرب کی آسودگی تھی۔ یہ چہرہ اسے جان سے پیارا تھا۔ وہ اس چہرے پر غم کی پرچھائیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ شادی کے ایک سال بعد بھی اس کے جذبات میں کمی نہیں آئی تھی بلکہ پیار میں شدت پیدا ہوگئی تھی۔

لیکن ان کے آنگن میں کوئی پھول نہیں کھلا تھا۔ وہ اولاد کا خواہش مند ضرور تھا لیکن اس کے یہ سب خواب فاریہ سے منسوب تھے اور فاریہ تو اس لمحے کی انتہائی شدت سے منتظر تھی۔ وہ اپنی تکمیل کے لیے بے چین تھی۔ زرناب اسے سمجھاتا تھا کہ ابھی محض سال بھر ہوا ہے۔ اتنی جذباتی نہ ہوا کرو۔ لیکن اس کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال کر چیک اپ کروایا۔ زرناب کی رپورٹس پازیٹو تھیں مگر رپورٹس کے مطابق فاریہ بانجھ تھی۔

اس خبر نے زرناب کو مضطرب کر دیا تھا۔ شائد ادھورا پن ان کے نصیبوں میں تھا۔ کتنی چاہت تھی کہ وہ فاریہ کے وجود میں سے اپنی محبت کے ثبوت حاصل کرے۔ وہ بہت رویا تھا۔ ڈاکٹر صمید گیلانی کو اپنی پریشانی بتائی۔ ڈاکٹر صمید گیلانی نے زرناب کو یہ اندوہناک خبر فاریہ کو بتانے سے سختی کے ساتھ منع کر دیا تھا۔

''زرناب فاریہ کو بتانے کی سنگین غلطی بھول کر بھی مت کرنا ورنہ وہ دوبارہ اسی کنڈیشن میں چلی جائے گی اور کبھی ٹھیک نہ ہوگی۔ ممکن ہے وہ خود کو ختم کر لے۔''

''پھر کیا کروں میں یار! وہ اولاد کی شدید خواہش رکھتی ہے۔'' بے بسی عروج پر تھی۔

''میں اس کرب کو سمجھتا ہوں پہلے حالات نے تم دونوں کو جدا کیے رکھا اور جب اکھٹے کیا تو یہ محرومی بھی ساتھ مل گئی۔ جدائی سے پہلے تم دونوں نے بہت خواب بنے ہوں گے۔ یہ ان خوابوں کا شاخسانہ تھا کہ لاشعور میں زندہ ہو کر وہ فاریہ حسن کو ایک خیالی خاکے میں الجھائے ہوئے تھے..... وہ جو ''گڈے'' کو اپنا منا سمجھ کر لیے پھرتی تھی..... تو کس لیے..... وہ اس گڈے کو تمہاری اولاد سمجھ کر کسی حسرت کو چھپاتی تھی۔ اپنی مامتا اس پر لٹاتی تھی..... آج اگر تم اسے بتا دو کہ یہ محرومی تو اس کا مقدر بن چکی ہے تو وہ مر جائے گی۔ وہ یہ کرب نہیں جھیل سکے گی۔ تم کوئی اور حل سوچو۔'' ڈاکٹر صمید نے تفصیلی بحث کی تھی۔

''یار میں سب جانتا ہوں، یہ خواب ہم دونوں نے مل کر دیکھا تھا۔ میرے بس میں ہوتا تو کسی صورت یہ محرومی اس کے نزدیک نہ آنے دیتا یہ فقط اس کی محرومی نہیں تھی، یہ میرا بھی خالی پن ہے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟'' وہ الجھا ہوا تھا۔

''ہوں۔'' ڈاکٹر صمید گیلانی نے پرسوچ انداز میں اسے دیکھا۔ ''فاریہ کو ایک دم یہ بتانا خطرناک ہے۔ تم اس سے یہ خبر چھپائے رکھو..... اور ذہنی طور پر باتوں ہی باتوں میں اسے سمجھاؤ کہ ضروری نہیں ہے ہماری ہر خواہش ہر خواب پورا ہو..... اسے یقین دلاؤ۔ وہ تمہارے لیے بغیر اولاد کے بھی اہم ہے۔ اور یہ کہ تمہارے لیے اتنا کافی ہے کہ خدا نے وصل کا خواب پورا کر دیا..... جیسا کہ تم نے بتایا تھا وہ تمہیں بیلا بھابھی کے حقوق

ہارے کرنے کے لیے اکساتی رہتی ہے لیکن تم مان کر نہیں دیتے..... تمہارے جذبات اپنی جگہ قابل قدر ہیں زرناب..... مگر یہ موقع ایسا ہے کہ تمہیں فاریہ کی زندگی کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا..... تم سمجھ رہے ہو نا میری بات؟''

''میں ایسا نہیں کر سکتا صمید..... میرا وجود فاریہ کی امانت ہے میں نے اس کے بغیر بیلا کے ساتھ کئی سال گزارے مگر خیانت نہیں کی اور اب بھلا اس کی موجودگی میں مجھ سے یہ فعل کیونکر سرزد ہو؟'' وہ تڑپ گیا تھا۔

''سوچو ذرا اگر امانت والی نہ رہے تو تمہارے امین ہونے کا کیا فائدہ ہوگا؟''

''ایسا نہ کہو خدا کے لیے..... اس کی زندگی کے لیے میں مرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔'' اس نے ہاتھ جوڑے۔

''مرنے کے لیے تیار ہو لیکن اس کے لیے کچھ لمحے اپنی شرعی بیوی کے ساتھ نہیں گزر سکتے۔ زرناب محبت میں مر جانا کمال نہیں ہوتا..... مر کر زندہ رہنا کمال ہوتا ہے۔ ویسے تو تم کسی یتیم خانے سے بھی بچہ ایڈاپٹ کر سکتے ہو لیکن کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ فاریہ اسے قبول کرے..... بیلا کے بطن سے تمہاری اولاد اس کے لیے قابل قبول ٹھہر جائے گی کیونکہ وہ تمہارا خون ہوگا۔ تمہاری نسل ہوگی۔ پھر بیلا بھابھی سے اس کا دوستی بھرا تعلق مجبور کر دے گا کہ وہ اس بچے کو اپنا سمجھے..... مان جاؤ زرناب تمہاری زندگی میں شامل ہونے والی دونوں عورتیں بہت عظیم ہیں۔ اگر ایک تمہارے پیار کو ملانے کے لیے اپنے حق سے دستبردار ہوتی ہے تو دوسری جو تم سے شدید محبت کرتی ہے۔ وہ ہوش مند ہونے کے بعد تمہیں پہلی کے حقوق کا خیال رکھنے کے لیے کہتی ہے ورنہ عورت تو عورت کی دشمن بن جایا کرتی ہے..... کبھی برداشت نہیں کرتی کہ وہ اپنی سوکن کو شوہر کی محبت میں شریک بنائے خاص کر وہ عورت جو آپ کی محبوبہ بھی ہو..... باقی تمہاری مرضی ہے۔'' اس کے ذہن میں وہ باتیں گونج رہی تھیں جو ڈاکٹر صمید گیلانی سے ملاقات پر دونوں کے درمیان ہوئی تھیں۔

فاریہ یا فاریہ کی امانت؟

بالآخر وہ فیصلے پر پہنچ گیا تھا۔ رات کے گیارہ بجے وہ بیلا کے کمرے میں موجود اپنا حق استعمال کر رہا تھا۔

☆.....☆

میں رابیل سکندر زندگی بھر احساس جرم کا شکار رہوں گی۔ میرے جرم کو ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ یعنی میرے سمجھوتوں کی عمر طویل ہے۔ لیکن میرا سنگین جرم ابھی ڈیڑھ برس کا ہے۔ اور فاریہ زرناب کی گود میں پل رہا ہے۔ میں اس کی حقیقی ماں سہی جس کے ناتے اس سے کبھی پیار کر لیتی ہوں لیکن سچ پوچھیں تو میں نے نظر بھر کر اسے دیکھنے کی ہمت نہیں کی۔ کیونکہ اس کے چہرے کے نقوش بھلے زرناب پر سہی لیکن اس کے چہرے پر نقاش علی کے بھولپن کی چھاپ ہے۔ میں اپنے جرم کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکتی اس کی سحر طراز سادہ آنکھیں مجھے نقاش علی کی یاد دلاتی ہیں۔ کاش نقاش نے اسے مجھ میں سے سینچا ہوتا۔

اس رات جب پہلی اور آخری بار فاریہ کی خاطر زرناب میرے قریب آیا تھا، وہ قیامت کی رات تھی۔

میں خود گزشتہ کئی سالوں سے بھرم بنائے بیٹھی تھی۔ سمجھوتے کے آڑ میں مطمئن تھی کہ زرناب کبھی میرے پاس نہیں آئے گا۔ میرا اطمینان اکارت ہو گیا تھا، وہ جوں جوں میرے قریب آتا تھا، مجھے کراہیت محسوس ہوتی تھی۔ میرا دل چیخ رہا تھا۔ میرا ہر عضو تکلیف میں تھا۔ اس کراہیت آمیزی کو میں نے نقاش علی کے تصور سے زائل کرنا چاہا تھا۔ اس نے ضد کھا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی بانہوں سے مچل کر نکلنا چاہا۔ لیکن زرناب بھی مجبور تھا۔

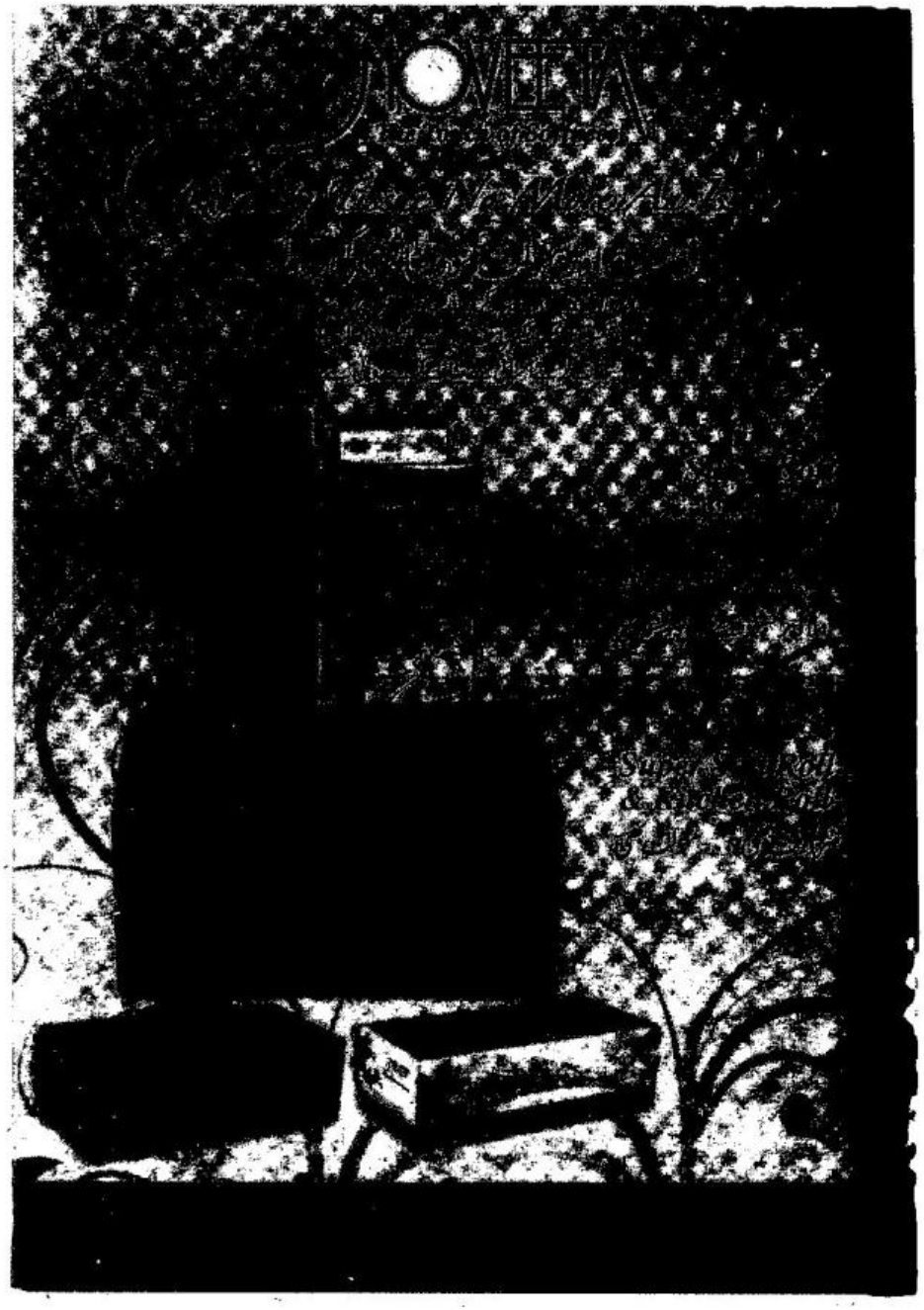

ہاں محبت اور سمجھوتے انسان کو بہت مجبور کرتے ہیں۔ کاش زرناب جان لیتا کہ وہ تنہا اذیت سے نہیں گزر رہا بلکہ میں بھی پل صراط پر تھی۔ اگر اس نے اتنے سالوں سے فاریہ کی امانت کو سنبھالا تھا۔ تو میں نے بھی نقاش علی کے لیے خود کو محفوظ رکھا تھا۔ بلکہ قدرت نے میری حفاظت کے راستے بنا دیے تھے لیکن آج تو راہیں مسدود تھیں۔

میں نے آنکھوں کو بھینچ لیا تھا۔ مبادا ان پتلیوں میں نقاش علی کی ٹھہری ہوئی صورت زرناب کو نظر نہ آجائے۔

میری عظمت کے پس پردہ سمجھوتوں کی داستان ہے۔ یہ کوئی بھی نہیں سمجھ سکے گا کہ رابیل سکندر کی عظمت کا راز کیا ہے؟ اس کا راز وہ اجنبی ہے جو برستی بارش میں سرراہ مل کر کھو گیا تھا پہلی نظر کا پیار جو بچھڑ کر بھی دل کے قریب تھا۔ وہ ساری حیات پر حاوی ہو گیا تھا۔ تحفظ کا حصار یت کا محل ثابت ہوا تھا اور دوسری وجہ زرناب کے پیار کی خاطر قربانی تھی اگر نقاش علی میرا نصیب نہیں بن سکا تو خدا کی مرضی مگر زرناب جو اپنا پیار پا چکا تھا پا کر کھو دیتا تو میں خود کو معاف نہ کر پاتی۔ میں ظالم بننا نہیں چاہتی تھی۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ میں نے محبت اور دوستی کے لیے اپنے جسم کی قربانی دی۔ ''فاریہ زرناب'' اولاد کو پا کر بہت خوش ہے سچ تو یہ ہے کہ وہ کڑے مراحل سے گزر کر کندن بنی ہے اس نے صبر تحمل اور ایثار سیکھا ہے۔ وہ اب بھی میرے حقوق کے لیے زرناب سے لڑتی ہے اور میں ڈرتی ہوں کہ کہیں.....

لیکن نہیں زرناب نے دوبارہ مجھے نظر بھر کر نہیں دیکھا۔ وہ مجھ سے نظریں چرائے رکھتا ہے اور میں نقوش علی کے تصور سے منہ چھپائے پھرتی ہوں۔ گھٹنوں شاور لینے کے بعد مجھے لگتا ہے کہ ڈیڑھ برس کی غلاظت میرے وجود سے چپکی ہے۔ کاش میں بھی فاریہ کی طرح ہوش گنوادوں اور اچانک سے نقاش علی مجھے اپنے پیار کے سہارے پر ہوش کی دنیا میں لائے کاش!

محبت نے میرے پروں پر
کچھ حرف لکھے تھے تو
خاموشی میں ایک گمنام سرگوشی نے
کچھ بھید کھولے تھے
اسی بے خودی کے حصار میں
ابھی تک ہوں رکا ہوا
اسی موڑ پر، اسی راہ پر
ان ہی الجھنوں کے حصول میں
ان ہی خواہشوں کے نزول میں
تیری چپ سے میری چپ تک
میں ایک حاشیہ ہوں کھینچا
تمہیں تم سے تم تک ڈھونڈتا
میں اسی موڑ پر ہوں رکا ہوا۔

☆

نظیر فاطمہ

تیرا ساتھ چاہئے

شدید گرمی تھی' ہر چیز مکئی کے دانوں کی طرح بھن رہی تھی' سورج بھی شاید اپنی تپش سے گھبرا گیا تھا اس لئے آسمان پر تیرتے اکا دکا بادلوں میں چھپنے کی کوشش کر رہا تھا' آج بادل بھی اس کو پناہ دینے کے موڈ میں نہیں تھے' سو تھوڑی دیر بعد اس کے سامنے سے ہٹ جاتے اور وہ غصے میں پہلے سے زیادہ جلنے بھننے لگتا اور جلتی تپی ہوئی چیزوں کو اور آگ لگانے لگتا' ایسے میں کالج سے واپسی پر گھر سے تھوڑا پہلے وین خراب ہوگئی' زنیرا کا دل چاہا کہ اپنا سر وین کی کھڑکی میں دے مارے' وین سے ساری لڑکیاں اتر چکی تھیں' اس کالونی سے صرف دو ہی لڑکیاں اس وین میں جاتی آتی تھیں' ایک زنیرا اور دوسری فاطمہ جس کا گھر پچھلے بلاک میں تھا' اس کو چھوڑ کر وین زنیرا کے بلاک کی طرف بڑھی تو نہ جانے اس میں کیا خرابی ہوئی کہ اس نے چلنے سے انکار کر دیا' زنیرا کا گھر سب سے آخر میں آتا تھا' سو اس وقت وہ وین میں اکیلی تھی' ڈرائیور نے نیچے اتر کر صورت حال کا جائزہ لیا۔

''زنیرا باجی! آپ گھر سے کسی کو بلا لو' گاڑی خراب ہوگئی ہے''۔ ڈرائیور نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

''گھر میں اس وقت کوئی نہیں ہوگا' میں خود ہی چلی جاتی ہوں''۔ زنیرا چیزیں سمیٹ کر وین سے اتری' یہاں سے اس کے گھر کا آٹھ دس منٹ کا پیدل کا راستہ تھا' موسم اچھا ہوتا تو وہ پیدل ہی چلی جاتی مگر اتنی گرمی میں پیدل چلنے کا تصور اسے ہولا رہا تھا' اس

ناولٹ

نے کسی سواری کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں مگر دور تک کوئی ذی روح نظر نہ آیا دھوپ میں کھڑے کھڑے سڑنے کے بجائے اس نے پیدل چلنا شروع کر دیا۔

"اف ایسے لگ رہا ہے جیسے جسم کی چربی پگھل کر باہر نکل رہی ہے' کیا مصیبت ہے ایک ایسی سڑی ہوئی گرمی اور دوسرے پیدل چلنے کی مشقت"۔ وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ٹشو پیپر کو بار بار اپنے چہرے اور گردن پر رگڑ رہی تھی' ٹشو پیپر چھوٹے چھوٹے ذروں کی صورت میں اس کے گالوں پر چپک گیا تھا' دھوپ سے بچنے کے لیے اس نے اپنا دوپٹہ سر پر لے لیا تھا' پھر بھی یوں لگ رہا تھا جیسے سر جھلس رہا ہو' پسینہ لکیروں کی صورت میں بہہ رہا تھا۔

"لوگ اپنے اپنے گھروں میں آرام کر رہے ہیں اور مجھے دیکھو اتنی گرمی میں پیدل چل رہی ہوں"۔ شدید گرمی نے اس کی سوچوں کو منفی شروع کر دیا تھا ورنہ وہ بہت حساس اور شکر گزار سی بندی تھی' دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے وہ اپنی لین میں جانے کے لئے دائیں جانب مڑی اب اس کے قدموں کی رفتار اور تیز ہو گئی تھی' اچانک اس کی نظریں اپنے گھر سے تین گھر چھوڑ کر ایک زیر تعمیر گھر پر پڑیں جہاں شدید گرمی اور دھوپ میں مزدور اپنے کام میں مصروف تھے' دھوپ میں جھلسے ہوئے رنگ' پسینے اور مٹی کی بدولت مزید سیاہ لگ رہے تھے مگر دو وقت کی روٹی کمانے کی خاطر وہ لوگ بغیر کسی سائبان کے دھوپ میں کام کر رہے تھے' زنیرا تھوڑی دیر پہلے والی بڑبڑاہٹ پر فوراً اللہ سے معافی مانگنے لگی۔

"یا اللہ! معاف کرنا میں تو ابھی جا کے اے سی میں بیٹھ جاؤں گی' پانچ منٹ کی گرمی اور دھوپ پر واویلا کر رہی تھی بے چارے سارا دن گرمی میں کام کرتے ہیں' میں بہت ناشکری ہوں' توبہ اللہ معاف کر دینا' استغفار"۔ وہ دل ہی دل میں اللہ سے مخاطب تھی اس کے قدموں کی رفتار بھی اب قدرے سست ہو گئی تھی اب اسے پہلے جتنی گرمی بھی نہیں لگ رہی تھی۔

پاء جی! اج وی برف نہیں ملی' اب موٹر چلا کر تازہ پانی سے کولر بھر لو اور پانی پی کر اللہ کا شکر ادا کرو"۔ ایک سائیکل سوار مزدور اس کے قریب سے گزرا اور دور سے ہی اپنے ساتھیوں کو پکار کر برف نہ ملنے کی اطلاع دینے لگا' زنیرا پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا' اسے اللہ نے اتنی نعمتوں سے نوازہ تھا اور اس نے ان چیزوں کو کبھی نعمتوں میں شمار ہی نہیں کیا تھا' اسے لگا جیسے ان مزدوروں کو ٹھنڈا پانی نہ ملنے کی ذمہ داری ان تمام لوگوں پر ہے جو یہاں ایک کینال سے لے کر چار چار کینال کے گھروں میں رہتے ہیں اور جن کے گھروں میں دو دو تین تین فریج اور فریزر ہیں' اگر یہ سارے لوگ انہیں باری سے برف دے دیں تو یہ لوگ ٹھنڈا پانی تو پی ہی سکتے ہیں' وہ اپنی سوچوں میں گم وہیں کھڑی ہو گئی۔

"کیا بات ہے بی بی؟" اس کو وہاں کھڑے دیکھ کر ایک مزدور اس کی طرف آیا' زنیرا اپنے خیالات سے چونک کر آنے والے کو ایک نظر دیکھا جو حلیے سے تو مزدور ہی لگ رہا تھا مگر اس کا قد کاٹھ اور صحت مزدوروں جیسی نہیں تھی۔

"اسے مزدور نہیں ہونا چاہیے تھا"۔ وہ غیر ارادی طور پر اس کا جائزہ لینے لگی' بکھرے ہوئے بال' بڑھی ہوئی شیو' مٹی اور دھوپ سے چمکتا گہرا سانولا رنگ اور بڑی بڑی آنکھیں اس کا حلیہ اور لہجہ اس کے مزدور ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔

"بی بی! کوئی مسئلہ ہے؟" مزدور نے دوبارہ پوچھا۔

"نہیں"۔ وہ یک لفظی جواب دے کر آگے بڑھ گئی' مزدور نے اسے جاتا دیکھ کر کندھے اچکائے اور واپس جا کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ گھر پہنچ کر زنیرا نے شاور لے کر کھانا کھایا' مگر اپنے کمرے میں اے سی کی ٹھنڈک کے باوجود وہ بے سکون سی تھی' اسے

وہ دھوپ میں کام کرتے مزدوروں کا خیال آ رہا تھا' ایک فیصلہ کر کے وہ مطمئن ہو گئی اور گہری نیند سو گئی۔

☆☆☆☆

"السلام علیکم بابا جانی!" شام کو منہ ہاتھ دھو کر وہ آئی تو بابا جانی ٹی وی لاؤنج میں اسپورٹس چینل لگائے مگن تھے۔

"وعلیکم السلام میری جان"۔ بابا جانی نے اپنا بازو دراز کیا تو وہ ان کے بازو سے لگ کر آرام سے بیٹھ گئی' اتنے میں مما جانی ملازمہ کے ساتھ چائے لے کر آ گئیں' انہوں نے چیزیں ایک ایک کر کے میز پر رکھیں اور خالی ٹرے ملازمہ کو دے دی' وہ خالی ٹرے لے کر چلی گئیں۔

"بیٹا آج بہت دیر سے آئی ہو"۔ مما جانی نے بابا جانی کو چائے کا کپ پکڑایا' زنیرا چائے نہیں پیتی تھی وہ پلیٹ میں رکھی نمکو ٹھونگ رہی تھی۔

"آج بہت تھک گئی تھی ماما جانی' پھر گاڑی بھی راستے میں خراب ہو گئی اتنی گرمی میں پیدل چل کر آنا پڑا"۔ زنیرا نے تفصیل سے جواب دیا' جسے سن کر مما جانی نے پہلو بدلا۔

"دیکھ لیں اپنی لاڈلی کے کام' یہ ویران سنسان سڑک پر یہ اکیلی چلی آئی' ارے کوئی رکشہ' ٹیکسی لے لیتی"۔ مما جانی آج کل کے حالات سے بہت نالاں تھیں۔

"پیاری مما جانی! آپ کی بیٹی اب کوئی کالج گرل نہیں ہے بلکہ اب کالج میں پڑھاتی ہے' اب میں اتنی بھی ننھی نہیں ہوں کہ کوئی مجھے اغوا کر کے لے جائے"۔ زنیرا نے ان کے گلے میں بازو ڈالے۔

"اللہ نہ کرے تم سوچ سمجھ کر بات کیا کرو"۔ انہوں نے اس کے بازو ہٹا کر اسے پرے دھکیلا' بابا جانی چائے پی چکے تھے۔

"بابا جانی! مجھے آپ سے ایک کام ہے"۔ زنیرا نے بابا جانی سے کہہ کر قدرے ڈر کر ماما جانی کی طرف دیکھا تو بابا جانی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور مما جانی کے چہرے پر غصہ آ گیا۔

"بس دیکھ لیجئے گا' اب کرے گی کوئی الٹی سیدھی فرمائش"۔ دونوں اس کے انداز سے واقف تھے کہ جب اسے اپنی کوئی ایسی بات منوانا ہوتی جس میں اسے مما جانی کی طرف سے مخالفت کا خدشہ ہوتا تو وہ دونوں کی موجودگی میں بابا جانی کو ایسے ہی مخاطب کرتی تھی۔

"جی بابا جانی کی چڑیا! بتائیے ہم ناچیز آپ کے کس کام آ سکتے ہیں"۔ انہوں نے بڑی عاجزی سے کہا تو زنیرا کھلکھلا دی۔

"بابا جانی! یہ جو ہمارے گھر سے تین گھر چھوڑ کر ایک گھر بن رہا ہے نا' وہاں جو مزدور کام کر رہے ہیں' ان بے چاروں کے پاس پینے کو ٹھنڈا پانی نہیں ہوتا' آج بھی ان کو بازار سے برف نہیں ملی تو بے چارے گرم پانی پیتے رہے' میں سوچ رہی تھی کہ ہمارے گھر میں دو فریج ایک فریزر ہے اگر ہم کسی برتن میں برف جما کر ان کو دے دیا کریں تو کم از کم تھوڑی دیر تک تو وہ ٹھنڈا پانی پی لیں گے"۔ زنیرا نے بات کرتے کرتے مما جانی کی طرف دیکھا اور پھر بابا جانی کو۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے' عقل سے پیدل لڑکی! اس طرح یہ لوگ پانی' برف کے بہانے ڈاکے مار کر چلے جاتے ہیں' بڑا تمہیں ہمدردی کا بخار چڑھا ہے' ایک بات تو بتاؤ' تمہیں یہ سب باتیں کیسے پتا ہیں"۔ مما جانی نے کڑے تیوروں سے پوچھا۔

"وہ آج جب میں پیدل آ رہی تھی اس وقت وہ لوگ یہ باتیں کر رہے تھے تو مجھے پتہ چلا"۔ زنیرا نے مما جانی کے غصے پر بابا جانی کو دیکھا۔

"بھئی بیگم! اب تم میری بیٹی کو عقل سے پیدل تو نہ کہو' ایم فل بیالوجی ہے' کالج میں پڑھاتی ہے"۔ بابا جانی کے انداز نے مما جانی کو چڑا دیا۔

"بس آپ کی انہی باتوں نے اسے سر چڑھا رکھا

ہے''۔ مما جانی نے دونوں کو غصیلی نظروں سے گھورا۔

''پلیز مما جانی! انہیں اندر آنے کون دے گا' وہ باہر چوکیدار چاچا سے کہہ دیا کریں گے اور رشیدہ (ملازمہ) گیٹ پر جا کر ان کو برف دے آیا کرے گی' ہماری وجہ سے کسی کا بھلا ہو جائے تو کیا برا ہے''۔ زنیرا نے ان سے التجا کی۔

''ہماری بیٹی کی بات میں دم ہے بھئی''۔ بابا جانی زنیرا کے ساتھ تھے۔

''جو تمہاری مرضی آئے کرو''۔ انہوں نے زچ ہو کر اجازت دے دی' مما جانی کوئی سخت دل عورت نہیں تھیں بس آج کل کے حالات سے ڈری ہوئی تھیں۔

''تھینک یو مما جانی''۔ زنیرا نے ان کے گال پر پیار کیا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''آپ زنیرا کو بہت سر چڑھا رہے ہیں ایسا مت کریں آگے نہ جانے کیسے لوگ ملیں اس کے نصیب ہوں''۔ مما جانی روایتی ماؤں کی طرح بیٹی کے نصیب سے خوف کھائی تھیں۔

''انشاء اللہ بہت اچھے لوگ ملیں گے میری بیٹی کو تم پریشان مت ہو''۔ بابا جانی نے انہیں تسلی دی۔

''لوگوں کی اتنی خوبصورت بیٹیوں کے رشتوں میں اتنے مسئلے آتے ہیں' ہماری تو بیٹی بھی عام شکل و صورت کی ہے''۔ مما جانی آج زیادہ ہی مایوس ہو رہی تھیں۔

''بیگم میری بیٹی کی شکل ضرور عام ہے مگر اس کا دل بہت خوبصورت ہے اور خاص ہے خوبصورت دل ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہوتا' یہ تو چند چنے ہوئے لوگ ہوتے ہیں جنہیں اللہ پاک اس تحفے سے نوازتا ہے' میرا اللہ پر یقین ہے کہ میری بیٹی کا نصیب بھی بہت خوبصورت ہوگا''۔ انہوں نے مما جانی کے ہاتھ تھام کر انہیں تسلی دی تو وہ مسکرا دیں۔

زنیرا بھلے عام سی شکل و صورت والی لڑکی تھی مگر اس کی عادتیں بہت خاص تھیں اور دل اتنا صاف اور روشن کہ اس کی روشنی کی شعاعیں اس کے چہرے پر نور بن کر چمکتی تھیں وہ اپنے عام سے نقوش کے باوجود ہر دل عزیز تھی۔

''نقوش چہرہ ہیں اس کے سادہ سے مگر
محسوس ہوتا ہے اک جادو سا ان میں''

اس کے چہرے پر ایسا کچھ تھا جو دیکھنے والے کو اس کی عزت کرنے پر مجبور کر دیتا تھا' یہ انسان کے الفاظ اور لہجہ ہی ہوتا ہے جو یا تو اسے کسی کے دل میں اتار دیتا ہے یا پھر کسی کے دل سے اتار دیتا ہے اور زنیرا کا لہجہ اتنا پیارا اور نرم تھا جو اسے دوسروں کے دل میں اتار دیتا تھا' زنیرا کی زندگی اس بات کی تفسیر تھی کہ دوسروں کو خوشی دینے والوں کو خوشی کے لئے ترسنا نہیں پڑتا' جو لوگ دوسروں کے راستوں کی مشکلات دور کر کے انہیں آسان کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی اپنی زندگی کی پگڈنڈیاں بھی کشادہ اور آسان ہو جاتی ہیں جو دوسروں کے لئے آسودگیاں پیدا کرتا ہے ہر رات راحت اور سکون کی نیند اس کا مقدر بنتی ہے۔

☆☆☆☆

بیگم اسد حیدر بیڈ پر خاموش اور قدرے اداس سے انداز میں بیٹھ کر کھلی دھوپ کی آنکھ مچولی دیکھ رہی تھیں جو کبھی ان کے لان میں لیٹ جاتی' کبھی کسی کمرے کی کھڑکی سے کمرے میں جھانکنے لگتی اور کبھی منڈیروں پر جا چڑھتی۔

''ماما! یہ بھائی کی کال آ رہی ہے''۔ علینہ نے اپنا موبائل ان کی طرف بڑھایا۔

''وعلیکم السلام''۔ ماما نے سبوح حیدر کے سلام کا جواب دیا۔

''ہاں' میرا موبائل شاید کمرے میں رہ گیا تھا''۔ انہوں نے اس کی بات سن کر جواب دیا۔

''آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟'' سبوح کی آواز آئی۔

''...ہاں''۔ ماما نے دھیرے سے کہا۔

''... کب آؤ گے سبوح''۔ ماما نے پوچھا۔

''ابھی نہیں آ سکتا ماما کچھ عرصہ لگے گا' ابھی میں زیادہ دیر بات نہیں کر سکتا' میں دوبارہ فون کروں گا''۔ سبوح کی آواز ابھری۔

''اچھا اللہ حافظ بیٹا''۔ بیگم اسد حیدر نے موبائل واپس بیٹی کو تھمایا' ان کے تین بچے تھے' بڑی بیٹی جو شادی کے بعد ساہیوال سے لاہور جا بسی تھی اور ایک پرائیویٹ کالج میں پڑھاتی تھی' پھر سبوح حیدر جو آرمی میں میجر تھا' سب سے چھوٹی علینہ جو میڈیکل کے فائنل ایئر میں تھی' اسد حیدر کرنل ریٹائرڈ تھے کچھ سال پہلے ان کی وفات ہوئی تھی ان کی وفات کے بعد بیگم اسد حیدر بہت بیمار رہنے لگی تھیں' وہ چاہتی تھیں کہ اپنی زندگی میں اپنے دونوں بچوں کی شادیوں کے فریضے سے سبکدوش ہو جائیں' ان کا ارادہ تھا کہ علینہ کی پڑھائی مکمل ہوتے ہی سبوح اور علینہ کی شادیاں ایک ساتھ کر دیں گی' علینہ کی بات اس کے ماموں کے ہاں طے تھی وہ کافی عرصے سے سبوح کے پیچھے تھیں کہ وہ شادی کر لے مگر سبوح انہیں مسلسل ٹال رہا تھا۔

☆☆☆☆

''بابا جانی! جلدی چلئے آج ہم واک کے لئے لیٹ ہو گئے ہیں''۔ رات کے کھانے کے بعد زنیرا نے بابا جانی سے کہا' دونوں کا معمول تھا کہ رات کے کھانے کے بعد گھر کے سامنے والی سڑک پر تقریباً ایک گھنٹہ واک کرتے تھے۔

''ہاں چلو''۔ انہوں نے جاگرز کے تسمے باندھے' زنیرا نے گلے میں جھولتا دوپٹہ کھول کر اپنے اردگرد لپیٹا اور دونوں آگے پیچھے باہر نکل گئے' واک کرتے جیسے ہی دونوں اس زیر تعمیر گھر کے پاس پہنچے تو زنیرا کو برف والی بات یاد آئی۔

''بابا جانی! آپ ان مزدوروں سے کہہ دیں کہ یہ صبح اور شام کو ہمارے ہاں سے برف لے لیا کریں''۔ زنیرا نے آخری راؤنڈ کے اختتام پر رک کر بابا جانی سے کہا جو اپنی گردن سے پسینہ صاف کر رہے تھے۔

''ہوں چلو' کہہ دیتے ہیں''۔ بابا جانی اس زیر تعمیر گھر کے پاس گئے' زنیرا پیچھے تھی' زیادہ تر مزدور گھروں کو واپس جا چکے تھے' صرف وہی چار پانچ مزدور وہاں تھے جو دوسرے شہروں سے آئے تھے' دن کی نسبت اس وقت موسم قدرے بہتر تھا' وہ سب مل کر ایک اسٹینڈ والے پنکھے کے سامنے بیٹھ کر چائے پی رہے تھے اور گپ شپ کر رہے تھے۔ بابا جانی نے جا کر ان کو سلام کیا تو وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''بھئی جوانو! تم لوگ دن کے وقت ہمارے گھر سے برف لے لیا کرو' یہ سامنے سفید اور سیاہ گیٹ والا گھر ہمارا ہے''۔ بابا جانی نے ان سب کو مخاطب کر کے اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا۔

''صاپ! اس مہربانی کی کوئی خاص وجہ؟'' وہ ادھیڑ عمر آدمی اٹھ کر بابا کے قریب آیا۔

''ہاں ہے نا وجہ' وہ میری بیٹی' جو دوپہر سے اس غم میں گھل رہی ہے کہ تم لوگوں کو گرم پانی پینا پڑتا ہے''۔ بابا جانی نے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر اپنے سے تھوڑا پیچھے کھڑی زنیرا کی طرف اشارہ کیا' اس نے زنیرا کی سمت دیکھا اسے اس کا دوپہر کے وقت یہاں جم کر کھڑے ہونا یاد آیا' اسے زنیرا کے چہرے پر اچھائی کی ایک بڑی واضح جھلک نظر آئی۔

''شکریہ صاب جی! اللہ پاک آپ کو اس نیکی کا بڑا اجر دے میں آپ کے گھر سے برف لے آیا کروں گا' میرا نام ارشد ہے''۔ ارشد اپنے مخصوص لہجے میں گویا ہوا' وہ شاید باقی مزدوروں کا سپروائزر تھا جو ان کی طرف سے آگے بڑھ کر بات چیت کر رہا تھا۔

''ٹھیک ہے تم آ کر چوکیدار کو بتا دیا کرنا''۔ بابا

Ridadigest.com
Ridadigest.com

گیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے یونہی نظریں اٹھائیں تو اسے اپنی لین کے اس بڑے سے گھر کے گیٹ کے پاس ارشد نظر آیا' وہ ایڑیاں اٹھا کر گھر کے اندر جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا' پھر وہ گیٹ کے ساتھ کان لگا کر کچھ سننے لگا زنیرا کو کچھ عجیب سا لگا۔

''کہیں ماما کا شک درست تو نہیں کہ یہ لوگ مزدوروں کے بھیس میں ڈاکے ہی نہ ڈالتے ہوں''۔

زنیرا کے دل میں شک کا ناگ سرسرانے لگا اور وہ اپنی جگہ پر جیسے جم سی گئی' معاً ارشد کی نظر اس پر پڑی تو وہ اپنا ٹپکا جھاڑ کر سیدھا ہوا ار ہاتھ کے اشارے سے اسے سلام کیا وہ جو وہیں کھڑی تھی سر ہلا کر اس کے سلام کا جواب بھی نہ دے سکی۔

''آپ کی مہربانی ہے بی جی! آپ کی دیکھا دیکھی چند اور گھر ہمیں نہ صرف برف اور ٹھنڈا پانی بلکہ بچا ہوا کھانا بھی دے دیتے ہیں جس سے ہمارا اچھا گزارا ہو جاتا ہے اور بچت بھی ہو جاتی ہے ابھی ان گھر والوں نے مجھے باہر روکا تھا کہ کھانا لے جاؤ مگر بہت دیر ہوئی کوئی واپس ہی نہیں آیا اس لیے میں ایسے دیکھ رہا تھا کہ کوئی آ رہا ہے یا نہیں''۔

ارشد کی وضاحت پر زنیرا نے سینے میں دبی ہوئی سانس خارج کی۔

''کسی کی نیت پر شک نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ایسا کرنے سے دوسرا بندا خواہ مخواہ مجرم بن جاتا ہے''۔

زنیرا نے اپنے خیالات پر لاحول ولاقوۃ پڑھی' چوکیدار گیٹ کھول چکا تھا زنیرا اندر داخل ہو گئی۔ ماما جانی کو جب اس بات کا علم ہوا کہ زنیرا نے ارشد کو پیسے دیئے ہیں تو انہوں نے زنیرا کی خوب کلاس لی۔

''کسی دن کسی مصیبت میں نہ پھنس جانا' ارے وہ تو مجھے شکل سے ایک نمبر کا لوفر لگتا ہے' جب دیکھو ادھر ادھر تانکا جھانکی کر رہا ہوتا ہے''۔ ماما جانی نے بابا جانی کے سامنے اس کو خاصی جھاڑ پلائی وہ دو چار بار ارشد کو ادھر ادھر تاکتے جھانکتے دیکھ چکی تھیں' انہیں تو وہ شکل سے ہی کوئی دہشت گرد اور ڈاکو لگتا تھا' زنیرا نے ان کی ساری ڈانٹ خاموشی سے سنی اور پھر بابا جانی کی طرف التجائیہ نظروں سے دیکھا۔

''بابا جانی! پلیز سمجھایئے نا ماما جانی کو' میں نے تو یہ سوچا تھا کسی غریب بیمار کی مدد ہو جائے گی''۔ اس نے وضاحت دی۔

''بیٹا! وہ تو ٹھیک ہے مگر یوں ان مزدور لوگوں سے راہ و رسم بڑھانا اچھی بات نہیں' تم تو نیک نیتی سے یہ سب کرتی ہو مگر لوگوں کی زبانیں تو کوئی نہیں پکڑ سکتا نا''۔ بابا جانی نے رسان سے سمجھایا۔

''سوری بابا جانی! آئندہ خیال رکھوں گی''۔ اس نے یقین دلایا۔

☆☆☆☆

''مس فائزہ! یہ دیکھیں' بائیو سائنس پر کیسا زبردست آرٹیکل آیا ہے''۔ فائزہ اسٹاف روم میں بیٹھ کر طلبہ کی اسائمنٹس چیک کر رہی تھیں جب زنیرا نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔

''اچھا دکھاؤ''۔ انہوں نے گود میں رکھی اسائمنٹس ایک طرف رکھی۔

''ہوں واقعی زبردست ہے''۔ فائزہ نے آرٹیکل پڑھ کر بے ساختہ داد دی' زنیرا مسکرادی' اس پر ڈسکشن کرنے لگیں فائزہ کو زنیرا بہت اچھی لگتی تھی بہت ذہین مقابل کو اپنے اخلاق کی زنجیر میں جکڑ لینے والی' فائزہ جب شادی کے بعد اس کالج میں آئی تھی تو اس کو یہاں ایڈجسٹ ہونے میں زنیرا نے ہی مدد کی تھی اس کی اچھی فطرت اور عادتوں کی وجہ سے اکثر اسے سبوح کے حوالے سے اس کا خیال آتا تھا مگر اس کے عام سے نقوش دیکھ کر وہ رک جاتی کہ اس کے بھائی کو تو خوبصورت ترین لڑکیاں متاثر نہیں کر سکیں تو پھر زنیرا کا کیا ذکر' اب بھی وہ اپنی خواہش کو دل ہی دل میں دبا کر رہ گئی اس کے بس میں ہوتا تو وہ اسے اپنی بھابی بنانے میں ایک پل نہ لگاتی۔

Ridadigest.com

☆☆☆☆

ارشد بہت دنوں سے نوٹ کر رہا تھا کہ زنیرا اس کو دیکھ کر نظر انداز کر دیتی ہے' سلام کا جواب بھی چلتے چلتے بس سر کے اشارے سے دیتی تھی زنیرا کو کچھ کتابیں لینی تھیں وہ کالونی کی مارکیٹ تک پیدل چلی گئی کتابیں لے کر وہ دکان سے باہر نکل کر فٹ پاتھ پر آئی۔

''السلام علیکم بی بی جی!'' اسے ارشد کی آواز سنائی دی۔

''بی بی جی! مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے؟'' زنیرا نے سلام کا جواب دیا تو اس نے سوال داغ دیا۔

''کیا مطلب؟''

''وہ مجھے لگا کہ آپ مجھے دیکھ کر نظر انداز کر دیتی ہیں اس لئے؟'' ارشد کو سمجھ نہ آیا کہ آگے کیا کہے سو بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گیا' زنیرا اس کی ادھوری بات کا مطلب سمجھ کر مسکرا دی۔

''ارے نہیں' بس اچھا نہیں لگتا نا' اس لئے'' زنیرا نے بھی ادھوری سی وضاحت دی جس پر ارشد نے سر ہلا دیا۔ بات کے اختتام پر زنیرا کی نظر ارشد کے ہاتھ پر پڑی جہاں تازہ تازہ پٹی بندھی ہوئی تھی۔

''یہ کیا ہوا؟'' نرم فطرت کے تحت زنیرا نے بے ساختہ پوچھ لیا۔

''وہ کام کرتے ہوئے ہتھوڑا لگ گیا تھا جی' اسی کی پٹی کروانے آیا تھا' اس نے بک شاپ سے چند گز آگے بنے ہوئے کلینک کی طرف اشارہ کیا۔

''ارشد مجھے لگتا ہے تمہیں پڑھنا لکھنا چاہئے تھا نہ جانے مجھے کیوں لگتا ہے کہ اگر تم پڑھ لکھ جاتے تو بہت بڑے آدمی بن سکتے تھے''۔ زنیرا نے اس کی طرف قدرے ترس آمیز نظروں سے دیکھا۔

''بس بی بی جی! ہماری زندگی میں بہت سی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جنہیں ہم بدل نہیں سکتے تو ایسی چیزوں کے ساتھ سمجھوتا کر لینا ہی بہتر ہوتا ہے' حالات سے سمجھوتا نہ کرو تو وہ آپ کو نگل جاتے ہیں' ابا کی موت کے بعد مجھے بھی کچھ ایسے حالات کا سامنا تھا جن سے سمجھوتا کرتے وقت مجھے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑنا پڑی''۔ وہ رکا۔

''مطلب تم بالکل ان پڑھ نہیں ہو؟'' زنیرا نے سوال کیا۔

''جی میٹرک پاس ہوں''۔

''اچھا تمہیں ایک بات کہتی ہوں چاہو تو نصیحت سمجھ لینا' تم کوشش کر کے اپنی تعلیم کا ٹوٹا ہوا سلسلہ دوبارہ جوڑ لو''۔ زنیرا نے پوری نیک نیتی اور دردمند دل سے کہا۔

''جی بی بی جی! اب آپ جائیں مجھے کچھ کام کر کے واپس جانا ہے''۔ ارشد وہیں سے پلٹ گیا زنیرا گھر کی طرف چل دی۔

☆☆☆☆

بیگم اسد حیدر فجر کی نماز پڑھ کر اپنے گھر کے لان میں چہل قدمی کر رہی تھیں' ساتھ ہی ہاتھ میں پکڑی تسبیح پر ذکر کر رہی تھیں' تسبیح مکمل کر کے انہوں نے لان کی ٹیبل پر رکھی اور پائپ اٹھا کر گملوں اور بیلوں کو پانی دینے لگیں' مالی آتا تھا مگر وہ خود بھی اپنے لان کو بہت توجہ دیتی تھیں ان کا لان خاصا بڑا تھا' باہر والی دیوار کے ساتھ جامن اور آم کے درخت تھے' دائیں جانب والی دیوار کے ساتھ امرود اور مالٹے کے درخت تھے' بائیں جانب گیٹ سے تھوڑے فاصلے پر انگوروں کی بیل تھی جو اوپر ٹیرس کی گرل تک جاتی تھی اور ان پر انگوروں کے ہرے ہرے گچھے لٹک رہے تھے' کیاریوں میں مختلف پھولوں کی جھاڑیاں اور پودے تھے اس کے علاوہ ہر وہ جگہ جہاں ممکن ہو سکتا تھا پھولوں اور پودوں سے سجے گملے رکھے تھے' اس کام سے فارغ ہو کر وہ وہیں کرسی پر بیٹھ کر پرندوں کی چہکاریں سننے لگیں ان کا دل بہت اداس ہو رہا تھا' ان کو سبوح بہت یاد آ رہا تھا' جسے

Ridadigest.com

جانی نے اس کے ساتھ ہاتھ ملایا اور پلٹ آئے ' ارشد نے دونوں باپ بیٹی کو گھر کی طرف جاتے دیکھا اور تب تک انہیں دیکھتا رہا جب تک وہ گھر کے اندر نہ چلے گئے۔

صبح وین ہارن پر ہارن دے رہی تھی زنیرا بیگ کندھے پر لٹکائے ایک ہاتھ میں کتابیں پکڑے دوسرے ہاتھ میں سلائس تھامے بھاگم بھاگ گیٹ تک آئی' آج صبح وہ نماز کے بعد سو گئی تھی عموماً وہ نماز کے بعد نہیں سوتی تھی' آج سوئی تو آنکھ بہت لیٹ کھلی اور افراتفری میں تھی وہ چھوٹا گیٹ کھول کر باہر آئی تو ارشد [illegible] لے کر جا رہا تھا' اسے باہر نکلتے دیکھ کر پلٹ آیا۔

''شکریہ بی بی جی! آپ کا دل بہت اچھا ہے''۔ اس نے زنیرا کو مخاطب کیا۔

''کوئی بات نہیں''۔ وہ کہہ کر تیزی سے وین میں گھس گئی۔

☆☆☆☆

''ماما پچھلی بار میں نے آپ کو پانچ چھ لڑکیوں کی تصویریں دی تھیں مگر آپ نے کچھ بتایا ہی نہیں۔ بیگم اسد حیدر کی بڑی بیٹی فائزہ آئی ہوئی تھی شام کو فرصت سے بیٹھی تو ماں کو یاد کروایا۔

''بیٹا! تمہیں تو تب بتاؤں' جب سبوح نے وہ تصویریں دیکھی ہوں' پورے دو مہینے ہو گئے ہیں ہم سب کو اس کی شکل دیکھے ہوئے' فون بھی ہفتے میں ایک بار کرتا ہے ہمیں تو یہ بھی نہیں پتہ کہ وہ ہے کہاں' یہاں سے تو اسلام آباد گیا تھا' کہتا ہے کہ بڑے اہم مشن پر ہے اب بتاؤ اس کی مرضی کے بغیر میں تمہیں کیا جواب دوں؟'' بیگم اسد حیدر بے چارگی سے بولیں۔

''تو آپ تصویریں واپس کر دیں ہم کون سا پرانے دور میں رہ رہے ہیں''۔ وہ قدرے جھنجھلائی۔

''ویسے ماما! میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ آئندہ میں کسی لڑکی کی تصویر لے کر نہیں آؤں گی' پتہ ہے کتنی شرمندگی ہوتی ہے جب ان لڑکیوں کے ماں باپ آس سے میری طرف دیکھتے ہیں' مجھے بہت خوف آتا ہے کہ کہیں کسی کی دل آزاری نہ ہو جائے اور یہاں صاحب بہادر کے مزاج ہی نہیں ملتے' ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت لڑکیوں کی تصویریں لے کر آئی ہوں مگر ہر بار صاف انکار کر دیتا ہے کہ دل کو نہیں لگی' حد ہوتی ہے نہ جانے کس پری کی تلاش میں ہے''۔ فائزہ کافی غصے میں تھی۔

پچھلے ایک سال سے اپنے ملنے جلنے والوں میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں کتنی ہی لڑکیوں کی تصویریں یہاں پہنچائیں مگر سبوح صاحب نے ناک پر مکھی بھی نہ بیٹھنے دی اب بھی اس نے پچھلے ایک مہینے سے چار پانچ لڑکیوں کی تصویریں دی تھیں وہ تو خیر سبوح نے یہ تصویریں دیکھی ہی نہیں تھی مگر اسے پکا یقین تھا کہ اگر وہ دیکھ بھی لیتا تو کھٹ سے انکار کر دیتا۔ ان لڑکیوں کے ماں باپ اشاروں کنایوں میں بار بار پوچھ چکے تھے اور وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہو کر ان کو ٹالتی رہی تھیں۔

''کہہ [illegible] بس ایک دو مہینے کا کام رہ گیا ہے پھر آ کر اطمینان سے بات کرے گا''۔ بیگم حیدر نے اس کا ہاتھ دبایا تو وہ سر جھٹک کر رہ گئی اسے سبوح پر حقیقت میں بہت غصہ تھا سامنے ہوتا تو اس سے لڑ کر اپنا غصہ نکال لیتی مگر اس کی تو صورت دیکھے مہینوں گزر گئے تھے سو دل ہی دل میں کلس رہی تھی۔

☆☆☆☆

دن کے وقت شدید گرمی تھی لیکن شام تک موسم نے ایسا خوبصورت پلٹا کھایا تھا کہ ہر چیز جیسے ترنگ میں آ گئی۔ زور کی آندھی چلی اور پھر ہر طرف گہرے بادل چھا گئے' آندھی نے ہلکی ہلکی خوشگوار ہوا کی شکل دھار لی اور ساتھ ہی ٹھنڈی ٹھنڈی پھوار برسنے لگی زنیرا کو بارش میں بھیگنا بالکل پسند نہیں تھا' البتہ وہ کسی

کھلی جگہ پر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر برستی بارش کو دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھی اور اپنی ہتھیلیوں کو بارش میں بھگوتی اور اس پر بارش کے قطروں کا رقص دیکھتی' اب بھی جب پھوار شروع ہوئی تو وہ اپنے کمرے کا سلائیڈنگ ڈور دھکیل کر ٹیرس پر بنے اس شیڈ کے نیچے آ گئی جہاں دو کرسیاں اور ایک چھوٹا سا میز رکھی ہوئی تھی وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر ٹھنڈی ہوا اور پھوار کی خوشبو کو اپنے اندر اتارنے لگی' دفعتاً پھوار نے تیز بارش کی صورت اختیار کر لی تو وہ کھڑی ہو کر موسم کا نظارہ کرنے لگی' بارش کو دیکھتے اس کی نظر سامنے سڑک پر پڑی ارشد وہاں کھڑا بھیگ رہا تھا اور اس کی نظریں زنیرا کے گھر والی لین کے آخری گھر کے گیٹ پر تھیں وہ گھر اور اس کے رہنے والے کچھ عجیب تھے نہ کسی سے لین دین' نہ سلام دعا' گھر بہت بڑا تھا اس گھر کا مین دروازہ پچھلی لین میں تھا' اس لین میں ایک چھوٹا سا گیٹ تھا جو کبھی کسی نے دن کے وقت کھلا نہ دیکھا تھا' ہاں رات کو کبھی کبھار کوئی گاڑی آتی تو یہ دروازہ کھل جاتا تھا' شاید اس طرف ان کے گھر کا پچھلا حصہ تھا' زنیرا وہاں کھڑے ارشد کو دیکھنے لگی۔

''اتنی اچھی پرسنالٹی ہے اس کی' اگر پڑھ لکھ جاتا تو کسی اچھی پوسٹ پر ہوتا' نہ کہ یوں مزدوری کر رہا ہوتا' قسمت بھی انسان سے کیا کچھ کرواتی ہے چاہے تو عام سے آدمی کو شہنشاہ بنا دے اور چاہے تو ہیروں کے مول تلنے والوں سے پتھر کٹوا دے''۔ زنیرا اس کو دیکھتے ہوئے سوچے جا رہی تھی۔

''زنیرا''۔ ماما جانی کی آواز نے اس کی سوچوں کو بریک لگائی تو وہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔

☆☆☆☆

جب زنیرا صبح کالج جانے کو نکلتی تو اکثر ارشد ان کے دروازے پر موجود ہوتا تھا' بے چارہ صبح صبح برف لے جاتا تھا' اس وقت اکثر زنیرا سے اس کی دعا سلام ہو جاتی تھی آج زنیرا کالج جانے کے لئے باہر نکلی تو چار پانچ روز کے بعد اس کی شکل نظر آئی۔

''السلام علیکم بی بی جی!'' ارشد نے نظریں جھکا کر ادب سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام' سنو! تم اتنے دن سے کہاں تھے؟'' ابھی تک زنیرا کی کالج وین نہیں پہنچی تھی سو وہ اس سے بات کرنے لگی۔

''وہ جی گاؤں گیا تھا' میری اماں بہت سخت بیمار ہو گئی تھیں' ان کو ساتھ لا کر یہاں سرکاری اسپتال میں بھرتی کروایا ہے' اس لئے اتنے دن کام پر نہیں آ سکا' آج وہ کچھ بہتر ہیں تو آ گیا ہوں''۔ اس نے نظریں جھکائے جواب دیا۔

''اوہ!'' زنیر نے افسوس کا اظہار کیا۔

''اب ان کے پاس کون ہے؟'' زنیرا اپنا بیگ کھول کر اس میں سے کچھ تلاش کرنے لگی۔

''دن کو کوئی نہیں ہوتا جی شام کو میں چلا جاتا ہوں''۔ وہ اب بھی مودب انداز میں بات کر رہا تھا۔

''اچھا یہ لو' اس وقت میرے پاس یہی ہیں' ماں جی کے علاج کے کام آ جائیں گے''۔ زنیرا نے ہزار کے پانچ نوٹ اس کی طرف بڑھائے۔

''نہ بی بی جی! میں نہیں لے سکتا''۔ ارشد نے اپنے ہاتھ پیچھے کر لیے۔

''افوہ! تمہیں تو نہیں دے رہی' ماں جی کے لئے ہیں اور مائیں سب کی سانجھی ہوتی ہیں' سمجھے''۔ زنیرا نے نوٹ زبردستی اس کی ہتھیلی پر رکھ دیئے اتنے میں اس کی کالج وین آ گئی تو وہ عجلت میں آگے بڑھ گئی' ارشد مٹھی میں دبے نوٹوں کو ہونقوں کی طرح تک رہا تھا' پھر اس نے نظریں اٹھا کر وین میں سوار ہوتی زنیرا کو دیکھا جس کے چہرے کو اچھائی کی کرنیں روشن کیے ہوئے تھیں۔

☆☆☆☆

واپسی پر زنیرا وین سے اتری تو پوری سڑک سنسان تھی ہر طرف تیز دھوپ پھیلی ہوئی تھی اپنے

Ridadigest.com

دیکھے انہیں دو مہینے سے زیادہ گزر گئے تھے ان کا موبائل بجنے لگا' کوئی انجان نمبر تھا۔

''ہیلو''۔ انہوں نے بے دلی سے ہیلو کہا مگر دوسری طرف کی آواز سن کر ان کی ساری بے زاری اور بے دلی دور ہوگئی۔

''ماما کی جان کیسے ہو؟'' وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔

''بالکل ٹھیک' آپ مجھے یاد کر رہی تھیں نا' دیکھئے میں نے کال کرلیا''۔ وہ چہکتی ہوئی آواز میں بولا۔

''واقعی میں اس وقت تمہیں ہی یاد کر رہی تھی''۔ وہ نثار ہونے والے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''بیٹا کب تک [illegible] گے؟''

''ماما! ابھی د[illegible] لگ جائیں گے' آپ پریشان نہ ہوں میں بالکل ٹھیک ہوں' بس آپ اپنا خیال رکھیے''۔ سبوح کے لہجے میں ماں کے لئے محبت ہی محبت تھی۔

''ہوں' ایک تو جب سے تم مشن پر گئے ہو [illegible] ذاتی نمبر بند ہے' ہم کال بھی نہیں کر سکتے' تم [illegible] کال کرتے ہو اور دو تین منٹ بات کر کے فون اور نمبر دونوں بند کہ چلو بندہ اسی نمبر پر کال بیک کر لے' ہر دفعہ ایک نئے نمبر سے کال کرتے ہو''۔ وہ گلہ کرنے لگیں۔

''ماما! آپ کرنل کی بیوی ہیں' پاپا مہینوں کے لئے ڈیوٹی پر چلے جاتے تھے مگر آپ نے کبھی حوصلہ نہیں ہارا ہمیشہ ان کی ہمت ہی بندھائی تو پھر بیٹے کی دفعہ کیوں دل چھوٹا کر رہی ہیں؟'' سبوح نے ماں کے لہجے میں رچی مایوسی کو شدت سے محسوس کیا تھا' سو ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

''بس بیٹا! اعصاب اب پہلے جتنے مضبوط نہیں رہے' ڈرتی ہوں تمہیں کہیں کچھ ہو نہ جائے''۔ انہوں نے خود کو ڈھیلا چھوڑ کر کہا۔

''ماما! آپ کو یاد ہے نا کہ پاپا کہا کرتے تھے ہم باطل سے کیوں ڈریں؟ موت سے ڈر کر حق کو کیوں چھوڑ دیں؟؟ جبکہ موت تو انسان کا مقدر ہے جب [illegible] سال جینے کے بعد بھی انسان کو مرنا ہی ہے تو پھر کیوں نا سچائی اور حق کے راستے پر چلتے ہوئے جان دی جائے' کیوں نہ بھلائی کے لئے کوشش کرتے ہوئے مرا جائے' کیوں نا اللہ کے لئے جان دی جائے' وہ اللہ جو اتنا کریم ہے کہ جو اس کے لئے جان دیتے ہیں وہ ان کو ہمیشہ کے لئے امر کر دیتا ہے' تو ماما میں بھی اسی راہ کا مسافر ہوں' میں بھی باطل سے لڑ رہا ہوں' آپ پریشان نہ ہوا کریں بس میرے لئے دعا کریں کہ میں جس مشن پر آیا ہوں اس میں مجھے کامیابی ملے' اللہ ماں کی دعاؤں کو قریب ہو کر سنتا ہے''۔ سبوح نے ماں کا حوصلہ بڑھایا۔

''بیٹا! میری دعائیں دن رات تمہارے ساتھ ہیں' تم ساتھ خیریت کے ساتھ گھر لوٹو' تمہیں گرم ہوا نہ لگے''۔ انہوں نے دعا دی۔

''ماما! اب میں فون رکھتا ہوں' آئی لو یو سوچ ما[illegible] کیئر اللہ حافظ''۔ سبوح نے بات ختم کی۔

''[illegible] ان اللہ میرے بچے''۔ بیگم اسد حیدر سبوح سے بات [illegible] کے بعد بہت فریش ہوگئی تھیں وہ اٹھ کر اندر چلی [illegible]

☆☆☆

نومبر کا آخر چل رہا تھا موسم قدرے بہتر تھا' گرمی پوری طرح ختم تو نہیں ہوئی تھی مگر قدرے کم ضرور ہوگئی تھی وہ کالج سے گھر آئی تو ملازمہ نے اسے ماما جانی کی طبیعت کی خرابی کا بتایا' وہ سامان صوفے پر رکھ کر سیدھے ان کے کمرے میں آئی' ماما جانی منہ سر لپیٹے پڑی تھیں۔

''ماما جانی!'' اس نے ماں کو پکارا تو انہوں نے آنکھوں پر رکھا ہاتھ آہستگی سے ہٹا کر اسے دیکھا' ان کی آنکھیں اور ناک بے حد سرخ ہو رہی تھیں جیسے روتی رہی ہوں۔

''کیا بات ہے ماما جانی؟ طبیعت زیادہ خراب

ہے''۔ وہ پریشانی سے ان کی طرف آئی۔

''نہیں بس ایسے ہی' بی پی ہائی ہوگیا تھا''۔ وہ قدرے نقاہت سے بولیں۔

''صبح تک تو ٹھیک تھا پھر یکدم ہائی کیسے ہوگیا؟'' وہ ان کے پاس ٹک گئی۔

''کچھ نہیں تم جا کر ہاتھ منہ دھو لو اور کھانا کھالو''۔ زنیرا اٹھ گئی جانتی تھی کہ ماما اسے کچھ نہیں بتائیں گی جو بھی مسئلہ تھا اب اسے بابا جانی کی زبانی ہی معلوم ہونا تھا وہ کھانا کھا کر سو گئی' شام کو اس کی آنکھ کھلی تو وہ فریش ہو کر ٹیرس پر چلی آئی' ڈوبتے سورج کی نارنجی شعاعیں [illegible] کی اونچی شاخوں کو اپنی گرفت میں لئے [illegible] روپ بخش رہی تھیں' وہ کچھ دیر ٹیرس پر کھڑی [illegible] آنے جانے والے لوگوں اور گاڑیوں کو دیکھتی [illegible] اور پھر بور ہو کر نیچے چلی آئی وہ لاؤنج میں بیٹھ کر بابا جانی کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔

''السلام علیکم!'' بابا جانی نے عادت کے مطابق لاؤنج میں داخل ہو کر با آواز بلند سلام کیا۔

''لائیے یہ بیگ مجھے دے دیجئے''۔ زنیرا ان کی طرف بڑھی۔

''آپ کی زوجہ محترمہ کا موڈ اور طبیعت ٹھیک نہیں ہے' میں تو پوچھ پوچھ کر تھک گئی ہوں' کچھ نہیں بتایا اب آپ جائیے اور ان کے دل کا حال سننے میں تب تک چائے بنواتی ہوں''۔ اس نے بیگ تھام کر شرارت آمیز رازداری سے بتایا تو پاپا جانی نے مسکرا کر اس کے سر پر چپت لگائی۔ بابا جانی کمرے میں آئے ان کی بیگم نے کوئی نوٹس نہ لیا ہنوز لیٹی رہیں' وہ فریش ہو کر دوبارہ کمرے میں آئے تو بھی وہ اسی پوزیشن میں تھیں۔

''لگتا ہے کوئی بڑا مسئلہ ہے''۔ انہوں نے خود کلامی کی اور قمیض کی آستینیں فولڈ کرتے ہوئے بیڈ کے قریب گئے۔

''بیگم صاحبہ! کیا ہوا؟'' انہوں نے بیٹھ کر ان کے بازو کو نرمی سے چھوا' وہ دھیرے سے اٹھ بیٹھیں ان کا چہرہ رونے کی چغلی کھا رہا تھا' انہیں دیکھ کر آنکھوں میں دوبارہ آنسو آ گئے۔

''خیریت ہے یہ کیا حال بنایا ہوا ہے؟'' انہوں نے ان کے گال پر ہاتھ رکھا تو وہ ان کے بازو کے ساتھ لگ کر رونے لگیں۔ ان کے دل میں آگ لگی ہوئی تھی اور آنکھیں پانی برسا رہی تھیں پھر بھی دل کی آگ نہیں بجھ رہی تھی۔

''ارے اب کچھ بتایئے بھی کیا ہوگیا''۔ وہ ان کا سر سہلانے لگے۔

''آپا نے اپنے بیٹے کی منگنی کر دی ہے' آج مٹھائی ان کی طرف سے''۔ وہ رک رک کر بولیں تو بابا جانی ٹھنڈی سانس بھر کر معاملے کی تہہ تک جا پہنچے۔

''تو یہ تو خوشی کی بات ہے اس میں تمہارا رونا سمجھ [illegible] نہیں آیا''۔ انہوں نے لاپروائی سے کہا۔

''[illegible] سب جانتے ہیں پھر بھی؟'' وہ شکایتی انداز [illegible]

''دیکھو [illegible] کبھی تم سے زنیرا کے لئے کہا؟ نہیں نا [illegible] خوش گمانیوں میں گھری ہوئی تھیں تو اس میں [illegible] قصور؟ پھر اللہ کے سوا کسی انسان سے کوئی امید نہیں باندھنی چاہئے کیونکہ انسانوں سے باندھی ہوئی امیدیں اکثر ٹوٹ جاتی ہیں اور جب یہ امیدیں ٹوٹتی ہیں تو امید باندھنے والا خود بھی کرچی کرچی ہو جاتا ہے' اس لئے اپنی ذات کو سلامت رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ کبھی کسی کام یا چیز کے لئے اپنے جیسے کسی انسان سے امید نہ باندھو' بھلے وہ تمہارا سگا خون ہی کیوں نہ ہو''۔ انہوں نے رسان سے سمجھایا۔

زنیرا کے بابا جانی کا ماننا تھا کہ اللہ سے مانگتے وقت اوپر کی طرف اٹھے ہوئے ہاتھ اس بات کی

Ridadigest.com

گواہی ہوتے ہیں کہ آپ کا وقار اور عزت نفس محفوظ اور سلامت ہیں اور بندوں سے مانگتے وقت پھیلا ہوا ہاتھ یہ اعلان کرتا ہے کہ اب آپ کی عزت نفس ایک انسان کے رحم و کرم پر ہے' اور اکثر انسانوں کو دوسروں کی عزت نفس اپنے پیروں تلے روندنے میں بہت مزہ آتا ہے' یہی وجہ تھی کہ وہ انسانوں سے بہت کم توقعات وابستہ کرتے تھے' وہ ہمیشہ اس رب واحد کے حضور آس لگاتے تھے جو اپنی طرف آنے والوں کی جھولیاں ہمیشہ بھرتا ہے اب بھی وہ اپنی بیوی کو یہی بات سمجھا رہے تھے جو ان لوگوں میں سے تھیں جو اپنے بہن بھائیوں سے ان کے ظرف سے بڑھ کر امیدیں لگاتے ہیں اور پھر جب وہ امیدیں پوری نہیں ہوتیں تو وہ نہ صرف خود بھی ڈھے جاتے ہیں بلکہ اپنے بہن بھائیوں سے بھی بدگمان ہو جاتے ہیں۔

''آج کل تو بہن بھائیوں کا خون ہی سفید ہو گیا ہے' پہلے زمانے میں تو بہن بھائی ایک ماں کے پیٹ سے جنے ہونے کی لاج رکھا کرتے تھے میں نے جو ایک دوبار اشاروں میں بات کی تھی زنیرا کے لئے' مگر انہیں تو بہت خوبصورت بہو کی تلاش تھی میری زنیرا تو''۔ ابھی بات ان کے منہ میں ہی تھی جب بابا جانی نے انہیں سختی سے ٹوک دیا۔

''بس بیگم! میری بیٹی اتنی گری پڑی نہیں ہے کہ آپ خود ہی اسے لوگوں کی جھولی میں ڈالنے کے لئے بھیک مانگتی پھریں' آپ کی آپا کا بیٹا اس دنیا کا کوئی آخری لڑکا نہیں ہے' اور خبردار جو میری بیٹی کو بار بار عام شکل و صورت کا کہا تو' میری بیٹی بہت صاف دل اور اندر سے بہت خوبصورت ہے' اور اللہ نے اس کے لئے ایسا ہی جوڑ بھی اتارا ہوگا اب آپ اس سوگ کو ختم کریں میں چائے پر آپ کا انتظار کر رہا ہوں''۔ وہ دو ٹوک کہہ کر باہر نکل گئے انہیں اٹھنا پڑا کہ شوہر کے اس کبھی کبھار کے دو ٹوک انداز سے ان کی جان خشک ہو جاتی تھی۔

''بابا جانی! آپ نے بتایا نہیں آپ کی زوجہ محترمہ کا موڈ کیوں خراب تھا''۔ رات کو باپ بیٹی دونوں واک کر رہے تھے جب زنیرا نے پوچھا تو بابا جانی نے کچھ باتیں حذف کر کے اسے ساری بات بتا دی ان کی بات سن کر زنیرا وہیں رک گئی۔

''بابا جانی! اللہ کا شکر ہے کہ آپ میرے بابا ہیں' آپ کی بدولت میرے اندر اتنا اعتماد آ گیا ہے کہ وہ چیزیں جو لوگوں کی نیندیں اڑا دیتی ہیں میرے نزدیک وہ اتنی عام اور ثانوی ہوتی ہیں کہ ان پر پریشان ہونا تو کجا میں ان کے بارے میں سوچتی تک نہیں ہوں' تھینک یو بابا جانی! مجھے اتنا مضبوط اور مختلف بنانے کے لئے''۔ زنیرا نے ان کی طرف لاڈ سے دیکھا۔

☆☆☆☆

زنیرا کو شدید فلو ہو رہا تھا' وہ کالج سے ہاف ڈے کر کے آ گئی' ٹیکسی ان کے بلاک میں داخل ہوئی ابھی چند لین پیچھے ہی تھی کہ پولیس اور رینجرز کے اہلکاروں نے ٹیکسی کو آگے جانے سے روک دیا' ناچار اسے وہیں اترنا پڑا وہ پیدل گھر کی طرف روانہ ہوئی ابھی وہ اپنی لین میں مڑ ہی رہی تھی کہ فضا یکدم فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی ایک گولی اس کے دائیں بازو سے چند انچ کے فاصلے سے زناٹے سے گزر گئی اس سے پہلے کہ وہ صورت حال سمجھتی کسی نے اس کی کلائی پکڑ کر اسے پوری قوت سے اینٹوں کے بڑے سے ڈھیر کے پیچھے کھینچ لیا اس کے ہاتھ سے کتابیں چھوٹ کر نیچے جا گریں' بیگ کندھے سے اتر کر بازو میں جھول گیا اور دوپٹہ سر سے اتر کر کندھوں سے ڈھلک گیا' اس سے پہلے کہ وہ چیختی' کسی نے اس کے منہ پر سختی سے ہاتھ جما دیا۔

''بی بی جی! ڈریں نہیں' میں ہوں ارشد' ادھر وہ نکڑ والے گھر میں کوئی آپریشن ہوا ہے' رینجرز اور پولیس والے کافی لوگوں کو پکڑ کر لے گئے ہیں ابھی علاقہ کلیئر

کر رہے تھے لیکن شاید اندر ابھی بھی کچھ لوگ موجود ہیں''۔ ارشد اپنے مخصوص انداز میں بتا رہا تھا' اس کی آواز سن کر اس کی ڈھارس بندھی' زنیرا نے اپنے منہ سے اس کا ہاتھ ہٹا کر اپنی سانسیں درست کیں' فائرنگ میں مزید شدت آ گئی تھی۔

''بی بی جی! آپ ادھر چلیں' فائرنگ رکتی ہے تو میں آپ کو گھر چھوڑ آتا ہوں''۔ ارشد اسے اینٹوں کے ڈھیر کے پیچھے چھپتے چھپاتے اس زیر تعمیر عمارت کے ایک کونے میں لے آیا۔

''آپ یہاں سکون سے بیٹھیں' میں باہر جا کر حالات کا جائزہ لیتا ہوں''۔ وہ مڑا۔

''یہ یہ کیا ہے؟'' زنیرا نے اس کے ہاتھ میں پکڑے ریوالور کی طرف اشارہ کیا تو ارشد نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا۔

''وہ جی یہ؟ یہاں سے بھی کچھ رینجرز والے مقابلہ کر رہے تھے انہی میں سے کسی کی رہ گئی ہے بس یہی واپس دینے جا رہا تھا جب دوبارہ فائرنگ شروع ہو گئی''۔ باہر فائرنگ کی آوازیں مزید تیز ہو گئیں تو وہ بات ادھوری چھوڑ کر چلا گیا' تقریباً بیس منٹ بعد جا کر فائرنگ کی آوازیں بند ہوئیں اور آدھے گھنٹے بعد ارشد واپس آیا۔

''چلیں بی بی جی! اب سب ٹھیک ہے' میں آپ کو گھر چھوڑ آؤں''۔ وہ باہر سے اس کی کتابیں بھی اکٹھی کر کے لے آیا تھا۔

''ارشد! تم نے میری جان بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے' زندگی کے کسی موڑ پر تمہیں کبھی کوئی ضرورت پڑے تو بلا جھجک آ کر کہہ دینا''۔ زنیرا اس کی شکر گزار ہوئی۔

''جی''۔ وہ کسی خیال سے چونکا۔

''چلیں جی! ویسے آپ اس وقت تو نہیں آتیں آج کیسے آ گئیں' یہاں تو اعلان کروا دیا گیا تھا کہ سب دو گھنٹوں کے لئے گھروں سے باہر نہ آئیں اور موڑ پر بھی پہرہ تھا پھر آپ ادھر کیسے آ گئیں''۔ وہ نجانے کیوں پریشان تھا۔

''ہاں موڑ پر پولیس تھی جو سواریوں کو آگے جانے سے روک رہی تھی تو میں وہاں سے اتر کر گلیوں کے درمیان سے ہوتی ہوئی پیدل آ گئی''۔ وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے باہر آئی۔

''ہاں ویسے تو کلیئر ہو گیا تھا مگر تہہ خانے میں دو تین لوگ چھپے ہوئے تھے جنہوں نے دوبارہ حملہ کر دیا''۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں بتا رہا تھا۔

''تمہیں یہ ساری معلومات کیسے ملیں؟'' وہ چلتے چلتے یکدم رکی۔

''وہ جی یہاں کھڑے ہو کر اپنے بڑے صاحب کو بتا رہے تھے''۔ اس نے وضاحت دی۔

''لیں جی جائیں اپنے گھر''۔ وہ اسے گیٹ کے پاس چھوڑ کر پلٹ گیا' اس نے بیل دی تو چوکیدار نے چھوٹا دروازہ کھولا اور اسے اس وقت دیکھ کر گھبرا گیا۔

''زنیرا بیٹیا! جلدی اندر آ جائیں باہر کوئی آپریشن ہو رہا ہے گھروں سے نکلنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے''۔ وہ اسے اندر آنے کا راستہ دے کر جلدی جلدی گیٹ بند کرنے لگا وہ لاؤنج میں آئی جہاں ماما جانی ٹی وی دیکھ رہی تھیں' اس کے بکھرے بال اور مٹی سے اٹے کپڑے دیکھ کر اس کی طرف لپکیں۔

''زنیرا تم ٹھیک ہو میری بچی؟'' انہوں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھاما۔

''جی ماما جانی! میں ٹھیک ہوں''۔ وہ مسکرائی۔

''یہ کپڑوں کو کیا ہوا؟'' وہ انتہائی تشویش زدہ ہو چکی تھیں' زنیرا نے انہیں مختصر سارا واقعہ بتایا تو وہ خوف سے لرز گئیں۔

''جاؤ تم کپڑے بدلو''۔ انہوں نے اسے کمرے میں بھیجا۔

''اللہ غارت کرے ان لوگوں کو جس ملک میں رہتے ہیں اسی کو نقصان پہنچاتے ہیں کیسے آرام سے

Ridadigest.com

یہاں رہ رہے تھے اور اندر ہی اندر دہشت گردوں کا اتنا بڑا گروہ کام کر رہا تھا توبہ توبہ"۔ ماما جانی ابھی تک ہول رہی تھیں اتنے میں آل کلیئر کا اعلان کر دیا گیا تو لوگ حالات کا جائزہ لینے کے لئے گھروں سے باہر آ گئے' شام کو بابا جانی کو اس واقعے کا علم ہوا تو انہوں نے زنیرا کا صدقہ اتارا اور باقاعدہ جا کر ارشد کا شکریہ ادا کیا۔

☆☆☆☆

اس واقعے کو تقریباً پندرہ دن گزر چکے تھے' ابھی تک اس واقعہ کا ذکر لوگوں کی زبانوں پر تھا' علاقے کے لوگ ابھی تک ڈرے ہوئے تھے' سر شام ہی گھروں کے دروازے بند کر لیتے اور یوں پہلے سے سنسان علاقہ اور سنسان ہو جاتا جیسے یہاں کوئی ذی روح ہی نہ بستا ہو' البتہ زنیرا اور اس کے بابا جانی کی روٹین میں کوئی فرق نہیں آیا تھا' دونوں ابھی بھی ہر روز رات کو واک کرنے ضرور نکلتے تھے ابھی بھی دونوں واک کرتے ہوئے اسی زیر تعمیر مکان کے سامنے سے گزر رہے تھے جب ارشد نے ان کے پاس آ کر مشترکہ سلام کیا۔

"میں جی' آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا تھا' میری ماں جی کو کل اسپتال سے چھٹی ہو جائے گی' میں انہیں لے کر واپس گاؤں جا رہا ہوں اب میں ان کے ساتھ ہی رہوں گا' وہیں کوئی چھوٹا موٹا کام کروں گا اب میری ماں جی اکیلے نہیں رہ سکتی ہیں آپ سب کا بہت شکریہ آپ نے ہمارا بہت خیال رکھا"۔ اس نے بابا جانی سے کہا۔

"کوئی بات نہیں بیٹا' شکر تو اللہ کا ادا کرنا چاہئے جو سب کا مالک ہے اور تم نے ہم پر اس سے بڑا احسان کر دیا ہے' زیر بار تو ہم رہیں گے تمہارے زندگی بھر"۔ بابا جانی نے اس کا کندھا تھپکا' وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

"بی بی جی! آپ کا بھی بہت شکریہ' میری ماں کے علاج کے لئے آپ نے پیسے دیئے' اللہ آپ کو اجر دے گا"۔ وہ زنیرا کی طرف مڑا' زنیرا خوش دلی سے مسکرا دی۔

"اللہ حافظ جی!" وہ مڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتا واپس چلا گیا۔

☆☆☆☆

بیگم اسد حیدر نماز پڑھ رہی تھیں ان کا موبائل مسلسل بج رہا تھا' انہوں نے سلام پھیر کر موبائل اٹھایا' سبوح کا نمبر تھا' اس کا مطلب تھا کہ وہ مشن مکمل کر کے اسلام آباد واپس آ گیا ہے۔

"ماما میں دس پندرہ دن میں واپس آ رہا ہوں"۔ سلام دعا کے بعد سبوح نے انہیں زندگی کی نوید سنا دی۔

"خیر سے آؤ میرے بیٹے"۔ وہ ممتا سے چور لہجے میں بولیں۔

"ماما! باقی باتیں مل کر کریں گے"۔ اس نے خدا حافظ کہہ کر موبائل بند کر دیا۔

"علینہ! علینہ"۔ وہ اسے پکارتے ہوئے اس کے کمرے میں آئیں۔

"جی ماما!"

"بیٹا بھائی آ رہا ہے"۔ بیگم اسد حیدر نے اطمینان اور خوشی کے احساس سے بھرے دل کے ساتھ اطلاع دی۔

"سچ' پورے چار مہینے بعد ان کی شکل دیکھیں گے"۔ علینہ کی خوشی اس کے چہرے پر رقص کر رہی تھی پھر سبوح پورے چار مہینے کی چھٹی پر آ گیا' وہ خوب ریسٹ کر رہا تھا' دوستوں سے مل رہا تھا اور گھر والوں کے ساتھ وقت گزار رہا تھا۔

"بیٹا! اس ویک اینڈ پر فائزہ کو لے آنا لاہور سے' ویک اینڈ یہاں گزارے گی' تم سے مل لے گی اور شاید اسے تم سے بہت سارا لڑنا بھی ہے"۔ بیگم اسد حیدر نے خوشگوار سے انداز میں کہا۔

"ارے! ڈرائیں نا' آپا کی لڑائی' توبہ توبہ خود ہی باتیں سناتی ہیں اور پھر خود ہی منہ پھلا لیتی ہیں"۔ سبوح نے کانوں کو ہاتھ لگائے تو علینہ اور بیگم اسد مسکرا دیں۔

☆☆☆☆

چھٹی کا وقت تھا طلبہ جوق در جوق کالج سے نکل رہے تھے سبوح اپنی گاڑی سے ٹیک لگا کر آپا کا انتظار کر رہا تھا' دس پندرہ منٹ بعد طلبہ کا رش قدرے کم ہوا تو ٹیچرز بھی جانے لگے جمعے کی وجہ سے ہر کسی کو گھر جانے کی جلدی تھی اس کالج کی یہ بات بہت اچھی تھی کہ جمعے کے روز اساتذہ کو کسی کام کے سلسلے میں نہیں روکا جاتا تھا' سبوح گیٹ کی طرف متوجہ تھا' آپا کالج گیٹ سے باہر آئیں ان کے ساتھ زنیرا بھی تھی وہ دونوں کوئی بات کرتے ہوئے آ رہی تھیں' گیٹ پر پہنچ کر دونوں گلے ملیں اس نے زنیرا کو غور سے دیکھا جو اپنی وین کی طرف چلی گئی تھی فائزہ سبوح کی طرف بڑھ گئی۔

"السلام علیکم! پیاری آپا"۔ سبوح نے پیار سے کہا۔

"وعلیکم السلام کیسے ہو؟" فائزہ نے اس کے بازو پر پیار سے ہاتھ پھیرا کہ وہ بھائی سے لاکھ ناراض سہی مگر اتنے دنوں بعد بھائی کو سامنے دیکھ کر ان کا پیار اُمڈ کر آیا تھا۔

"الحمدللہ اب جلدی چلئے گھر سے بچوں کو لینا ہے پھر ہمیں نکلنا ہے"۔ دونوں گاڑی میں جا بیٹھے۔

☆☆☆☆

"ماما! مجھے وہ تصویریں دیں ذرا' آج میں کوئی فیصلہ کروا کر ہی رہوں گی"۔ رات کے کھانے کے بعد سب اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے جب فائزہ نے ماں کو مخاطب کیا۔

"یہ لو"۔ بیگم اسد حیدر نے تصویریں نکال کر اسے پکڑا دیں۔

"سبوح! یہ تصویریں دیکھو اور ان میں سے ایک لڑکی فوراً سلیکٹ کر لو ورنہ تمہاری خیر نہیں ہے"۔ فائزہ نے تصویریں سبوح کی طرف بڑھائیں۔

"آپا! لڑکی نہ ہو گئی کوئی شرٹ ہو گئی جو میں کوئی ایک سلیکٹ کر لوں"۔ سبوح نے تصویریں پکڑیں اور ایک ایک دیکھنے لگا' تصویروں میں ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت اور طرح دار لڑکیاں تھیں اس نے تصویریں دیکھ کر خاموشی سے واپس کر دیں۔

"ہاں تو بتاؤ"۔

"آپا! ان میں سے کوئی نہیں"۔

"کوئی نہیں کا کیا مطلب ہے تم خود کوئی شہزادہ گلفام ہو جو تمہیں کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آتی اتنی خوبصورت لڑکیاں دکھائیں مگر تمہیں کوئی نہیں بھائی انسان کو اپنے معیار اتنے بھی بلند نہیں رکھنے چاہئیں' اب بتاؤ' تمہارے لئے چاند سے اتری حور کہاں سے تلاش کریں"۔ فائزہ غصے میں سبوح کی بات کاٹ کر جو شروع ہوئی تو سبوح کھسیا سا گیا جبکہ علینہ اور بیگم اسد حیدر کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ تھی۔

"آپا آپ سے کس نے کہا کہ مجھے کسی بہت خوبصورت لڑکی سے شادی کرنی ہے"۔ فائزہ سانس لینے کو رکی تو سبوح نے سوال داغ دیا۔

"ارے واہ! ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری' ہر خوبصورت لڑکی کو تو تم ریجیکٹ کر دیتے ہو تو اس کا یہی مطلب ہوا نا کہ تمہیں اس سے بھی زیادہ خوبصورت لڑکی چاہئے"۔ فائزہ نے غصے سے کہا۔

"نہیں آپا! میں کون ہوتا ہوں کسی لڑکی کو رد کرنے والا بس یہ لڑکیاں مجھے اپنے مطابق نہیں لگیں' میں اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں جس کی شکل بھلے عام ہو مگر اس کا دل' اس کا دل بہت خوبصورت ہو کیونکہ خوبصورت چہرے تو بہت سے ہوتے ہیں مگر خوبصورت دل بہت نایاب ہوتے ہیں' میرا ماننا ہے کہ جس شخص کے نصیب میں خوبصورت دل رکھنے والی بیوی آ جائے وہ خوش قسمت ترین ہوتا ہے"۔

Ridadigest.com

سبوح نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

''لیں! اب یہ نئی فرمائش' خوبصورت چہرا تو چلو نظر آ جاتا ہے اب خوبصورت دل کیسے تلاش کیا جائے؟ ماما! میں آپ بتا رہی ہوں یہ ہمیں بے وقوف بنا رہا ہے' اس کا شادی وادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے' پچھلے سال اپنے جے ایس سی کی وجہ سے ٹال رہا تھا' دو سال اور گزرے تو اس کا اسٹاف کورس آ جائے گا اور شادی سے بچنے کا بہانہ بھی''۔ فائزہ نے ماں کو مخاطب کیا۔

''بیٹا! نہ تنگ کرو بہن کو''۔ انہوں نے سبوح کو سرزنش کیا۔

''آپا! خوبصورت دل بھی نظر آ جاتا ہے' بس دیکھنے والی نظر چاہیے''۔ سبوح نے فائزہ کو کچھ جتاتی نظروں سے دیکھا۔

''بھئی صاف بات ہے میرے پاس وہ والی نظر نہیں ہے جو دلوں کی خوبصورتی دیکھ سکے'' فائزہ نے ہاتھ اٹھا دیئے۔

''یہ بات تو بالکل درست ہے' ورنہ آپ کو میرے لئے خوبصورت دل والی لڑکی بہت پہلے مل گئی ہوتی''۔ سبوح نے فائزہ کی بات کی تائید کی تو وہ اسے گھورنے لگی۔

☆☆☆☆

''زنیرا! تم کہیں انگیجڈ ہو؟'' ویک اینڈ کے بعد اسٹاف روم میں اس وقت فائزہ اور زونیرا ہی تھیں۔

''ابھی تک تو نہیں''۔ وہ مسکرائی۔

''اچھا چلو میں کلاس لینے جا رہی ہوں''۔ فائزہ بات ختم کر کے اٹھ گئی اور زنیرا اس سوال کی تک سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔ فائزہ نے آفس فائل سے زونیرا کے بابا جانی کا نمبر لیا اور ان کو کال کی' سلام دعا کے بعد اس نے اپنا تعارف کروایا۔

''انکل! میں زنیرا کی کولیگ ہوں فائزہ''۔

''جی بیٹا! فرمایئے''۔

''انکل! میری امی آپ کے ہاں آنا چاہ رہی ہیں' اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو ہم کل شام کو آپ کی طرف آ جائیں''۔ فائزہ نے مودب سے لب و لہجے میں اجازت طلب کی۔

''جی بیٹا! ضرور آیئے' اس میں اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے''۔ انہوں نے رسان سے جواب دیا۔

''تھینک یو انکل! پھر کل ملاقات ہوتی ہے' انشاء اللہ' اللہ حافظ''۔ بابا جانی ایک جہان دیدہ انسان تھے فائزہ کے یوں فون کر کے اجازت لینے سے ان کی آمد کا مقصد ان کی سمجھ میں آ گیا تھا تاہم فی الحال انہوں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

''زنیرا کی کسی کولیگ فائزہ کا فون آیا تھا' وہ اور اس کی امی ہمارے ہاں آنا چاہ رہی ہیں کل شام کی چائے پر تھوڑا سا اہتمام کر لیجئے گا''۔ رات کو بابا جانی نے ماما جانی سے کہا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''زنیرا! تمہاری کولیگ اور اس کی امی کل ہمارے ہاں آ رہی ہیں''۔ ماما جانی نے دودھ کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اطلاع دی۔

''ہمارے ہاں؟'' زونیرا الجھی۔

''ہاں' تمہیں نہیں پتا؟''

''نہیں''۔

''چلو دیکھتے ہیں کل' کیا کہتی ہیں''۔ ماما جانی پلٹ گئیں۔

☆☆☆☆

''بھائی صاحب! میں آپ کی بیٹی کے لئے سوالی بن کر آئی ہوں' میرا بیٹا آرمی میں میجر ہے' سبوح حیدر نام ہے' یہ اس کے دفتر کا ایڈریس ہے' آپ لوگ اپنی تسلی کر لیں''۔ بیگم اسد حیدر نے چائے کے بعد ہلکی پھلکی بات چیت کے دوران اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔

''ہماری خوش قسمتی ہے بہن جی کہ آپ ہمارے ہاں آئیں مگر ہمیں تھوڑا وقت چاہیے' آپ کو پندرہ بیس دن تک انتظار کرنا پڑے گا''۔ بابا جانی نے بڑے وقار سے کہا' ماما جانی نے مسکرا کر ان کی تائید کی۔

''ٹھیک ہے' اگر آپ کا جواب ہاں میں ہو تو اس بات کو ذہن میں رکھیے گا کہ سبوح چار مہینے کی چھٹی پر ہے اور ہمیں اسی دوران اس کی شادی کرنا ہے''۔ تھوڑی دیر مزید بیٹھنے کے بعد فائزہ اور اس کی امی چلی گئیں۔ بابا جانی کے ایک دوست آرمی میں کرنل تھے' انہوں نے دس دن کے اندر سبوح کے بارے میں ساری تفصیلات فراہم کر دیں اس کے بارے میں کوئی بات بھی قابل گرفت نہ تھی زنیرا کو سبوح کی تصویر دکھا کر اس کی رضامندی لینے کے بعد بیگم اسد حیدر کو ہاں کہہ دی گئی۔

☆☆☆☆

''چلیئے ماما! آپ کے لئے ایک عدد لڑکی کا بندوبست ہو گیا جس کے ساتھ آپ ساس بن کر لڑ سکیں گی''۔ سبوح نے ماما کو چھیڑا۔

''میں کیوں لڑوں گی؟ بلکہ میں اس کے ساتھ مل کر تمہارے کان کھینچا کروں گی''۔ بیگم اسد حیدر نے اس کا وار اسی پر پلٹ دیا تو سبوح بے چاری سی صورت بنا کر رہ گیا۔ سبوح کی شادی ایک مہینے کے اندر اندر ہونے جا رہی تھی' دونوں طرف شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں علینہ کی شادی چھ ماہ بعد اس کے ہاؤس جاب مکمل ہونے پر طے پائی تھی مسز اسد حیدر تو اس کی بھی شادی بھی ساتھ ہی کرنا چاہتی تھیں مگر اس کا منگیتر کسی کورس کے سلسلے میں جرمنی گیا تھا اور چھ مہینے سے پہلے اس کی واپسی ممکن نہیں تھی۔

دن بھاگے جا رہے تھے زنیرا کی شادی کا دن آن پہنچا صبح سے زنیرا نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا تھا' قدرت نے لڑکیوں کے نصیب میں یہ کیسی خوشی رقم کی ہے کہ ایک طرف تو نئے خوابوں اور رشتوں کی چاہ دل میں امنگیں پیدا کرتی ہے تو ہونٹوں پر مسکراہٹ آ جاتی ہے' دوسری طرف اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے جدائی کا غم دل کو اپنی مٹھی میں جکڑ لیتا ہے اور خوشی کے اس موقع پر آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات شروع ہو جاتی ہے زنیرا تو پھر اکلوتی تھی اسے یہ چیز زیادہ رلا رہی تھی کہ اس کے بعد ماما جانی اور بابا جانی کا خیال کون رکھے گا دونوں اسے کئی بار چپ کرواتے ہوئے خود بھی رو دیئے تھے کہ اپنی اکلوتی لخت جگر کو خود سے دور کرنے جا رہے تھے مگر ان کے اندر یہ گہرا اطمینان تھا کہ اللہ نے ان کی بیٹی کو محفوظ ہاتھوں میں دے دیا ہے۔

رخصتی کے وقت بھی وہ روتے دھوتے گاڑی میں بیٹھی' گھونگھٹ کے اندر سے اس کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں وہ لوگ لاہور سے نکل کر موٹر وے پر آ گئے مگر اس کا سسکنا جاری رہا گاڑی میں پیچھے صرف سبوح اور زنیرا ہی تھے ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر سبوح کے بہنوئی بیٹھے ہوئے تھے بیگم اسد حیدر' فائزہ' علینہ اور بچے اگلی گاڑی میں تھے' سفر تھوڑا لمبا تھا سو ان کی سہولت کی خاطر پیچھے ان کے ساتھ کوئی نہیں بیٹھا تھا جب زنیرا کی سسکیاں کسی طور نہ تھمیں تو سبوح تھوڑا سا اس کی طرف کھسکا' اس کے بہنوئی فون پر کسی سے بات کر رہے تھے اور ڈرائیور کا پورا دھیان ڈرائیونگ پر تھا۔

''کیوں رو رہی ہیں جب جانتی ہیں' قسم سے میں بہت پیار کرنے والا انسان ہوں''۔ سبوح نے اس کی چوڑیوں بھری کلائی پر ہاتھ رکھ کر سرگوشی کی' زونیرا یکدم خود میں سمٹ گئی' اس کی سسکیوں کو جو بریک لگا تو پھر ساہیوال تک خیریت گزری۔

☆☆☆☆

ساری رسموں کے بعد اسے اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا کمرا بڑی سادگی اور نفاست کا نمونہ تھا کمرے کو روایتی انداز میں نہیں سجایا گیا تھا میز پر تازہ گلابوں کا ایک بڑا سا بوکے رکھا گیا تھا' بیڈ کراؤن اور دیواروں پر گلاب کی ادھ کھلی کلیاں چپکائی گئی تھیں وہ

Ridadigest.com

گھونگھٹ نکالے بیٹھی تھی سبوح کمرے میں داخل ہوا اور آ کر اس کے قریب بیٹھ گیا' زنیرا نے اس کے سلام کا جواب زیر لب دیا' وہ کنفیوز سی ہو رہی تھی ہاتھوں پیروں پر جیسے چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں' سبوح نے اس کا گھونگھٹ ہٹایا تو اس نے نظروں کے ساتھ اپنا سر بھی بہت زیادہ جھکا لیا' سبوح نے اسے رونمائی کی انگوٹھی پہنائی اور نظریں اس کے چہرے پر جمادیں دلہن بن کر اس پر اتنا روپ آیا تھا گویا آسمان سے اتری ہوئی حور ہو' مقدس' پاکیزہ' سبوح نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ قدرے اونچا کیا۔

''تمہیں یاد ہے ایک دفعہ تم نے کسی سے کہا تھا کہ اگر زندگی کے [illegible] موڑ [illegible] اسے تمہاری ضرورت پڑے تو بلا جھجک تمہیں بتائے [illegible] وہ رکا' زنیرا نے قدرے ٹھٹک کر اسے ایک نظر دیکھا۔

''مگر تمہیں شاید یہ معلوم نہیں کہ [illegible] کے ہر موڑ پر تمہارا ساتھ چاہئے' اس لئے آج میں [illegible] اپنی بیوی بنا کر لے آیا ہوں''۔ سبوح نے بڑی لگاوٹ سے کہا۔

''مگر یہ جملے تو میں نے ارشد سے کہے تھے''۔ زنیرا کے لبوں سے بے ساختہ نکلا' یکدم وہ خاموش ہوگئی' شادی کی پہلی رات وہ اپنے شوہر کے سامنے بیٹھ کر کسی دوسرے مرد کا نام لے رہی تھی۔

''جی بی بی جی! اس لئے کہ وہاں ارشد کے بھیس میں سبوح حیدر ہی تھا''۔ سبوح نے فوراً ارشد کے لب و لہجے میں بات کی تو زنیرا کے ذہن میں روشنی سی ہوئی اس کونے والے گھر میں ارشد کی تانکا جھانکی اسے فائرنگ سے بچانا اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ریوالور کے بارے میں بتانا۔

''آپ؟'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکی' سبوح کی روشنیوں بھری آنکھوں نے اس کو خاموش کروا دیا تھا' اس کی نظریں بے ساختہ جھک گئیں۔

''ان دنوں میں آئی ایس آئی کے ساتھ ایک خفیہ مشن پر تھا اس لئے وہاں مزدور بن کر کام کر رہا تھا جب مجھے وہاں ایک رحم دل پری ملی جو مزدوروں کو گرم پانی پیتے نہیں دیکھ سکی تھی جو کسی کی ماں کی بیماری کے بارے میں سن کر بغیر گنے نوٹ اس کی مٹھی میں دبا دیتی تھی جو ہر کسی کے لئے نیک نیت تھی جو دوسروں کو آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتی تھی مگر اس رحم دل پری نے ایک بڑا ظلم کیا کہ وہ سبوح حیدر کا دل نکال کر لے گئی''۔ آخر میں وہ شوخ ہوا تو دھیان سے اس کی طرف دیکھ کر اس کی بات سنتی زنیرا اسٹپٹا گئی اب زنیرا کو یاد آیا کہ سبوح کی تصویر دیکھ کر اسے اس کی آنکھیں شناسا سی کیوں لگی تھیں۔

''مشن سے واپس آ کر میں گھر والوں سے تمہارے بارے میں بات کرنے کا موقع تلاش کر رہا تھا' مجھے یہ تو معلوم تھا کہ تم کسی کالج میں پڑھاتی ہو مگر کس کالج میں یہ میں نہیں جانتا تھا انہی دنوں مجھے فائزہ آپا کو لینے ان کے کالج جانا پڑا جہاں تم مجھے ان کے ساتھ نظر آئیں پھر تو جیسے مسئلہ ہی حل ہو گیا' میں نے آپا کی توجہ تمہاری طرف دلائی مگر انہیں یہ نہیں بتایا کہ میں [illegible] جانتا ہوں اس کے بعد باقی کے مراحل ماما اور آپا نے [illegible] لئے' ویسے مجھ سے زیادہ خوش نصیب تو وہ ارشد ہی تھا [illegible] کم از کم نظر ملا کر بات تو کرتی تھیں''۔ زنیرا کے [illegible] سے سر جھکا لینے پر سبوح نے ایک آہ بھری تو زنیرا کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ہاں تو ارشد تو بے چارا ایک غریب شخص تھا اس کی مدد کرنا تو بنتا تھا''۔ زنیرا نے ہنسی دبا کر کہا مگر پھر بھی ہنسی اس کے ہونٹوں سے ابل پڑی۔

''میں بھی تو ایک غریب شخص ہوں جس کا دل تمہارے پاس ہے اور وہ تم سے تمہاری محبت مانگ رہا ہے' میری مدد کرنا بھی تو بنتا ہے نا''۔ سبوح نے اسے اپنے بازو کے حصار میں لے لیا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

☆......☆......☆

Ridadigest.com

مہرین کنول

افسانہ

نیا سال نئی خوشی

رات کو آسمان کی طرف پٹاخے پھٹ رہے تھے۔ پٹاخوں کی ہر طرف سے آوازیں آرہی تھیں پتہ چل رہا تھا بارہ بج گئے ہیں وہ اس وقت اپنی ڈائری کھولے اس میں آنے والے نئے سال کا ٹائم ٹیبل لکھ رہی تھی خیر سے گریجویشن کر چکی تھی اب تو بہت سا وقت تھا اسے اب کالج نہیں جانا پڑتا تھا تمکین نے ڈائری میں کتنے ہی پھول رکھے تھے' آخر میں ڈائری لکھنے کا مشغلہ کیا کچھ نہ لکھ ڈالا تھا اس نے وہ لکھ رہی تھی اور چاند بھی آسمان پر کسی دلہن کے ٹیکے کی طرح چمک رہا تھا' تب ہی اس کے ذہن میں رات کو چاند کو تکنے کا مشغلہ لکھنا یاد آیا تو وہ بھی لکھ دیا تارے دیکھے تو وہ بھی لکھ دیئے برسات میں بارشوں میں چھت پر آ کر بھیگنا لکھ دیا مگر پھر بھی دل میں کچھ خلش سی تھی کچھ اداسی تھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کمی رہ گئی ہے وہ جو ذہن میں آرہا تھا اچھا سال سا لکھ رہی تھی چھن چھن کرتی پائلوں کی آواز پر وہ سمجھ گئی تھی کہ زارا آپی آئی ہیں دو سال ہو گئے تھے ان کی شادی کو پائل پہننے کا شوق ہنوز برقرار تھا کہ اشعر بھائی' زارا آپی کے شوہر کو بھی ان کا پائل پہننا اچھا لگتا تھا۔

''کیا کر رہی ہو تمکین! کیا دھڑا دھڑ لکھ رہی ہو ڈائری میں؟'' انہوں نے پوچھا۔

''آپی! نئے سال کا ٹائم ٹیبل لکھ رہی ہوں کیسے گزارنا ہے''۔ تمکین نے انہیں بتایا۔

''اچھا تو کیا کچھ لکھا ہے' ہمیں بھی تو بتاؤ''۔ زارا آپی نے اس سے کہا تو وہ خوشی سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''زارا آپی! آپ خود ہی دیکھ لیجئے اور پڑھ لیجئے میں نے بہت سے مشاغل لکھ دیئے ہیں مگر اب بھی کچھ کمی سی لگ رہی ہے''۔ تمکین نے زارا کو ڈائری دیتے ہوئے بتایا تو زارا کچھ دیر تک ڈائری پڑھتی رہی اور پھر مسکرائی۔

''تم نے سب کچھ لکھا ہے تمکین! مگر اصل مشاغل نہیں لکھے کہ جیسے تمہیں ان مشاغل کے سوا فرصت نہیں ملے گی''۔ زارا آپی نے اس کو کہا۔

''کیا مطلب؟'' وہ ناسمجھی سے پوچھنے لگی۔

''ارے تمکین! تم نے نماز کے لئے ٹائم ٹیبل نہیں لکھے اذان سننے کے بعد تمہیں وقت پر نماز پڑھنی ہے پھر دوسرے کام کرنے ہیں یہ ایسا ٹائم ٹیبل ہے جو ہمیں بنانا نہیں پڑتا''۔ زارا نے اسے سمجھایا۔

''مگر آپی! میں تو نماز پڑھتی ہوں لیکن ڈائری میں نہیں لکھا پتہ نہیں کیسے بھول گئی''۔ اس نے افسوس سے کہا۔

''مگر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ کبھی کبھار تمہاری فجر کی نماز قضاء ہو جاتی ہے اسی لئے اپنی نماز درست طریقے سے وقت پر پڑھنا ہے یہ ڈائری میں لکھ لو اور اللہ سے دعا مانگو خوشی مل جائے گی''۔ زارا آپی اسے نیچے کمرے میں آنے کا کہہ کر چلی گئیں۔ وہ کمرے میں آئی اور سو گئی فجر کی اذان کے وقت اس کی گھڑی کا الارم بجا وہ اٹھی اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگی نماز پڑھنے کے بعد اسے لگا کہ اب اس کی زندگی کے اس نئے سال میں اس کو خوشیاں نصیب ہوں گی۔ کتنا خوبصورت ہے یہ احساس نیا سال ہے نئی خوشی ہے' یہ سوچ کر وہ خوشی سے مسکرا دی۔

☆.....☆.....☆

تہمینہ چوہدری

ہنوز دلی دور است

''پپا جانی! ہم نے اسے ووٹ نہیں دینا''۔ اس کا انداز حتمی تھا اور یہ سچ تھا کہ گھر میں اس کی چلتی بھی بہت تھی۔

''پلیز اس دفعہ کسی Senseable بندے کو ووٹ دیجئے گا' پتا ہے کتنی انسلٹ ہوتی ہے جب سب کو بتاتی ہوں میرے گاؤں میں گیس نہیں ہے''۔ اب وہ قدرے رنج بھرے انداز میں دکھ سے بول رہی تھی وہ جب بھی اپنے دوستوں کو بتاتی کہ اس کے گاؤں میں ہر سہولت ہے ماسوائے گیس کے تو گلے کی تو تیوری ہی چڑھ جاتی' سر سے پیر تک اس الٹرا ماڈرن لڑکی کو دیکھا جاتا اور پھر نخوت سے ناک بھوں چڑھا کر پوچھا جاتا۔

''ہائیں...... تو کیا تم لوگ ابھی تک اپلوں کی آگ جلاتے ہو' پور پیپل' بیک ورڈ''۔ چلو انہیں بھی موقع مل جاتا تھا اپنی جیلسی کو تمسخر کے روپ میں نکالنے کا ورنہ وہ ہر لحاظ سے ان سے بہتر ہی لگتی تھی۔

''سیلنڈر ہوتے ہیں ناں گیس والے وہ جلتے ہیں ہمارے گھر میں''۔ وہ تیوری چڑھا کر غصے سے گویا ہوئی۔

''ویسے اپلوں کی آگ جلانے کی جگہ بھی بنی ہے اور اپلے بھی میسر ہوں گے تمہیں انٹرسٹ ہے تو ضرور آنا''۔ وہ جل کر کہتی۔ اس لئے تو اس نے اس دفعہ پپا جانی سے کہہ دیا تھا کہ ووٹ صرف اسے دینا جو گیس جیسی دلیرینہ ڈیمانڈ اور ایک اہم ضروریات زندگی کو پورا کرنے کا وعدہ کرے۔

''ویسے وعدہ تو پچھلی دفعہ والے موصوف نے بھی کیا تھا''۔ پپا جانی شرارت سے مسکرائے تھے۔

''جھوٹا''۔ جنہیں سب سے زیادہ سچا ہونا چاہئے انہی کے بارے میں لوگوں کی یہ متفقہ رائے تھی۔

''بیٹا! خان اس دفعہ بہت اصرار کر رہا ہے کہ اسے ہی ووٹ دینا ہے اور اب برسوں پرانی دوستی کو ایسے ہی ختم نہیں کر سکتا اس لئے اس بار ووٹ تو خان کے بندے کو ہی دینا پڑے گا''۔ پپا نے ووٹ دینے کی وجہ بھی بتا دی تھی' اب بحث کی گنجائش ہی نہ تھی' خان چاچا ان کے بچپن کے دوست تھے۔

''اگر خان اسے ووٹ دینے کو بول رہا ہے تو کوئی معقول انسان ہی ہوگا''۔ وہ خان چاچا پر بہت بھروسہ کرتے تھے ہر دفعہ ہی ان کے گاؤں کا ایک ہی مطالبہ ہوتا تھا کہ گیس لگوا کر دی جائے ہر امیدوار بڑی شدومد اور زور وشور سے عہد و پیماں کرتے اور پھر اگلے پانچ سال تک اپنی شکل بھی نہ دکھاتے تھے' اس دفعہ انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ ان کے ووٹ پرانی شکلوں پرانی پارٹیوں کی بجائے کسی باشعور معقول امیدوار کو دیئے جائیں گے مگر اس سے پہلے ہی خان چاچا نے سارے ارادوں پر پانی پھیر دیا تھا' سارے خاندان' ساری برادری کے ووٹ خان چاچا کے امیدوار کو ہی گئے تھے وہ جیت کر اپنی حکومت میں مگن ہو گیا اور وہ سب اپنی زندگی میں۔

☆☆☆☆

کافی عرصے بعد پپا جانی کو ہی خیال آیا تھا کہ کیوں نہ مل کر انہیں ان کا وعدہ یاد دلایا جائے' گاؤں کے چند معزز لوگوں نے خان چچا کے توسط سے ملنے کا

وقت لیا' اور ملنے پہنچ گئے اس دن وہ بے پناہ خوش تھی' چلو شاید ایک طعنے سے جان چھوٹ جائے مگر گھنٹے دو گھنٹے بعد ہی پپا بڑے غصے سے گھر واپس آئے تھے۔

''کیا ہوا پپا؟'' وہ جھٹ سے پانی کا گلاس لئے حاضر ہوئی تھی۔

''موصوف فرماتے ہیں کہ جاہلوں کو کیا پتا گیس کا''۔ اسے بھی جھٹکا لگا تھا' یعنی ہم جاہل تھے' ہاں جاہل ہی تھے جو ان جیسے لوگوں کو بار بار ایوانوں میں بھیجتے ہیں جاہل اور ان پڑھ میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے' بعض پڑھے لکھے بھی جاہل ہوتے ہیں اور بعض ان پڑھ بڑے سمجھدار' مگر ابھی نے ٹھیک کہا تھا۔

''ہم سب جاہل ہی ہیں''۔

☆......☆......☆

مصباح مسکان رؤف

بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے

''تم مانو یا نہ مانو! مگر یہ سچ ہے کہ لمبے قد کے لڑکے اب ناپید ہو چکے ہیں''۔ میں نے آم کے درخت سے لٹکے جھولے پر جھولتے ہوئے شرمین کو مخاطب کیا جو ''آب حیات'' ناول پڑھنے میں مگن تھی۔

''نہیں بہنی وہ کہتے ہیں ناں کہ ''دیر آید درست

آید'' مجھے پورا یقین ہے کہ تمہارا زبردست سا ہائٹ میچ انشاء اللہ بہت جلد آئے گا، دیکھنا جو بھی دیکھے گا کہے گا Just made for eachother''۔ شرمین نے میری بات سن کر مجھے تسلی دی تو میں مسکرائی۔

''ہاں بہنی... دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال بہت ہی اچھا ہے''۔ میں نے لمبی سانس بھری۔

Dear sister, just wait & watch'' شرمین نے ڈائیلاگ مارا تو میری ہنسی چھوٹ گئی۔

''اور کتنا ویٹ کروں یار! کب سے یہ سن رہی ہوں آرہا ہے، جلدی آئے گا، آجائے گا، یوں لگتا ہے جیسے دور کہیں جنگلوں میں سے پیدل چلتا ہوا بلکہ قدم گنتا ہوا آرہا ہے، کوئی پہنچا ہے ابھی تک'' میرے صبر اور انتظار کا پیمانہ نجانے کب سے لبریز ہو چکا تھا۔

''شامین، شرمین بیٹا آکے کھانا کھالو اندر'' امی نے پکارا تو شرمین نے ناول کرسی پر رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلو تم بھی اندر، قسم سے ایسے بیٹھی کوئی درخت کی چڑیل لگ رہی ہو''۔ شرمین نے میرا جھولا روک کر ساکت بیٹھنے پر چوٹ کی تو میں خاموشی سے کھڑی ہوگئی۔

''امی وہ میرا دوست ہے ناں عمر، اس کی خالہ آئی ہوئی ہیں دبئی سے، اپنے بیٹے کے لئے لڑکیاں دیکھ رہی ہیں، عمر پوچھ رہا تھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو وہ شامین کے لئے بات کرے؟'' کھانا کھاتے ہوئے چھوٹے بھائی نے امی سے پوچھا تو امی سوچ میں پڑ گئیں۔

''اکلوتا ہے، حال ہی میں پڑھائی مکمل کی ہے، England کی یونیورسٹی کی ڈگری ہے، جاب بھی جلد ہی مل جائے گی''۔ بھائی مزید بتا رہے تھے۔ بھابی محمد ہاشم کو کھانا کھلا رہی تھیں جبکہ شامین اپنے کمرے میں تھی۔

''باہر کے لوگ ہیں، پتہ نہیں کیسے ہوں اور لڑکا...'' امی کو فکر ہوئی۔

''مگر ملنے میں کیا حرج ہے امی''۔ بھائی نے کہا تو امی نے اثبات میں سر ہلایا۔

''چلو ٹھیک ہے مل لیتے ہیں، جو ہماری بچی کا نصیب''۔ امی نے کہتے ہوئے آخری نوالہ منہ میں ڈالا۔

''آپ کیوں اتنی ٹینشن لیتی ہیں امی! انشاء اللہ سب ٹھیک ہوگا''۔ بھائی نے امی کو تسلی دی تو امی اور بھابی نے بھی انشاء اللہ کہا۔

☆.....☆.....☆

دو دن بعد وہ لوگ آئے۔ عمر، اس کی امی، خالہ اور خالہ کا بیٹا۔ لڑکا اچھا ڈیسنٹ تھا، ہائٹ بھی ٹھیک تھی، امی کو کچھ تسلی ہوئی مگر جب شامین سے پوچھا تو اس نے انکار کر دیا۔

''شامین اتنا اچھا رشتہ...''

''امی! جتنا مرضی اچھا رشتہ ہو، میں اتنی دور نہیں جانا چاہتی کہ کسی خوشی غمی میں فوراً اپنے گھر والوں کے پاس بھی نہ آسکوں'' شامین کے دوٹوک جواب نے امی کو پریشان کر دیا۔

''لیکن شامین...'' امی نے کہنا چاہا۔

''کوئی بات نہیں امی! ہمارے لئے شامین کی مرضی، اس کی خوشی امپورٹنٹ ہے، اگر شامین ملک سے باہر شادی نہیں کرنا چاہتی تو ہم اسے مجبور نہیں کریں گے، آپ پلیز پریشان نہ ہوں انشاء اللہ سب بہتر ہوگا''۔ بھائی نے حسب معمول نرمی سے امی کو سمجھایا۔

''مگر ان لوگوں کو...'' امی کو لڑکے والوں کی فکر تھی کہ وہ کیا سوچیں گے۔

''وہ سب میں دیکھ لوں گا، آپ بس ریلیکس رہیں''۔ اس کے بعد ان لوگوں کے ساتھ بھائی کی کیا بات ہوئی، کسی کو پتا نہیں، بس یہ بات یہیں ختم ہوگئی۔

☆..........☆..........☆

میں شاہین فیاض، گھر کی لاڈلی چھوٹی، پچھلے دنوں بھی میرے لئے آنے والے ایک رشتے کو انکار ہوگیا کیونکہ اس کی ہائٹ کم تھی۔

اکچولی مابدولت کا قد ذرا لمبا ہے، بس یہی کوئی 5 فٹ 11 انچ، مجھے تو اپنی ہائٹ بڑی اچھی لگتی ہے مگر میری یہ اچھی ہائٹ میرے گھر والوں کے لئے باعث پریشانی ہے کیونکہ میرے لئے آنے والے ہر رشتے اور میرے درمیان میری یہ ہائٹ رکاوٹ بن جاتی ہے۔

یہ نہیں ہے کہ میری عمر بہت زیادہ ہوگئی ہے یا مجھے شادی کا لڈو کھانے کا بہت شوق ہے بلکہ اصل ماجرہ یہ ہے کہ میں اور میری بہن شرمین جڑواں ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی مانتا ہی نہیں اور نہ ہی ہم میں جڑواں والی کوئی مماثلت ہے۔ میں لمبی پتلی اور وہ ذرا درمیانے قد کی قدرے بھرے جسم والی، ہر کوئی مجھے ہی بڑا سمجھتا ہے۔

سب کہتے ہیں کہ جڑواں ہیں، ان کے لئے ایک ہی گھر ڈھونڈیں، دونوں ایک ہی گھر جائیں وغیرہ وغیرہ۔

ہم نے کبھی الگ ہونے کا نہیں سوچا تھا مگر قسمت کے کھیل کہ لڑکے والوں کو شرمین پسند آئی کیونکہ ان کے بیٹے کی ہائٹ اس کے ساتھ میچ تھی۔ یوں ہم دونوں جدا ہوئیں۔ دلہا بھائی کا بھائی تو تھا مگر پہلے سے انگیجڈ تھا اور اگر نہ ہوتا تب بھی کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ دونوں بھائی سیم ہائٹ کے تھے۔

جڑواں میں سے چھوٹی لگنے والی کی شادی ہوگئی، بڑی والی گھر بیٹھی ہے۔ لوگ باتیں کرنے لگے کہ بڑی کی پہلے کیوں نہیں کی۔ مزید یہ کہ ماشاء اللہ اللہ نے شرمین کو اولاد کی نعمت سے بھی جلد نواز دیا۔ پہلے پیاری سی بیٹی آیت اور پھر بیٹا محمد حسن۔ امی کو مزید فکروں نے گھیر لیا، آگے ہی پریشانیوں سے بیمار رہتی تھیں۔

اب تو ماشاء اللہ محمد حسن بھی سال کا ہوگیا ہے اور ان کی خالہ جانی ابھی تک بابل کے آنگن میں ہی قیام پذیر ہیں۔ کئی رشتے آتے ہیں مگر کہیں لوگ ٹھیک نہیں تو کہیں ہائٹ مناسب نہیں۔

بھئی میں تو بہنی کو صاف کہتی ہوں کہ اب تو لمبے قد کے اچھے لڑکے ختم ہی ہوگئے ہیں۔ میرے لئے امی جب ہر وقت متفکر رہتی ہیں تو مجھے اپنا آپ قصوروار محسوس ہوتا ہے۔ اب تو مجھے خود سے، اپنے قد سے چڑ ہوگئی ہے کہ میں سب کے لئے پریشانی کا سبب ہوں۔

اللہ سلامت رکھے میرے بھائیوں کو جنہوں نے ابو کی کمی کبھی محسوس نہیں ہونے دی۔ اب میں سب سے چھوٹی سب کی لاڈلی سب کے لئے ٹینشن ہوں، مجھے یہ سوچ سوچ کر غصہ آتا ہے، کوئی تو ہوگا ہی میرے لیے بھیجا۔ مگر ہے کہاں؟ کب آئے گا؟ کم از کم میری شادی سے امی کی آدھی فکریں تو ختم ہوں گی ناں۔

☆..........☆..........☆

میں امی کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی تھی۔ واپس آکر اتنی تھکن ہوئی کہ فوراً بیڈ پر گر گئی۔ ڈاکٹروں کے پاس طویل انتظار بھری قطاریں اچھے بھلے بندے کو تھکا دیتی ہیں، بیماروں کا تو مت ہی پوچھیں۔

میں نے سیدھے لیٹتے ہوئے اپنا سیل آن کیا تو FB Messenger پر میری B.Ed فرینڈ نگینہ کے میسج آئے ہوئے تھے۔ حال احوال پوچھنے کے بعد میں نے بتایا کہ امی کے ساتھ ڈاکٹر کے ہاں گئی تھی۔

''زندگی کا سفر انسان کو بہت تھکا دیتا ہے''۔ میں نے ٹائپنگ کی۔

''چیئر اپ جی، سفر چاہے جتنا بھی لمبا ہو، منزل ایک دن انشاء اللہ ضرور آتی ہے''۔ نگینہ نے Reply

کیا۔

''ہر رات کے بعد صبح اور ہر مشکل کے بعد آسانی ہے۔ پریشان مت ہوا کرو اور امی کا خیال رکھا کرو''۔ پھر میسج آیا۔

''جب چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ سجانی پڑے تو جبڑے ہی نہیں دل بھی دکھتا ہے، جبڑوں کا درد تو گولی سے چلا جاتا ہے مگر دل کا درد کوئی دردمند ہی دور کرسکتا ہے اور اتنے شناسا اور اجنبیوں کے میلے میں کبھی کبھی دردمند نہیں ملتا، اس لئے مسکرانا ہی پڑتا ہے''۔ میں نے جواباً یہ اقتباس شیئر کیا۔

''ملے گا انشاء اللہ ضرور ملے گا، یو نو ابھی لمبے قد کے اچھے لڑکے ناپید نہیں ہوئے''۔ اس نے ساتھ smily faces بھیجے۔

''یہ تم ہر بات لمبے قد کی طرف کیوں لے جاتی ہو، یار شادی ہر مسئلے کا حل نہیں ہوتی''۔ میں نے ٹائپنگ کی۔

''کیونکہ تمہاری ڈیمانڈ صرف اچھا لڑکا نہیں بلکہ اچھا لمبا لڑکا ہے اور جب کوئی اچھا ساتھی ساتھ ہوگا تو انشاء اللہ سب مسئلے حل ہو جائیں گے''۔ نگینہ نے جواب دیا تو میں مسکرائی۔

''یار! سکون ہونا چاہئے، خوشیاں ہونی چاہئیں''۔

''سکون بھی ہوگا، خوشیاں بھی ہوں گی کیونکہ صبر کا پھل sweet ہوتا ہے سویٹی''۔ جواباً نگینہ کی طرف سے smily face کے ساتھ جواب آیا جس نے پھر مجھے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

''شاہین بیٹا! یہاں آؤ''۔ اس سے پہلے کہ میں نگینہ کو reply کرتی امی نے مجھے پکارا۔ میں نے جلدی سے نگینہ سے اجازت لی اور سیل دراز میں رکھ کر باہر کی طرف بڑھی۔

''دوست اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہوتے ہیں اس chat سے پہلے میں کتنی اداس اور پریشان تھی مگر اب کتنا ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا ہے، کتنی لکی ہوں ناں میں، اتنی اچھی فرینڈز ملیں ہیں مجھے عائشہ، ماریہ، نگینہ، شبینہ... جن سے میں دل کی باتیں شیئر کر سکتی ہوں، شرمین کی اپنی سسرال کی پرابلم اور پریشانیاں ہوتی ہیں، اسے میں پریشان نہیں کرنا چاہتی، بے شک میں اپنی فرینڈز سے مل نہیں سکتی مگر کیا ہوا internet زندہ باد''۔ میں مسکراتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ صبح کی ٹینشن کچھ دیر کے لئے ختم ہو چکی تھی۔

☆..........☆..........☆

میری ایک محلے کی فرینڈ قریبی سلائی سینٹر جاتی تھی، میں نے بھی امی کے فورس کرنے پر وہاں جانا شروع کیا۔ ہم سلائی سینٹر سے واپس آ رہی تھیں تو اچانک مجھے یاد آیا کہ امی کی معدے والی گولیاں ختم ہو گئی ہیں، ساتھ والی گلی میں میڈیکل اسٹور ہے، وہاں سے لے کر گھر چلتے ہیں۔

''تمہیں ٹیبلٹس کا نام تو پتا ہے ناں شاہین؟'' حنا نے اسٹور کے دروازے میں پوچھا۔

''ہاں ناں، اگر نام نہ پتا ہوتا تو میں لینے کیوں جاتی''۔ میڈیکل اسٹور سے ٹیبلٹس لے کر باہر نکلتے ہوئے حنا کی نظر سامنے سبزی کی دکان پر پڑی۔

''یار شاہین! آؤ ذرا یہاں سامنے سے لیموں لینے ہیں میں نے''۔ حنا نے سامنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو میں نے سامنے دیکھا، سڑک کے پار سبزی کی بڑی سی دکان تھی۔

''لیموں کیا کرنے ہیں تم نے؟'' دھیان سے سڑک کراس کرتے ہوئے میں نے حنا سے پوچھا تو وہ مسکرائی۔

''میں دودھ اور لیموں ہاتھوں منہ پر لگاتی ہوں ناں، اسکن فریش رہتی ہے اور گلو کرتی ہے، تم بھی ٹرائی کرو ناں''۔ حنا نے بتاتے ہوئے اسے مشورہ دیا۔

''اف توبہ، مجھ سے نہیں ہوتے یہ کام،

گندے ہاتھوں سے چہرے کو بچاؤ، پانی پیو، سبزیاں کھاؤ، خود ہی اسکن فریش اور glowing رہے گی، سمپل''۔ شامین نے آسان حل بتایا تو حنا مسکرائی۔

''تم بھی ناں، زبیدہ آپا کی سیکریٹری ہو''۔ دکان کے قریب پہنچتے ہوئے حنا نے کہا تو میں اس کے اس جملے پر ہنسی، دکان میں بڑی صفائی اور سلیقے سے ساری سبزیاں ترتیب سے رکھی گئی تھیں، صاف ستھری تازہ سبزیاں۔

''امی رات کو کہہ رہی تھیں کہ آلو پیاز ختم ہو گئے ہیں، بھائی سے منگوائے ہیں، میرے پاس ابھی پیسے ہیں یہیں سے لے لیتی ہوں بھائی اتنے بزی رہتے ہیں ان کا ٹائم بچ جائے گا''۔ میں نے تازہ سبزیوں کو دیکھتے ہوئے سوچا اور ساتھ ہی اپنے بیگ میں پیسے دیکھے، 1000 روپے تھے۔

''تم نے کچھ لینا ہے شامین؟'' مجھے بیگ کھولتا دیکھ کر حنا نے پوچھا۔

''ہاں سبزی لینی ہے تھوڑی، آلو، پیاز۔ سبزی والے بھائی صاحب یہ آلو پیاز کتنے کے ہیں؟'' میں نے بتاتے ہوئے ساتھ ہی دکان میں کچھ اندر کھڑے آدمی کو مخاطب کیا تو اس نے چونک کر ہماری طرف دیکھا۔

''پوچھنے کی کیا ضرورت ہے شامین! یہ ریٹ لسٹ لگی ہوئی ہے ناں''۔ حنا نے میرا منہ ریٹ لسٹ کی طرف کروایا۔ اس دوران وہ سبزی والا باہر آ چکا تھا۔ بلیک شلوار قمیض پہنے، ہاتھ میں موبائل تھامے کھڑا ہمیں دیکھ رہا تھا۔

''سبزی والے بھائی صاحب! ایسا کریں کہ 5 کلو آلو دے دیں، 3 کلو پیاز اور کلو ٹماٹر بھی دے دیں''۔ میں نے ریٹ لسٹ دیکھ کر کہا اور ساتھ ہی والٹ نکالا۔

''پہلے مجھے کلو لیموں دے دیں بھائی صاحب''۔ حنا نے آگے ہو کر تیزی سے کہا تو مجھے اس کی اس حرکت پر ہنسی آئی۔

''مجھے بھی کلو لیموں اور کھیرے دے دیں، کتنے پیسے ہو گئے؟'' میں نے بولتے بولتے سبزی والے کی طرف دیکھا جو حیرت سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔

''پیسے؟... آ... کیا کیا چاہئے آپ کو؟'' سبزی والے کے سوال پر میں نے گھور کے اسے دیکھا، اتنی دیر سے کیا میں گانا سنا رہی تھی اسے۔

''آلو، پیاز، کھیرے، ٹماٹر، لیموں''۔ میں نے خفگی سے نام دہرائے۔

''اچھا... آ... یہ سب... کتنے کتنے؟؟'' اس سبزی والے نے سبزیوں کے نام سن کر سر کھجایا اور کچھ سوچتے ہوئے پوچھا تو میرے ماتھے پر بل پڑ گئے، میں نے ایک نظر حنا کو دیکھا وہ بھی غصے سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''آپ اونچا سنتے ہیں یا صرف اپنی مرضی کا سنتے ہیں؟'' میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی حنا بول اٹھی تو وہ سٹپٹا گیا۔

''مجھے زیادہ دیر تو نہیں ہوئی''۔ ایک دم دائیں طرف سے مردانہ آواز ابھری تو ہم تینوں نے دائیں طرف دیکھا، ایک شلوار قمیض والا آدمی سر پر ٹوپی رکھے کھڑا دوسرے سے پوچھ رہا تھا۔ جواباً بلیک شلوار قمیض والے نے نفی میں سر ہلایا۔

''جی میری بہن کیا چاہئے؟'' پھر وہ ہماری طرف متوجہ ہوا۔

''مٹھائی چاہئے تھی، یہاں سے مل جائے گی؟'' میں نے غصے سے پوچھا تو اس نے حیرت بھری ایک نظر پیچھے والے پر ڈالی پھر ہمیں دیکھا۔

''انہیں آلو، پیاز، مٹر، کریلے اور لیموں چاہئیں''۔ پیچھے والے نے فوراً سے بتایا۔

''مٹر اور کریلے نہیں ٹماٹر اور کھیرے''۔ میں نے خفگی سے اس کی درستگی کی۔

''جی جی یہی سب کچھ''۔ اس نے ایک نظر مجھ پر ڈالتے ہوئے کہا تو میں نے غصے سے اسے دیکھتے ہوئے دوسرے کو سبزیوں کی تعداد بتائی۔ اس نے تیزی سے ناپ تول کر بل بنایا، 480 روپے بنے۔

''بہن جی دھنیا پودینا بھی ڈال دوں؟'' دوسرے نے سبزیاں ڈالتے ہوئے پوچھا تو میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''500 پورے ہو گئے''۔ میں نے 1000 کا نوٹ اسے پکڑایا۔

''500 نہیں ہیں بہن جی؟'' اس نے نوٹ پکڑتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں''۔ میرے یک لفظی جواب پر وہ کچھ سوچ کر مڑا۔

''میرے پاس ہیں''۔ پیچھے والے نے کہا اور ساتھ ہی 500 کے دو نوٹ نکالے۔ دوسرے والے نے ایک نوٹ مجھے دیا اور ساتھ میں سبزیوں کے شاپر بڑھائے۔ میں نے اور حنا نے شاپر اٹھائے اور باہر نکل آئیں۔

''یار تمہیں کیا ہوا، کیوں پریشان ہے؟'' سبزی والے نے دوسرے کی شکل دیکھ کر پوچھا۔

''کیا میں سبزی والا لگتا ہوں؟'' فکرمندی سے سوال کیا گیا۔

''کیا ہو گیا ہے شہزادے، تم کیوں سبزی والے ہونے لگے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''آپ کی بہن جی ہی مجھے سبزی والا کہہ رہی تھیں''۔ اس نے منہ بناتے ہوئے بتایا تو دوسرے نے اس کی بات پر بے اختیار قہقہہ لگایا۔

☆.....☆.....☆

''کتنا عجیب تھا ناں یہ سبزی والا''۔ راستے میں، میں نے کہا تو حنا ہنسی۔

''پتہ نہیں کیا پرابلم تھی اسے، شاید اونچا سنائی دیتا ہے اسے''۔ حنا نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

''نہیں... سنتا ٹھیک ہے، دیکھا نہیں تھا باقی سوالوں کے فوراً جواب دے رہا تھا، وہ بھی ٹھیک ٹھاک، ہاتھ میں سیل پکڑا تھا ناں، لازمی سارا دھیان اس کی ہی طرف تھا''۔ میں نے حنا کے خیال کی تردید کرتے ہوئے اپنا خیال بتایا تو وہ میرے اس جواب پر ہنسنے لگی۔

''ویسے بندہ تھا ہینڈسم، سبزی والا لگتا نہیں تھا''۔ حنا نے پھر اپنا خیال بتایا تو میں نے سر ہلاتے ہوئے اسے دیکھا۔

''تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا''۔ اس کا ہاتھ تھام کر سڑک کراس کرتے ہوئے میں نے جواب دیا۔

☆.....☆.....☆

میں لان چیئر پر بیٹھی ٹانگیں دوسری چیئر پر پھیلائے شرمین سے imo پر بات کر رہی تھی، آج ہماری برتھ ڈے تھی۔

''ہاں لگتا تو ہے کہ آج بارش ہو گی، صبح سے بادل چھائے ہوئے ہیں، بارش آ ہی جائے تو... سبزی والا''۔ شرمین سے بات کرتے ہوئے بادلوں پھر پودوں سے ہوتی ہوئی میری نظر دروازے سے اندر داخل ہوتی ہستی پر پڑی تو منہ سے بے اختیار نکلا۔

''سبزی والا، کون؟'' شرمین نے حیرت سے پوچھا تو میں چونکی۔

''آ... آ... شرمین... میں تمہیں ٹھہر کے کال کرتی ہوں، بائے''۔ میں نے فوراً کال اینڈ کر کے ٹانگیں نیچے اتاریں اور سیل چیئر پر رکھ کے اس کی طرف بڑھی، وہ جو رخ پھیرے کھڑا سیل فون پر بزی تھا۔

''ایکسکیوزمی سبزی والے بھائی صاحب...'' میں نے قریب پہنچ کر اسے پکارا تو وہ ایک دم تیزی سے پلٹا۔

''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' میں نے سنجیدگی سے فوراً سوال کیا، جواباً اس نے مسکراتی روشن آنکھوں سے مجھے دیکھا۔

''آپ یہاں رہتی ہیں؟'' اس نے بڑی خوشگواریت سے پوچھا جیسے میں اس کی کوئی بچھڑی ہوئی سہیلی ہوں۔

''مگر آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟'' مجھے اس کے سوال کے جواب میں سوال کرنے پر غصہ آیا۔

''آپ کو نہیں یاد تھا، واؤ... میں نے سوچا تھا شاید پہلی ملاقات کی طرح دوسری ملاقات بھی آپ بھول گئی ہوں گی''۔ وہ خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

''پہلی ملاقات...'' مجھے اس کی بات پر حیرت ہوئی۔

''سیم ڈے، سیم منتھ، تین سال پہلے لندن Hide Park میں...'' اس نے مسکراتے ہوئے بتایا تو میں سوچ میں پڑ گئی۔

3 سال پہلے شرمین کی شادی کے بعد ہم بھائی کے پاس لندن گئیں تھیں، کافی سیر کی تھی مگر برتھ ڈے پر Hide Park میں کسی سے ملاقات، میں سوچنے لگی۔ اچانک وہ ٹکر اور Pop Corn یاد آئے۔

وہاں پارک میں جب میں پانی کے پاس کھڑی بڑے شوق سے بطخوں کو دیکھ رہی تھی تو اچانک ایک بطخ کو اپنی طرف آتا دیکھ کر گھبرا کے میں پیچھے ہوئی تھی جس کے نتیجے میں پیچھے سے پاپ کارن لے کر گزرتے لڑکے سے ٹکر ہوئی تھی، اس بے چارے کے سارے پاپ کورن گر گئے تھے مگر اس نے ایک لفظ بھی غصے کا نہیں کہا بس مسکرا کر Its ok بول کر گرے ہوئے پاپ کارن اٹھانے لگا تھا، میں نے بھی مارے شرمندگی کے اس کے ساتھ گرے ہوئے پاپ کارن اٹھانے میں اس کی مدد کی، شکل وصورت اور لہجے سے ایشین لگ رہا تھا۔

میں نے ایک بار پھر سوری کہا، مجھے بہت عجیب فیل ہو رہا تھا۔

''No No, its ok, please''۔ اس نے مسکرا کر کہتے ہوئے انہیں اپنے کندھے پر لٹکے student bag میں ڈالا۔

''شامی... آجاؤ بھائی بلا رہے ہیں''۔ شرمین نے دور سے مجھے پکارا تو میں اسے بائے بول کے آگے بڑھ گئی تھی۔ اس کے بعد کافی بار پاپ کارن دیکھ کر مجھے وہ پاپ کارن والا یاد آیا تھا مگر آج یوں، یہاں اچانک، میں نے تو اسے پہچانا ہی نہیں تھا، سبزی کی دکان پر بھی نہیں، مجھے ایک بار پھر شرمندگی نے آلیا۔

''آئی ایم سو... سوری... اس روز سبزی کی دکان پر...''

''شاہین پھپھو! مما بلا رہی ہیں آپ کو''۔ میری بات مکمل نہ ہوئی تھی کہ ہاشم نے اونچی آواز میں مجھے پکارا۔

''ایکسکیوزمی...'' میں ایکسکیوز کرتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

''شاہین... نائس نیم''۔ شاہین کے آگے بڑھتے ہی اس نے زیر لب دہرایا اور مسکرایا۔

☆..............☆..............☆

میرا نام محب حیدر ہے۔ انگلینڈ سے ایجوکیشن مکمل کر کے اب میں بڑے احسن طریقے سے اپنے دونوں قدموں پر کھڑا ہوں اسی لئے میری مما گزشتہ دو ماہ سے میرے لئے لڑکی ڈھونڈنے کی تگ و دو میں لگی ہوئی ہیں مگر ابھی تک انہیں میری مطلوبہ پسند نہیں ملی۔ میری تو بس ایک ہی شرط ہے لڑکی بے شک بہت خوبصورت، حسین وجمیل نہ ہو، بہت پڑھی لکھی نہ ہو، بس میری ہائٹ میچ ہونی چاہئے تاکہ کم از کم اس کے ساتھ چلتا میں یا میرے ساتھ چلتی وہ عجیب نہ لگے۔

بس اتنی سی تو میری خواہش ہے جو کہ ابھی تک

پوری نہیں ہوئی۔ اپنی شرط کو سوچتے ہی بے اختیار ذہن کے پردے پر ایک سروقد سراپا آجاتا ہے جس کو دوبارہ دیکھنے ملنے کی حسرت دل کے کونے میں ابھی بھی مچلتی ہے۔ وہ تھی ہی ایسی، پتہ نہیں کون تھی؟ اب کہاں ہوگی؟ یہ سوال ہمیشہ دماغ میں مچلتے تھے۔

اس سے میری پہلی ملاقات انگلینڈ میں پڑھائی کے دوران Hide Park میں ہوئی تھی وہ انجانے میں مجھ سے ٹکرائی تھی۔ غلطی اس کی نہیں تھی پھر بھی اس نے شرمندگی سے سوری بولا تھا۔ ڈارک گرین حجاب میں وہ سروقد لڑکی بڑی پرکشش تھی۔ اگلے کچھ دن بھی میں بے اختیار پارک میں اس کا منتظر رہا کہ شاید ہو سکتا ہے آجائے مگر میرا انتظار انتظار ہی رہا۔

پاکستان آنے کے بعد جب اچانک ایک روز سبزی کی دکان پر میں نے اسے دیکھا تو حیران رہ گیا۔ وہ دکان میرے اسکول ٹائم کے دوست کی تھی جس سے سرراہ میری ملاقات ہوئی تھی اور وہ مجھے اپنی دکان پر لے آیا تھا۔ اس دوران اچانک وہ کسی کام سے دکان میرے حوالے کر کے تھوڑی دیر کے لئے گیا تھا جب وہ سروقد ایک لڑکی کے ساتھ دکان میں آئی اور ڈائریکٹ مجھے ''سبزی والے بھائی صاحب'' پکارا تو میں کچھ اسے یوں اچانک دیکھ کر تو کچھ اس کے انداز تخاطب پر حیران پریشان ہو گیا۔ وہ بول رہی تھی مگر مجھے تو کچھ سنائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں میں نروس ہو گیا اور میرے سوال پر وہ دونوں غصہ ہو گئیں۔ پنک حجاب میں خفگی بھرا چہرہ بہت پرکشش لگ رہا تھا، اس روز کے بعد تو سوتے جاگتے ہر وقت وہی چہرہ میرے حواسوں پہ چھایا رہتا۔

آج کچھ ماہ بعد ایک اور حسین اتفاق ہو گیا۔ اپنے ایک دوست کے ریفرنس سے اس کے ایک جاننے والے سے بزنس کے سلسلے میں ملنے اس کے گھر گیا۔ کھلے دروازے سے اندر داخل ہو کر میں نے اس کو دوبارہ کال کی اتنے میں کسی نے مجھے انہی الفاظ سے پکارا تو میں چونکا، وہ مجھ سے سوال کر رہی تھی اور میں اس حسین اتفاق پر حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ میں نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے اس سے پوچھا تو اس نے غصے سے مجھے دیکھا۔ آج وہ بالکل مختلف روپ میں تھی۔ بلیک دوپٹہ کندھوں پر ڈالے، سیاہ لمبے بالوں کی چٹیا بنائے، اسے دیکھ کر بے اختیار میرے ذہن میں اس کے لئے ''راہنزل'' نام آیا۔ لمبی خوبصورت چٹیا ادائے بے نیازی سے بائیں کندھے سے لٹک رہی تھی اور دو شریر بدتمیزی لٹیں مسلسل اسے تنگ کر رہی تھیں۔ میرے یاد کروانے پر وہ سوچ میں پڑ گئی مگر یاد آتے ہی جونہی بات شروع کی اس کا اندر سے بلاوا آ گیا مگر ساتھ ہی مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس راہنزل کا نام شاہین تھا۔

آج کی ملاقات کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ مما کی تلاش کو یہاں ہی فل سٹاپ لگاتا ہے۔ آج ہی مما کو اپنی راہنزل کا ایڈریس دوں گا۔

آخر کو پرفیکٹ ہائٹ میچ بار بار تھوڑی ملتا ہے۔

شاہین سے ملنے کے بعد میرا خیال بھی غلط ثابت ہو گیا، اب تو میں بھی یہی کہوں گا کہ

''لمبے قد کی لڑکیاں ابھی ناپید نہیں ہوئیں''۔

بس ذرا انتظار کرنا پڑتا ہے جو آپ کے نصیب میں ہوتا ہے وہ جہاں مرضی چلا جائے، لوٹ کر آپ تک ہی آئے گا کیونکہ بندے کی بہتری اللہ بندے سے بہتر جانتا ہے۔

☆..............☆..............☆

Ridadigest.com

افسانہ آفتاب کاوش

کرنھوڑی مہربانیاں

''مما پلیز! میری ڈائیا گرام بنادیں ناں میں نے کئی بار کوشش کی پر مجھ سے نہیں بن رہا''۔ فیجہ نے الماری سیٹ کرتی سائرہ سے کہا تھا۔

''بیٹا! کوشش کرو بن جائے گا' آج مجھے بہت سارے کام ہیں''۔ سائرہ نے کپڑوں کو ہینگ کرتے ہوئے مصروف انداز میں جواب دیا۔

''مما! میں ٹرائی کر کے تھک چکی ہوں پلیز ہیلپ می''۔ فیجہ نے رونی صورت بنا کر کہا۔

''اچھا ناں اب رونا نہیں بنا دوں گی میں لیکن اگلی بار تم خود بناؤ گی پرامس کرو''۔ سائرہ نے فیجہ کو پیار کرتے ہوئے کہا تھا۔

''پرامس''۔ فیجہ نے خوش ہو کر کہا تھا۔

''مما! آپ نے اتنی اچھی ڈائیا گرام بنانا کس سے سیکھا''۔ فیجہ نے ڈائیا گرام بناتی سائرہ کو اشتیاق بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''میں چھوٹی تھی ناں تو میری ڈرائنگ بے حد ویک تھی اور میں بری طرح ڈرائنگ کے پیپر میں فیل ہوگئی تھی حالانکہ باقی تمام سبجیکٹ میں میرے مارکس بے حد اچھے تھے بس اسی چکر میں میری پوزیشن رہ گئی تھی پھر میری کلاس ٹیچر نے میرے پیرنٹس کو

بلوالیا''۔ سائرہ نے شیڈ ڈالتے ہوئے کہا۔

''پھر کیا ہوا مما؟'' فبیحہ نے کہا۔

''جب امی ابو کو میری اس کمزوری کا علم ہوا تو ابو نے مجھے ڈرائنگ میں محنت کرنے کا کہا اور مجھے خود گائیڈ کرتے رہے پھر میں نے ڈرائنگ میں بے حد محنت کی اور دیکھو نتیجہ تمہارے سامنے موجود ہے''۔ سائرہ نے مسکراتے ہوئے ڈائیاگرام مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''گریٹ مما آئندہ میں خود بناؤں گی''۔ فبیحہ نے پرجوش ہو کر کہا۔

''بیٹا! ہمیں اپنی کمزوریوں کو خود ہی دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ خود سے کیے گئے کام کی خوشی ہی الگ ہوتی ہے اور اگر وہی کام کسی دوسرے سے کروالو تب ہمیں وہ خوشی حاصل نہیں ہوتی آئی سمجھ اس لئے میں کہتی ہوں تم خود بنایا کرو''۔ سائرہ نے جرنل فبیحہ کو تھماتے ہوئے سمجھایا تھا۔

☆☆☆☆

''سنیے! ڈنر پر سرمد بھائی اور بھابی آ رہے ہیں چیزیں لا دیں مجھے''۔ سویرا نے کہا تھا' جو ناشتہ کرنے میں مصروف تھا۔

''کیوں آ رہے ہیں تمہارے بھائی صاحب منع کر دو انہیں کہہ دو کہ ہماری دعوت ہے مجھے نہیں پسند کہ تمہارا کوئی بھی مہمان میرے گھر آئے' فضول کا خرچہ''۔ عمیر نے بدتمیزی سے کہتے ہوئے لسٹ اس کے ہاتھوں میں واپس تھما دی۔

''کیسے منع کروں انہیں کیا سوچیں گے وہ لوگ بھابی نے خود مجھے کال کر کے کہا ہے اور اگر آپ کے پاس ٹائم نہیں ہے تو مجھے پیسے دے دیں میں خود لے آؤں گی یا ماسی سے منگوا لوں گی پلیز''۔ سویرا نے ہمت کر کے عمیر کی منت کی تھی۔

''فضول کے خرچوں کے لئے پیسے نہیں ہیں میرے پاس بہت محنت سے کماتا ہوں پیسے مجھے کوئی شوق نہیں کہ تمہارے گھر والوں کی دعوتیں کرتا پھروں اور فضول لوگوں پر اپنے پیسے خرچ کروں میں تمہارے کسی رشتے دار کے گھر نہیں جاتا تو میں بھی نہیں چاہتا کہ تمہارا کوئی بھی رشتے دار میرے گھر آئے''۔ عمیر نے ہٹ دھرمی سے کہتے ہوئے بدتمیزی کی انتہا کر دی۔

''مہمان تو اپنا رزق خود لے کر آتا ہے عمیر آج آنے دیں انہیں پھر میں کبھی نہیں بلاؤں گی پلیز''۔ سویرا نے روتے ہوئے التجائیہ لہجے میں کہا تھا۔

''او کے لیکن آئندہ مجھ سے اس قسم کی کوئی بھی فرمائش مت کرنا اور ہاں مجھے آئندہ تمہارا کوئی لیکچر نہیں چاہیے اور میرے آنے سے پہلے ہی انہیں رخصت کر دینا میں لیٹ ہو جاؤں گا آج دعوت ہے میری''۔ عمیر نے لسٹ لی اور چلتا بنا۔

☆☆☆☆

''سویرا تم نے کباب بے حد لذیذ بنائے ہیں اور پلاؤ بھی بے حد ٹیسٹی ہے''۔ سائرہ نے کھانے کی میز پر سویرا کی کوکنگ کو سراہا تھا۔

''شکریہ بھابی''۔ سویرا نے ٹرے سرمد کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

''عمیر کہاں ہے سویرا؟'' سرمد نے سویرا سے استفسار کیا تھا۔

''بھائی ان کے دوست کے ہاں دعوت ہے وہاں گئے ہیں' میری بھی دعوت کی پر میں نہیں گئی''۔ سویرا نے بات سنبھالتے ہوئے کہا تھا۔

''کمنگ ویک میں تمہاری اور عمیر کی دعوت کر رہی ہوں تمہیں ضرور آنا ہے''۔ سائرہ نے محبت سے کہا تھا۔

''ضرور آؤں گی بھابی''۔ سویرا نے ہامی بھری تھی' سویرا حسرت سے سائرہ کو دیکھنے لگی شادی کے بعد سرمد بھائی کی رفاقت میں کیسی کھل گئی تھیں ہر وقت لبوں پر مسکراہٹ آویزاں رہتی تھی' خوبصورت تو وہ پہلے بھی تھیں لیکن شادی کے بعد وہ نظر لگ جانے کی حد تک حسین ہو گئی تھیں سرمد بھائی انہیں بے حد چاہتے تھے انہوں نے سائرہ کو محبت کے ساتھ ساتھ عزت بھی دی خود اسے عمیر کی رفاقت میں آئے ابھی صرف سال کا عرصہ ہی ہوا تھا مگر وہ سرسوں کے پھول کی مانند کملا کر رہ گئی تھی' اسے عمیر سے بہت ڈر لگتا تھا اس کی عادت تھی وہ اسے ہر بات میں ذلیل کر کے رکھ دیا کرتا تھا' اس نے سویرا کی عزت نفس کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی تھیں عمیر کی یاد نے ہی اسے افسردہ کر دیا تھا۔

☆☆☆☆

''سائرہ کہاں ہو بھئی کب سے آوازیں دے رہا ہوں تمہیں' سرمد نے مارکیٹ سے آ کر چیزیں کچن کاؤنٹر پر رکھی تھیں۔

''بولیں ناں' میں کپڑے پریس کر رہی تھی فبیحہ بھی اکیڈمی گئی ہے اس لئے سوچا جلدی جلدی سارے کام کر لوں ورنہ آپ کی بیٹی کے آنے کے بعد تو مشکل سے کام کر پاتی ہوں''۔ سائرہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''ٹھیک کیا تم نے اچھا دیکھ لو جو چیزیں تم نے کہی تھیں میں تقریباً سب ہی لے آیا ہوں''۔ سرمد نے پانی پیتے ہوئے کہا تھا۔

''میں ابھی ذرا کام سے جا رہا ہوں' آ جاؤں گا رات بجے تک''۔ سرمد نے سائرہ سے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے''۔ سائرہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اور ہاں اپنا اور میری بیٹی کا خیال رکھنا''۔ سرمد نے جاتے ہوئے پیار سے کہا تھا۔

''اچھا ناں اب جائیں اور جلدی سے واپس آئیں گھر میں آپ کی موجودگی ہی میرے لئے کسی سے کم نہیں ہے''۔ سائرہ نے محبت سے کہا تھا۔

''کیا بات ہے بیگم! تم نے تو دل خوش کر دیا میرا''۔ سرمد نے ہنستے ہوئے اپنی مخلص ہم سفر کو دیکھا تھا۔

''آپ نے مجھے جو مان اپنا پن اور عزت دی وہ میرے لئے بے حد اہم ہے ایک عورت کو محبت کے ساتھ عزت بھی چاہیے ہوتی ہے''۔ سائرہ نے سرمد سے کہا تھا۔

''بالکل''۔ سرمد نے سائرہ کے ہاتھوں کو محبت سے تھپتھپایا تھا۔

☆☆☆☆

''عمیر! آپ مجھے بھائی کے گھر ڈراپ کر دیں گے؟'' سویرا نے فون پر محو گفتگو عمیر سے استفسار کیا تھا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے کہیں بھی آنے جانے کی' آج میں نے اپنے فرینڈ اور اس کی مسز کو انوائیٹ کیا تھا ڈنر پر' میں نے سلیم کو مینو بتا دیا ہے لیکن تم ذرا اپنے طور پر دیکھ لینا اور ہاں یہ اولڈ فیشن کپڑے مت پہننا پلیز' کچھ ڈھنگ کا پہن لینا ذرا بھی فیشن سینس نہیں ہے تم میں کہاں پھنس گیا یار میں''۔ عمیر نے کوفت زدہ لہجے میں کہا تھا' سویرا نے کچھ کہنا چاہا' لیکن اس سے کچھ کہا ہی نہیں گیا' وہ بے جان قدموں سمیت کٹھ پتلی کی مانند کچن میں آ گئی تھی۔

☆☆☆☆

''سائرہ! اپنی سویرا کے لئے ایک مناسب رشتہ ہے میرے پاس' خاندان بھی بے حد شریف ہے' تم کہو تو بات آگے بڑھاؤں؟'' خالہ سکینہ نے چائے پیتے ہوئے سبزی کاٹتی سائرہ سے استفسار کیا تھا۔

''کام کیا کرتا ہے لڑکا؟'' سائرہ نے ہرا دھنیا کاٹتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

''بیٹا! اپنی دکان ہے لڑکے کی چلتا کاروبار ہے''۔ خالہ نے اپنی عینک صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے خالہ! آج میں سرمد سے بات کر لوں' آپ دو چار دنوں میں لڑکے والوں کو لے آئیے گا''۔ سائرہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''یہ کس کے رشتے کی باتیں ہو رہی ہیں؟'' کچن سے آتی سویرا نے سائرہ سے استفسار کیا تھا۔

''خالہ! تمہارے لئے رشتہ لے کر آئی ہیں اسی کی تفصیلات پوچھ رہی تھیں خالہ سے''۔ سائرہ نے کبابوں کو ٹرے میں ترتیب سے رکھتے ہوئے

Ridadigest.com
Ridadigest.com

کہا تھا۔

”ضرورت نہیں ہے خالہ کے لائے فضول بے تکے رشتوں کو گھر بلانے کی“۔ سویرا نے غصے سے کہا تھا۔

”لیکن دیکھنے میں کیا حرج ہے ہم کون سا ابھی تمہاری شادی کر رہے ہیں“۔ سائرہ نے ٹرے فریج میں رکھتے ہوئے کہا تھا۔

”مجھے اچھی طرح پتہ ہے خالہ کے لائے ہوئے رشتے کتنے ڈھنگ کے ہوتے ہیں خالہ کو خود تو کوئی کام ہے نہیں اسی لئے ہر دوسرے روز کسی بھکاری کا رشتہ لے آتی ہیں میرے لئے“۔ آپ کان کھول کر سن لیں بھابی میں کسی غریب شخص سے شادی کر کے ساری زندگی ترس ترس کر نہیں گزارہ کر سکتی ہوں آپ کی طرح“۔ سویرا نے بدتمیزی سے کہا تھا۔

”بہت فضول بولتی ہو تم سویرا! خاموش ہو جاؤ خالہ نے سن لیا تو کیا کہیں گی“۔ سائرہ نے سویرا کی بدتمیزی کو نظر انداز کر کے اسے چپ کروایا تھا۔

”کیوں چپ رہوں میں تاکہ آپ مجھے کسی ایرے غیرے سے بیاہ کر چلتا کر دیں ایسا نہیں ہو سکتا بھابی میں آپ سے آخری بار کہہ رہی ہوں کسی بھی فضول رشتے والوں کو گھر بلانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے ورنہ میں ڈائریکٹ خالہ کو منع کر دوں گی پھر بھلے انہیں اچھا لگے یا برا میں ذمہ دار نہیں انہیں کہہ دیں اگر لانا ہی ہے تو ڈھنگ کا رشتہ لے کر آئیں“۔ سویرا نے فریج سے سیب نکالا اور کھانے لگی۔

”جس طرح ہمارے گھر میں ناپ تول کر چیزیں آتی ہیں اور آپ جس طرح ہر ایک چیز کے لئے بھائی کی منتیں کرتی ہیں میں یہ سب ساری زندگی نہیں کر سکتی“۔ سویرا نے کہا تھا۔

”میں کسی ایسے شخص سے شادی کرنا چاہتی ہوں جس کے پاس بے شمار دولت ہو دنیا بھر کی ساری آسائش ہو میں جس چیز پر ہاتھ رکھوں وہ میری ہو جائے میں ساری عمر آپ کی طرح سوچ سوچ کر جینا نہیں چاہتی بھابی“۔ سویرا نے اپنی دلی خواہش سائرہ کے آگے بیان کر دی‘ سائرہ نے اسے خاموش نظروں سے دیکھا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆☆

”یہ کیا تم ہر وقت منہ لٹکائے بیٹھی رہتی ہو کون سے ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے ہیں میں نے تم پر بتاؤ؟“ عمیر نے اسے خاموشی سے بیٹھے دیکھ کر اس پر طنز کیا تھا۔

”نہیں وہ میں ایسے ہی‘ سر میں درد ہو رہا تھا“۔ سویرا نے گھبرا کر کہا تھا۔

”سر میں درد ہے تو دوا لو یا ڈاکٹر کے پاس جاؤ کیوں پیسے نہیں ہیں تمہارے پاس“۔ عمیر نے اسے سنا کر رکھ دیا تھا۔

”جاؤ ایک کپ چائے بنا کر لاؤ میرے لئے“۔ عمیر نے اپنے روم کی طرف جاتے ہوئے کہا تھا۔

”ابھی لائی“۔ سویرا کہتی ہوئی کچن میں آ گئی تھی۔

”میں کیوں اداس ہوتی ہوں میری خواہش کے عین مطابق ہی تو میری شادی کی گئی تھی ایک امیر شخص کے ساتھ پھر میں کیوں افسردہ رہتی ہوں کیوں ہر وقت میں [illegible] بہاتی رہتی ہوں میں نے اس جہنم کا انتخاب تو خود کیا تھا یہ وہ آگ ہے جو میں نے اپنے لئے خود لگائی ہے [illegible] نے مجھے سب کچھ دیا سوائے ’عزت‘ کے اور بھائی وہ [illegible] عزت کرتے ہیں بھابی کی مجھے تو خوش ہونا چاہئے تھا کہ میں نے جو چاہا تھا وہ سب کچھ میں نے حاصل کر لیا تھا‘ میں تو یہی چاہتی تھی ناں کہ میں ایک امیر شخص کی بیوی بنوں دنیا کی ہر آسائش مجھے میسر ہو‘ ڈھیروں کپڑے‘ بے شمار قیمتی جیولری والٹ میں پیسے سب کچھ تو ہے میرے پاس‘ نہیں ہے تو صرف سکون اور سچی خوشیاں نہیں ہیں میرے پاس‘ میں کتنی بے وقوف تھی کیوں نہ جان سکی کہ سچی خوشیاں کبھی بھی پیسوں سے مشروط نہیں ہوتی ہیں‘ مکمل جہان تو کبھی کسی کو نہیں ملا، ہے آپ کا کیا خیال ہے؟“

☆......☆......☆

Ridadigest.com

اقراء چنا

کچھ لمحے چرالو

بہت عرصے بعد الماری کا دایاں پٹ کھولا تو کچھ کتابیں اور فائلز سرک کر آ کر زمین پر گر پڑیں میں نے ناسمجھی سے انہیں بغور دیکھا پھر جھک کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

میں نے شاید زیادہ ہی ٹھونس کر یہ چیزیں الماری رکھ دی تھیں تبھی تو کھلتے ہی مٹھی میں بے چین تتلی اندوہ مٹھی کھلتے ہی آزاد ہو گئیں۔

میں نے پاؤں کے پاس پڑی وہ فائل کھولی تو ں میں میری چند ڈگریاں تھیں میں نے ایک ڈگری لی جو ماسٹرز کی ڈگری تھی اور پھر اسے واپس رکھ کر ری نکالی تو دل کی دھڑکن میں تیزی آ گئی میری ایچ ڈی ڈگری۔ میں خالی ذہن سے کھوئی کھوئی ہوں کے ساتھ ڈگری کو گھور رہی تھی۔ یہ محض ایک ری نہیں تھی بلکہ ہزاروں قربانیوں کا نام تھا وہ بے محنت کا نتیجہ تھا ایک شدت تھی ایک جنون تھا اسے صل کرنے کے لیے کیا کچھ ترک نہیں کر دیا اپنی میل جول، بچے زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیاں۔ ت نے وہ تیز رفتار پکڑی کہ جب وقت رکا تو رک کیا۔ بلاشبہ اس ڈگری نے نام شہرت ضرور دی مگر دگی کی وہ خوشی کھو گئی جس کے ہم حقدار ہیں۔ بس رے کی ابھی اس عمر میں شدت سے ضرورت ہے ہارا یہ ڈگری نہیں، میں تو جانے کتنے عرصے سے ں بھول چکی تھی کہ میں نے اپنا جنون، وہ شدتوں حاصل کیا ہوا ثمر رکھا کہاں ہے۔ میں ڈگری نفاست کے ساتھ فائل میں رکھتے ہوئے زیر سکرائی یقیناً میری مسکراہٹ کھوکھلی تھی۔ الماری کا بند کرتے ہوئے بیڈ روم میں جھانکا، میرے بڑے انہماک کے ساتھ اخبار پڑھنے میں ل تھے میں پرسوچ انداز میں کچن میں چلی یادداشت تھی کہ ایک جگہ ٹک نہیں رہی تھی میں بھولنے کی عادی ہو گئی تھی، فریج کھول کر دیکھا، ار تھا، مجھے یاد آیا میں نے کل رات ہی تو یا تھا، ہائے یہ بڑھاپا۔ میں نے سر پر ہاتھ ونی دروازے پر بیل ہوئی تو میں اس جانب کی دروازے کے پیچھے میری پیاری بھانجی بڑے دن بعد اسے دیکھا تھا تو گلے لگا لیا، آنسو تھے کہ آنکھوں کی باڑ توڑ کر میری آنکھوں سے ٹپک پڑے۔

"یہ کیا؟" سدرہ نے میرے موٹے موٹے شیشے والے چشمے کو نکالا۔

"بڑے دن بعد آئی ہو تمہیں بھی اب ہماری یاد نہیں آتی"۔ میں اندر جاتے ہوئے شکوہ کناں لہجے میں بولی۔

"خالہ جان بس ڈھیر ساری مصروفیات ہیں میرے بچے بہت تیز ہیں"۔ وہ اکتائے ہوئے انداز میں بول رہی تھی جبکہ میں زیرلب مسکرا رہی تھی۔

"کم از کم اپنا وقت بچوں میں صرف کر رہی ہو نا اور چار بچے ہیں، بڑھاپے میں کم از کم ساتھ تو ہوں گے"۔ میں نے کس دل سے کہا تھا پھر سدرہ کو مڑ کر دیکھا وہ رکی ہوئی مجھے تفکر سے دیکھ رہی تھی۔

"خالہ جان! اسپشلی لڑکیاں ساتھ دیتی ہیں"۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تو میں تیزی سے سر ہلا کر ہنسی وہ میری تقلید میں بیڈ روم تک آئی صفدر ابھی تک اخبار میں منہ دیئے ہوئے تھے۔

"خالو جان! کیسے ہیں؟" سدرہ نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر پیار سے پوچھا۔ دراصل وہ میری لاڈلی بھانجی تھی بچپن میں اکثر میرے گھر پائی جاتی تھی ہماری ایک ہی اولاد واثق تھا تو ہم دونوں سدرہ کو اپنی بیٹی کہتے تھے۔ صفدر اس کے ماتھے کا بوسہ لے کر اب اس کا حال احوال دریافت کر رہے تھے۔

"یہ کیا خالو آپ تو پچھلے سال کا اخبار پڑھ رہے ہیں"۔ سدرہ نے ڈیٹ دکھاتے ہوئے کہا تو صفدر نے برا سا منہ بنایا میں بے بسی سے انہیں دیکھتی رہی۔

"بیٹا! کچھ دھیان ہی نہیں رہتا"۔ وہ جھنجھلا کر بولے، دراصل صفدر کی یاداشت مجھ سے بھی گئی گزری تھی انہیں بس بنیادی چیزیں ہی یاد رہتی تھیں۔

"کوئی بات نہیں"۔ سدرہ محبت بھرے لہجے میں بولی۔

''گھر میں سب ٹھیک ہے؟ کتنے بچے ہیں بھئی تمہارے؟'' وہ ہر بار یہ سوال ضرور پوچھا کرتے تھے۔

''چار بچے ہیں خالو!'' وہ ہنس کر بولی' صفدر سر ہلانے لگے۔

''خیر آیئے واثق کو ویڈیو کال کرکے اس کی خبر لیں''۔ اس نے موبائل فون کی اسکرین پر انگلی پھیرتے ہوئے مصروف انداز میں کہا۔ واثق سے ہمارا رابطہ نہ ہونے کے برابر تھا کبھی کبھار وہ ویڈیو کال کرلیا کرتا تھا۔

''کیسے ہو واثق بھائی جب؟'' سدرہ طنزیہ بولی تھی آگے سے وہ ہنس رہا تھا اس کی ہنسی سن کر میرا دل باغ باغ ہوگیا۔ پھر ہم دونوں کی ہی واثق سے مختصر بات چیت ہوئی اس کے بچے اس کے گلے کا ہار بنے ہوئے تھے اور وہ ٹھیک سے بات نہیں کر پایا ہمیشہ کی طرح۔

''بیٹا پاکستان کب آؤ گے؟'' صفدر چاچو نے بولے۔

''پاپا میں بعد میں بات کرتا ہوں''۔

''یہ کیا بات ہے واثق''۔ سدرہ اس سے ڈپٹ کر بولی۔

''آپی یار! یہ بچے ذرہ ڈسٹرب کررہے ہیں''۔ سدرہ روم سے باہر نکل گئی تھی مگر مجھے دونوں کی آواز باآسانی سنائی دے رہی تھی۔

''تو کچھ دیر تمہاری بیگم نہیں سنبھال سکتی بچے''۔ وہ نخوت سے بولی۔

''کم آن! یونو بچے نہیں مانتے کسی کی بھی''۔ وہ اکتائی ہوئی آواز میں بولا۔

''ہاں' جیسے تمہیں فرق نہیں پڑتا' تمہارے والدین کیا کہتے ہیں' کیا چاہتے ہیں''۔ سدرہ اکثر اس کے ساتھ مقابلے پر اتر آتی تھی ہم نے کافی عرصے سے واثق کو کچھ کہنا بند کردیا تھا کیونکہ ہمیں احساس ہوچکا تھا کہ وہ بڑا ہوچکا ہے' اور وہ کچھ نہیں سمجھنے والا اس کی اپنی ایک دنیا ہے۔ ہم نے آپس میں ہی یہ زندگی بانٹ لی تھی میں صفدر کا بہت خیال رکھتی تھی مجھے کبھی کبھی اس کے چہرے پر بے چارگی و مایوسی دیکھ کر جانے کیا ہوتا تھا' ایسا لگتا تھا کہ میں ہی ذمہ دار ہوں تمام حالات کی کیونکہ میں نے وہ وقت نہیں دیا گھر کو' جیسا کہ ایک بیوی اور ماں کو دینا چاہئے۔

پی ایچ ڈی کرنا ایک جنون تھا میرا ٹارگٹ تھا صفدر گورنمنٹ آفیسر تھے' ایک پرسکون زندگی گزر سکتی تھی مگر نہیں مجھے میرا خواب پورا کرنا تھا۔ ایک اولاد کے بعد ہی احساس ہوگیا تھا کہ بچے پالنا کوئی آسان کام نہیں پورا وقت دینا پڑتا ہے اور مکمل توجہ' جو کہ میرے پاس نہیں تھا اور پھر یوں دوسرے بچوں کا خیال ہی نہیں آیا' واثق کو جیسے تیسے بڑا کیا' ایسے میں صفدر نے مجھے بہت سپورٹ کیا' ہم دونوں چاہتے تھے کہ واثق انجینئر بنے' باہر جائے' اپنا مستقبل روشن کرے مگر وہ راضی نہیں تھا آج بھی مجھے یاد ہے اس نے میرے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا تھا۔

''ماما میں کہیں نہیں جاؤں گا بس آپ کے پاس رہنا ہے'' والدین بچوں کی کب سنتے ہیں بھیج دیا اسے۔ وہ گیا تو مصروف ہوگیا' صرف ایک بار آیا وہ اس ماحول میں رنگ گیا' وہ بھول گیا' والدین' پاکستان' اپنائیت' رشتے' جذبات' خلوص ہم دونوں رہ گئے بس خالی ہاتھ۔ اب اگر موقع دیا جائے واپس وقت کے پیچھے مڑنے کا تو میں اپنے واثق کو کہیں جانے نہ دوں۔ پھر گھر میں یہ سناٹا نہ ہو' ویرانہ نہ ہو' چہل پہل ہو' ہر طرف آوازیں ہوں قدر کرنے والے ہوں' خیال رکھنے والے ہوں' میں روز کی طرح آج بھی سوچوں کی گہری کھائی میں لمحہ بہ لمحہ گرتی جارہی تھی میرے چاروں جانب سکوت تھا ایک سناٹا تھا اور میرے دماغ میں ایک ہی جملہ تھا۔

''کاش کچھ لمحے چرالوں''۔

☆.....☆.....☆

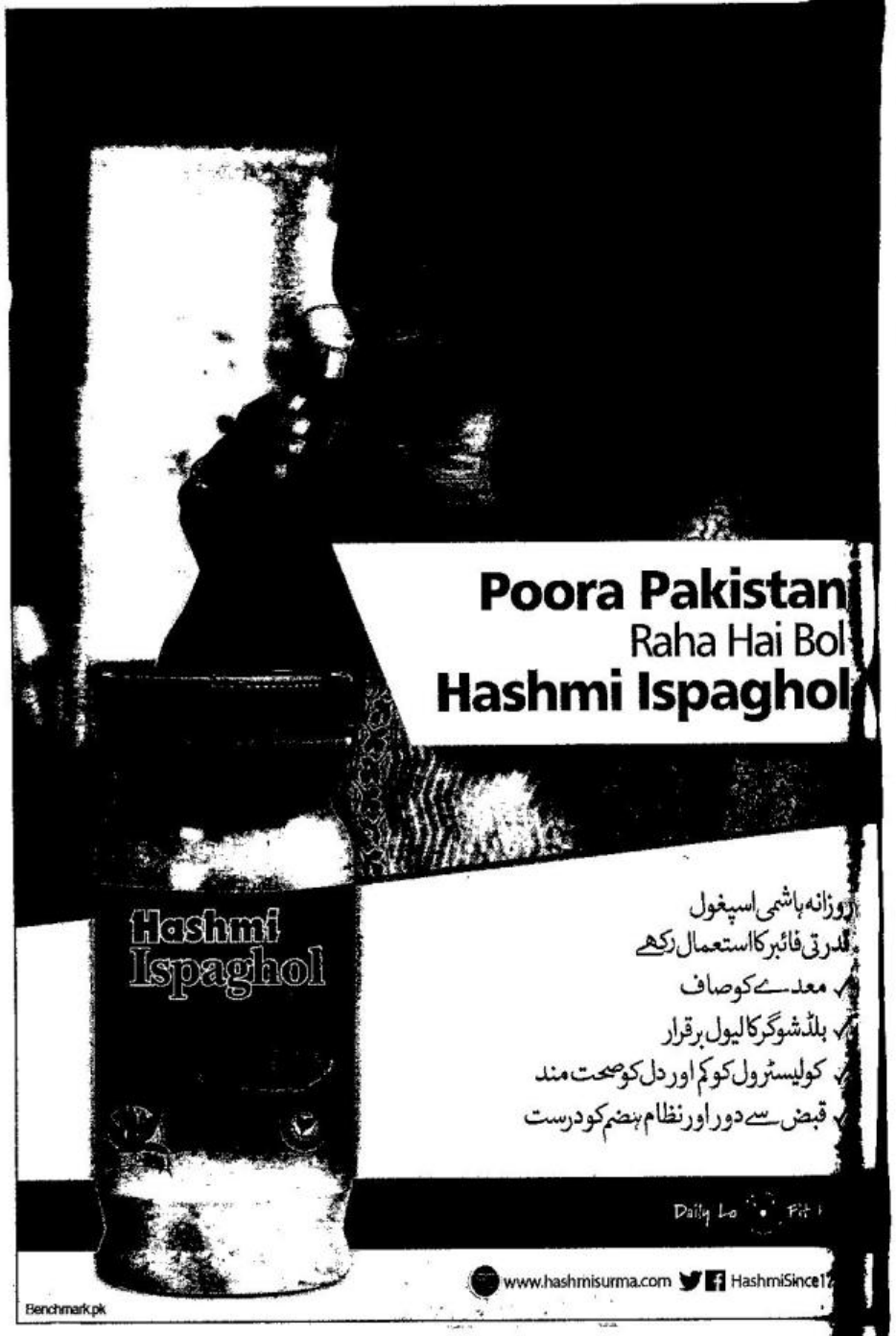

ریحانہ آفتاب

عشق کی داستاں ہمدم اولی میری

گزشتہ اقساط کا خلاصہ:
آئنور غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ چار بہنوں میں اس کا نمبر دوسرا تھا۔ وہ سب میں حسین تھی۔ خود سے پہلے اپنے والدین اور بہنوں کی خوشی کا سوچتی تھی۔ کم عمری میں ہی اس نے گھر کی تنگدستی دور کرنے کے لیے محنت کرنا شروع کر دی تھی۔ اپنے لیے خریدی چیزیں بہنوں کے پسند آ جانے پر انہیں دے دیتی تھی۔ وہ اپنی روتی بلکتی زندگی سے عاجز تھی اس نے ٹھان لیا تھا کہ وہ کسی امیر کبیر بندے سے شادی کر کے اپنے گھر والوں کی زندگی سنوارے گی۔ دونوں چھوٹی بہنیں اس پر جان چھڑکتی تھیں۔ اس سے بڑی درخشاں کی آئنور سے ٹھنی رہتی تھی۔ وہ طنز کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔ قدوس صاحب جو آئنور کے والد ہیں اولاد نرینہ نہ ہونے پر اپنی بیوی ہاجرہ کو ساری زندگی باتیں سناتے رہے۔ انہیں آئنور کا کالج جانا پسند نہیں تھا۔ ہاجرہ، آئنور کے پارلر (جو اس نے گھر میں ہی کھولا ہوا تھا) اور محلے کی عورتیں بڑے پارلر میں پیسے بچانے کی خاطر اس کے پاس آتی تھیں کہ وہ کم پیسوں میں بہترین کام کر لیتی تھی اور کوچنگ سے ملنے والی آمدنی کے گن گاتیں تو قدوس صاحب کی انا بلبلا جاتی تھی۔ آئنور بھی ان کی جلی کٹی کی زد میں رہتی تھی۔ عرشان ولی جدی پشتی رئیس ہے۔ Perfection اس کی پہچان ہے۔ ذرا بھی نقص اسے برداشت نہیں خواہ وہ چیز اسے کتنی ہی عزیز کیوں نہ ہو۔ وہ اپنے کمرے سے ملحق

قسط نمبر 11

کمرے کی زینت بنا دیتا تھا مگر خود سے جدا کرنا گوارا نہیں تھا۔ عرشان ولی وجاہت کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ وہ بے حد ہمدرد دل رکھتا تھا۔ ماہ پارہ بے حد تنک چڑھی اور ماڈرن خاتون ہیں۔ عرشان ولی کی والدہ محترمہ، فرہاد صاحب، ماہ پارہ کے مزاج کے بالکل برخلاف بہت اچھے انسان ہیں۔ ماہ پارہ اور فرہاد صاحب کی تین اولادیں ہیں۔ اسمارا بڑی بیٹی ہے جو اپنے شوہر راحیل اور تین بچوں کے ساتھ شارجہ میں رہتی ہے۔ راحیل لالچی انسان ہے۔ اسمارا، ماہ پارہ کی طرح تنک مزاج ہے۔ اسمارا سے چھوٹا شاہ میر ہے۔ حمنیٰ، شاہ میر کی بیوی ہے جسے کم صورتی کے باعث اکثر ماہ پارہ جلی کٹی سناتی تھیں۔ حمنیٰ کی شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے وہ ابھی تک بے اولادی کا شکار تھی۔ حمنیٰ سلجھے مزاج کی لڑکی ہے۔ ماہ پارہ کی بیسٹ فرینڈ واصفہ کی دو اولاد ہے۔ کاشان اور زویا۔ کاشان بھنورا صفت انسان ہے۔ فلرٹ اس کا من پسند مشغلہ ہے۔ زویا تنک چڑھی لڑکی ہے۔ وہ عرشان ولی کو پسند کرتی ہے۔ اس کی نظر کرم حاصل کرنے کے جتن کرتی رہتی ہے۔ تینوں بچپن سے دوست ہیں۔ آئنور نے زویا سے بڑے جتن کر کے دوستی کی تھی۔ کاشان کی صورت میں محروم زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی۔ زویا نے کاشان کو چیلنج کیا تھا کہ وہ آئنور سے فلرٹ کر کے دکھائے تو وہ استاد مان لے گی۔ کاشان نے چیلنج قبول کر لیا تھا جلد ہی اس نے آئنور سے دوستی کر لی۔ اسے سوٹ اور سیل فون گفٹ کیا۔ جدید اسمارٹ فون استعمال کرنا آئنور کو مشکل لگ رہا تھا۔ عرشان ولی، کاشان کو اس کی حرکتوں پر بے نقط سناتا رہتا تھا۔ اسے ان لڑکیوں پر غصہ آتا تھا جو کاشان کا شکار بنتی تھیں۔ وہ اپنی محبت اور جذبے اس کے لیے سنبھالے بیٹھا تھا جو صرف اس کی ہوتی۔ ولید عرشان ولی کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ (اب آپ آگے پڑھیں)

☆☆☆

(نوٹ: قارئین نومبر میں اکتوبر کی قسط غلطی سے دوبارہ شائع ہو گئی تھی جس کی وجہ سے کہانی کا تسلسل منقطع ہو گیا اس لیے ناول کی اقساط کو ترتیب سے پھر شائع کیا جا رہا ہے۔)

وقت آیا ہے جدائی کا تو ہنستے ہیں
مجھے اتنا بھی اعصاب پہ نہ طاری کرتے

ہر نئے سورج کے ساتھ جب نئی صبح آتی تھی تو اسے نئی امید تھما جاتی کہ آج عرشان اس کے سامنے آ کھڑا ہوگا، ہنستے مسکراتے بتائے گا کہ وہ تو اسے ستا رہا تھا۔ اک اسی آس پہ وہ آفس جا رہی تھی مگر شام ہونے تک جب آس ٹوٹ جاتی تو ٹوٹی آس کرچیوں کا روپ دھار کر اس کے وجود کو نڈھال کر دیتی۔ شام رات کی چادر اوڑھ لیتی تو امید سیل فون سے بندھ جاتی، ہر ہر لمحہ سیل فون کی اسکرین کو روشن کر کے چیک کر رہی تھی، عرشان ولی کا کوئی ٹیکسٹ تو نہیں آ گیا، کوئی کال تو مس نہیں ہو گئی۔ مگر وہ جس پاگل پن سے یہ حرکت کرتی تھی اتنی ہی تکلیف دل کو ہوتی تھی اور رات سیل فون کو تکتے، اس کا نمبر ملاتے آنسو بہاتے گزر جاتی تھی۔

"کتنے بے درد ہو عرشان ولی! پلٹ کے خبر ہی نہ لی..... تمہاری محبت کی بارش نے کیسے لمحوں میں دل کو جل تھل کر دیا..... خبر نہ تھی اتنے بے گانے ہو جاؤ گے کہ اپنی آواز تک کو ترساؤ گے۔"

آئنور آنسو بہاتی کال کر رہی تھی مگر نمبر بند آ رہا تھا۔

میرے اندر کوئی بکھرا ہوا ہے کچھ دنوں سے
تمہیں کیسے بتائیں کیا ہوا ہے کچھ دنوں سے

"میرے روم میں بغیر اطلاع آنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔"

زویا ایل ای ڈی پہ نظر ڈالتی اسموکنگ کر رہی تھی جب خرم صاحب انٹر ہوئے تھے۔ اس نے بدلحاظ انداز میں

ناگواری سے کہا تھا۔

"میں تمہارا باپ ہوں بیٹا!"

اس کے مزاج کو جاننے کے باوجود خرم صاحب کو تکلیف ہوئی۔

"بریکنگ نیوز ہے یہ تو۔"

دھواں ہوا میں اڑاتے اس نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔ خرم صاحب دکھ سے اس کے انداز کو دیکھ رہے تھے۔ کس قدر تلخی تھی اس کے لب و لہجے اور انداز میں۔

"زویا میں نے مانا کہ تم بچوں کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے لیکن یقین جانو تمہیں اس حال میں دیکھ کے خودکشی کو دل چاہ رہا ہے۔"

خرم صاحب بے حد نادم اور دکھی تھے۔ ماہ و سال کا لگان انہیں بے چین کر رہا تھا۔

"تو کر لیں کس نے روکا ہے آپ کو، مجھے اور کاشان کو کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ ہم نے کبھی آپ کی محبت کو محسوس ہی نہیں کیا۔ آپ کا ہونا نہ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا ہمارے لئے۔"

زویا تنفر سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ان فیکٹ مجھے تو آپ سے اتنی نفرت ہے کہ آپ یہاں ہیں تو میں انگلینڈ کاشان کے پاس جانے کے لیے ٹکٹ او کے کروا رہی ہوں..... آپ کی موجودگی سے مجھے وحشت ہو رہی ہے۔ پلیز آپ نکل جائیں میرے کمرے سے۔"

سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر بجھاتے اس نے سگریٹ کے پیکٹ سے دوسری سگریٹ نکالی اور لائٹر جلا کر ہونٹوں میں دبی سگریٹ کو شعلہ دکھانے لگی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں، پپوٹے بوجھل ہونے لگے تھے۔ خرم دکھ کی تصویر بنے اسے دیکھ رہے تھے۔ باپ کے سامنے وہ اس دیدہ دلیری سے اک گھٹیا فعل انجام دے رہی تھی۔ کوئی ڈر خوف چہرے پر نہ تھا۔ شرم کا نام و نشان نہ تھا۔ اس میں قصور خرم صاحب کا بھی تھا جنہوں نے کبھی باپ ہونے کا احساس ہی نہیں دلایا تھا۔

"جائیں!"

انہیں مستقل سر پہ کھڑے دیکھ کر نشے سے بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھول کر اس نے تقریباً چیختے ہوئے انہیں کمرے کا دروازہ دکھایا تھا۔ خرم صاحب تیزی سے نکل گئے تھے۔

☆......☆

تجھ سے ملنے کا واقعہ لکھوں؟
اب میں کیا، یہ بھی سانحہ لکھوں؟
کیا میں لکھوں، کہ لوٹ آؤ تم؟
کیا میں کاغذ پہ فاصلہ لکھوں؟

"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری...؟ کتنی ڈل لگ رہی ہو۔"

نازیہ نے آئنور کے تھکے نڈھال وجود کو حیرانی سے دیکھا تھا۔

"ہاں، ٹھیک ہوں۔"

اس نے بمشکل مسکراتے ہوئے یقین دلایا۔

Ridadigest.com

”لگ نہیں رہا۔“
شازیہ متفکر تھی اسی لمحے انٹر کام بجا تھا۔شازیہ نے انٹر کام سن کر آئنور کی طرف دیکھا۔
”تمہیں سر بلا رہے ہیں۔“
شازیہ نے اسے پیغام پہنچایا۔آئنور سر ہلاتی ولید کے روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔
ولید پرسوچ انداز میں فائل دیکھ رہا تھا۔آئنور کے دستک دینے پر ولید نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔وہ خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔ولید سنجیدگی سے اس کی اداسی دیکھ رہا تھا۔
”یہ کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں فائل میں۔میں نے پوائنٹ آؤٹ کردی ہیں۔آپ تسلی سے دیکھ لیجیے گا۔“
ولید نے فائل آئنور کی طرف کھسکا دی۔
”سوری سر!“
”اٹس او کے! آپ بہت اچھا کام کرتی ہیں، یہ غلطی بھی ڈسٹربنس کی وجہ سے ہوئی ہوگی۔“
ولید ذومعنی لہجے میں بولا گیا تھا۔آئنور نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔اس کی آنکھوں میں درج سوال وہ پڑھ گیا تھا جو وہ شاید حیا کے مانع آنے کی وجہ سے اس سے کر نہیں پا رہی تھی۔ولید کو اس کی حالت پہ ترس آنے لگا۔
”آئنور! آپ عرشمان ولی کی نسبت سے میرے لیے بہت محترم ہیں..... میری مسز کی دوست بھی ہیں۔ دونوں رشتوں کی ردا نے مجبور کیا کہ میں آپ سے یہ بات کروں.....“
ولید کی تمہید اسے مزید سنجیدہ کرگئی تھی۔یقیناً وہ کوئی غیر معمولی بات کرنے لگا تھا۔
”عرشمان کی غیر موجودگی ہم سب محسوس کر رہے ہیں لیکن آپ ناواقف ہیں کہ وہ آپ کے لیے کتنی بڑی جنگ لڑ رہا ہے۔اس کی غیر موجودگی سے آپ یہ معنی اخذ مت کیجیے گا کہ وہ پیچھے ہٹ گیا ہے۔وہ پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں مٹنے والوں میں سے ہے۔کل ماہ پارہ آنٹی، عرشمان کی ماما آپ سے ملنے آئی تھیں۔اچھا ہی ہوا جو آپ آفس میں نہیں تھیں.....عرشمان نے تین دن سے خود کو اپنے کمرے میں بند کیا ہوا ہے، نہ کسی سے مل رہا ہے نہ کچھ کھا پی رہا ہے.....آپ خود بھی پریشان نہ ہوں اور دعا کریں کہ معاملہ خوش اسلوبی سے نمٹ جائے۔“
اس صورتحال نے ولید کو بھی پریشان کردیا تھا۔شاہ میر کے کہنے پر اس نے کافی کوشش کر کے دیکھ لی تھی مگر عرشمان ولی ٹس سے مس نہ ہوا تھا۔ادھر آئنور کی مضمحل شکل دیکھ کر ولید کو مزید تکلیف ہو رہی تھی۔ڈنر پہ عرشمان ولی اسے جس طرح لایا تھا اس نے ولید پر بہت اچھی طرح آئنور کی پوزیشن ظاہر کردی تھی۔آئنور جس نے کسی اک لمحے بھی اسے بے وفا نہ گردانا تھا، اس کے لیے یہ سب شاک سے کم نہ تھا.......وہ شخص اس کے باعث دنیا سے منہ موڑے بیٹھا تھا.....شک تو کسی پہر اس کی ذات پہ نہیں ہوا کہ وہ اتنا سچا تھا کہ آئینہ بھی اس کے آگے جھوٹا لگتا تھا۔وہ عام انسان نہیں تھا، وہ عرشمان ولی تھا جو اپنے لفظوں کو ثابت کرنے کے وصف کے باعث شہرت رکھتا تھا۔اس کا دل بے حد گداز ہو رہا تھا۔آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔ولید اس کی مشکل کو محسوس کر رہا تھا۔ضبط کی کوشش میں اس کے چہرے پہ گلابی پن نمایاں ہو رہا تھا۔
”Excause Me“
اس سے پہلے کہ وہ ضبط کھو دیتی وہ چیئر دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔کمرے سے نکلتے ولید نے اسے آنسوؤں کو بے دردی سے رگڑتے بغور دیکھا تھا۔
عرشمان ولی نے جب اس راہ کی نوید دی تب اسے اندازہ تھا کہ یہ سفر آسان نہیں ہوگا۔وہ ماہ پارہ کی فطرت

سے بخوبی واقف تھا مگر پہلے ہی مرحلے پہ عرشمان ولی اس انتہا کو پہنچ جائے گا اس کا اسے اندازہ نہیں تھا۔وہ صدق دل سے دونوں کے لیے دعا گو تھا۔

☆......☆

”تھینکس ڈیڈ آپ آگئے۔“
فرہاد صاحب تیز قدموں سے لاؤنج میں داخل ہوئے تھے۔حمنیٰ، شاہ میر پریشان صورت لیے بیٹھے تھے۔ فرہاد نے صرف ڈرائیور کو ایئرپورٹ بھیجنے کو کہا تھا۔شاہ میر آفس چھوڑے گھر بیٹھا تھا۔ماہ پارہ تک بھی فرہاد صاحب کے پہنچنے کی خبر پہنچ گئی تھی تب ہی وہ بھی لاؤنج میں براجمان پرتکبر انداز میں بیٹھی تھیں۔عرشمان ولی تین دن سے کمرے میں بند تھا۔سب کی جان پہ بن گئی تھی۔گھر کا اک اک ملازم اس کے لیے فکرمند تھا۔صورتحال کیا تھی یہ تو شاید کسی کے علم میں نہیں تھی مگر سب معاملے کی نزاکت کو بھانپ گئے تھے۔
”کہاں ہے عرشمان؟“
ماہ پارہ پہ اک کھلی نگاہ ڈال کر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے فرہاد صاحب کا رخ عرشمان ولی کے کمرے کی طرف تھا۔
”اپنے کمرے میں ہی ہے۔“
شاہ میر بھی ہم قدم ہوگیا تھا۔
”کچھ کھایا پیا اس نے؟“
فرہاد متفکر تھے۔ان کے قدموں کی تیزی ظاہر کر رہی تھی کہ جیسے وہ اڑ کر عرشمان ولی کے کمرے تک پہنچنا چاہ رہے ہوں۔
”نہیں.....بہت کوشش کی.....دروازہ ہی نہیں کھول رہا ہے۔“
”I Hope اس نے کچھ کیا نہ ہو۔“
فرہاد کی جان پہ بن آئی تھی۔اک اسی نہج پہ انہیں ڈر لگ رہا تھا۔ان کے کہنے پہ شاہ میر نے دروازہ دوسرے انداز سے کھلوانا چاہا تھا تب عرشمان ولی کی اک دھاڑ سنائی دی تھی۔
”Don`t ever try to do this“
اور پھر کسی نے کوئی کوشش کرنے کی ہمت نہیں کہ اس نے کھڑکیاں تک لاک کی ہوئی تھیں۔
فرہاد اور شاہ میر کے قدم ٹھٹک گئے تھے۔عرشمان ولی لاؤنج کی طرف ہی آ رہا تھا۔ملگجے کپڑوں کی جگہ سوٹ نے لے لی تھی۔بال برش تھے باقی اس کے علاوہ اس نے کوئی اہتمام نہیں کیا ہوا تھا۔شیو بڑھی ہوئی تھی، چہرے پہ زردی چھائی ہوئی تھی۔اداسی و پژمردگی وجود کا حصہ لگ رہی تھی۔فرہاد صاحب کو دیکھ کر عرشمان ولی کے قدم لاؤنج کے بیچ میں ہی رک گئے تھے۔
”السلام علیکم! آپ کب آئے؟“
وہ پھیکے سے مسکرایا۔
”یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے اپنی اور یہ بیگ کیوں؟“
فرہاد صاحب نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔پیچھے ملازم اس کا ٹریولنگ بیگ کھینچتا لے کر آ رہا تھا۔
”میں دبئی کے لیے نکل رہا ہوں، پھر وہاں سے امریکہ جاؤں گا، مستقل شفٹ ہو رہا ہوں۔“

Ridadigest.com
Ridadigest.com

وہ اپنا لائحہ عمل بتا رہا تھا۔ ماہ پارہ اور حمنیٰ بھی قریب آ گئی تھیں۔ ماہ پارہ نے خاموش نظروں سے اس کے مجنوں والے حلیے کو دیکھا تھا۔ انہیں اس اجنبی لڑکی پر بلا کا غصہ آ رہا تھا۔ اگر جو وہ کل آفس میں مل جاتی تو وہ آئنور کا وہ حال کرتیں کہ وہ عشق و عاشقی بھول جاتی۔ گئی تو وہ اس کا دماغ ٹھکانے لگانے کے ارادے سے تھیں مگر آئنور کی قسمت اچھی تھی جو وہ انہیں ملی نہیں۔

"تم کہیں نہیں جا رہے۔"

فرہاد صاحب نے جگری دوست کی طرح اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر اسے ساتھ لگا رکھا تھا جیسے وہ زبردستی ان کا حلقہ توڑ کر چلا جائے گا۔

"بیگ روم میں رکھ دو صاحب کے۔"

فرہاد صاحب نے بیگ لیے کھڑے ملازم کو ہدایت کی۔ وہ گومگو کی کیفیت میں کھڑا رہا کہ عرشمان صاحب کیا کہتے ہیں۔

"ڈیڈ پلیز مجھے جانے دیں۔ سب کچھ ڈن ہو چکا ہے۔" وہ اڑا ہوا تھا۔

"It`s my order Arshmaan!" فرہاد صاحب نے رعب سے کہا۔

وہ جیسے کچھ کہہ نہیں پا رہا تھا۔ باپ سے جتنی محبت تھی اس ناتے اس نے انہیں کبھی ناں نہیں کہا تھا۔ کبھی ان کے حکم سے سرتابی نہیں کی تھی۔

"Please dad I wan a go"

وہ عاجزی سے بول رہا تھا۔ سب خاموشی سے انہیں سن رہے تھے۔ اگر ان دونوں کو کوئی قائل کر سکتا تھا تو وہ خود یہ ہی دونوں تھے۔

"اگر آئنور کو بہو بنا کر اس گھر میں لے آؤں تو بھی تمہارا فیصلہ نہیں بدلے گا؟"

فرہاد صاحب کا آئنور کا نام لینا اسے اک پل کو چپ کروا گیا۔

"میں نے ساری معلومات لے لی ہیں آئنور کی۔ اچھی لڑکی ہے۔"

فرہاد کہہ رہے تھے اور ماہ پارہ پہلو بدل رہی تھیں۔ ایسے وقت میں کچھ کہہ کے وہ معاملہ بگاڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ اللہ اللہ کر کے تو وہ روم سے نکلا تھا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا ڈیڈ! مام کی کلاس ہے، آئنور کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ میں اپنی خوشی کی خاطر مام کے خلاف جا کر نہیں کرنا چاہتا۔"

اسے لگ رہا تھا فرہاد اسے بہلا رہے ہیں۔

"تمہارے اس جلاوطنی کے فیصلے سے کیا ہم سب کو خوشی ہو گی؟ کیا اس سے ہم سب، اسپیشلی آئنور ہرٹ نہیں ہو گی جس سے کمٹ منٹ کر کے بھاگ رہے ہو!"

فرہاد صاحب نے کڑے لہجے میں اس کی دکھتی رگ پہ وار کیا۔

"میں یہاں رہ کے اس کی نظر میں خود کو جھوٹا ثابت ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ دور رہ کے اپنا آپ مٹا دوں گا تو اسے غرور تو ہو گا کہ عرشمان ولی نے اس سے جھوٹا وعدہ نہیں کیا تھا۔"

وہ بے ساختہ کہہ گیا۔ اک اسی بات کا فرہاد صاحب کو ڈر تھا جو اس نے خود ہی کہہ دیا۔ ماہ پارہ بھی چونک گئی تھیں۔

"تمہیں کیا لگتا ہے تم اپنا آپ مٹا دو گے اور میں یہ سب برداشت کر لوں گا..... تم میں میری جان بسی ہے۔ تمہاری خوشی میں ہماری خوشی ہے..... تمہاری مام آئنور کے گھر رشتہ لے کر جائیں گی۔ جب تم کہو۔"

ماہ پارہ غصے سے واک آؤٹ کر گئی تھیں۔ حمنیٰ اور شاہ میر نے تاسف سے ان کے بے حس انداز کو دیکھا تھا۔ عرشمان ولی نے بے حد جتاتی نگاہ فرہاد صاحب پہ ڈالی۔

"تمہاری مام کو کیسے راضی کرنا ہے۔ یہ تم مجھ پر چھوڑ دو..... Trust me my son!"

فرہاد صاحب کے لجاجت سے بولنے پہ وہ چپ رہ گیا تھا۔

"او مان بھی جا میرے بھائی، تگنی کا ناچ نچا دیا تو نے سب کو۔"

شاہ میر نے اس کی خاموشی پہ خوش گوار انداز میں کہا۔

"حمنیٰ بیٹا ملازم کو ناشتے کا کہو۔"

فرہاد اسے لیے صوفے پہ بیٹھ گئے۔ شاہ میر بھی ساتھ تھا۔

"میں خود لے کر آتی ہوں۔"

حمنیٰ خوش دلی سے کہتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"تھینک یو بیٹا!" وہ ممنون تھے۔

"تم ادھر بات سنو میری!"

فرہاد صاحب نے اس کا رخ چھوٹے بچوں کی طرح اپنی طرف کیا جیسے ان کے سامنے چھبیس ستائیس سالہ عرشمان ولی نہیں چار سالہ بچہ ہو۔ شاہ میر دلچسپی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"ناشتے کے بعد پہلے منہ کا جغرافیہ ٹھیک کرو اور جا کے ہماری بہو کو بھی خوشخبری دو۔ ولید نے بتایا وہ بھی پاگل بنی ہوئی ہے۔"

فرہاد صاحب کے کہنے پہ وہ بے طرح جھینپ گیا تھا۔ وہ پوری معلومات لے کر آئے تھے اور تو اور ہونے والی بہو کی تصویر بھی دیکھ آئے تھے۔

"OMA! Dad, he is blushing"

عرشمان، شاہ میر نے بے ساختہ چھیڑا تھا فرہاد صاحب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

عرشمان نے بے ساختہ امڈتی مسکراہٹ کو چھپانے کے لیے لب پہ ہاتھ کا اوک بنا لیا تھا۔ شاہ میر کی ہنسی بے قابو ہو گئی۔ زندگی میں پہلی بار اسے اس قسم کی سچویشن کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

☆.....☆

درد تو روز کا تماشا ہے
لیکن آج شدید ہے سائیں
اب بھی تیرا ہی نام لیتا ہے
دل تمہارا مرید ہے سائیں

آئنور سر جھکائے کام میں مصروف تھی۔ ولید کھڑا شازیہ سے ضروری ڈیٹیل سسٹم سے ای میل کرنے کو کہہ رہا تھا۔ وہ اسے کام سمجھا رہا تھا اور شازیہ سر ہلا رہی تھی۔ آئنور غائب دماغی سے معاملات طے کر رہی تھی۔ اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ جب تک آفس میں ہوتی تھی نظریں انٹرنس پہ لگی ہوتی تھیں کہ کب مخصوص قدموں کی چاپ ابھرے گی، دلفریب کلون کی مہک اسے اپنے حصار میں لے گی مگر ہر گزرتا پل اس کی منتظر نگاہوں کو تھکاوٹ دے کر اجنبی بن جاتا تھا۔ اب بھی صبح سے شام ہونے کو آئی تھی عرشمان ولی کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ اس کا دل چاہ

Ridadigest.com

رہا تھا یہاں سے بھاگ کر ایسی سرزمین میں روپوش ہو جائے جہاں کوئی نہ ہو۔ بس وہ ہو اور اس کا درد ہو۔ اتنا چیخ چیخ کر روئے کہ دل جو درد کا ٹکڑا بن گیا تھا وہ بہہ جائے۔

''السلام علیکم!''

نہ ہی قدموں کی چاپ ابھری، نہ ہی کلون کی مہک اس تک پہنچی۔ دور ہوا کے دوش پہ ہی سلام سماعت سے ٹکرایا تھا۔ آنور نے لمحے کے ہزاروں حصے میں سر تیزی سے اٹھایا تھا۔ بلیک جینز جیکٹ میں عرشان ولی اپنی وجاہت کے ساتھ موجود تھا۔ اس کے جوں جوں قدم قریب آ رہے تھے اس کے قدموں کی چاپ آنور کو دل پہ پڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی دلفریب خوشبو اس کے حواس پہ چھا رہی تھی۔ ولید اور شازیہ بھی اس کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ شازیہ نے معمول کے انداز میں سلام کیا تھا جسے اس نے مخصوص انداز میں سر ہلا کر جواب دیا تھا۔

''والسلام! کہاں غائب تھے یار؟''

ولید کو بھی اسے ترو تازہ دیکھ کر خوشی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے کی تازگی سے جان گیا تھا کہ معاملہ In control ہے۔ ولید کے گلے ملتے عرشان ولی کی نظریں اسی پگلی پہ جمی تھیں جس کا اک اک روپ کہہ رہا تھا کہ وہ مر مر کے جیتی رہی ہے۔ وہ یک ٹک عرشان ولی کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں جھل مل کرنے لگی تھیں جس کی وجہ سے عرشان ولی کا عکس ان میں ڈول رہا تھا۔

''میں نے کہاں جانا ہے..... نہیں جانے کے قابل چھوڑا کہاں ہے لوگوں نے۔''

اس نے بہت محبت سے اس کے اجڑے روپ کو دیکھا تھا۔ آنسو پلکوں کی دہلیز تک پہنچ گئے تھے۔

''اگر آپ کی اجازت ہو تو کیا مس آنور کو آف مل سکتا ہے؟''

عرشان ولی، ولید سے کہہ رہا تھا۔

''Surc sir''

ولید نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا تھا۔ آنور بنا پلکیں جھپکے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

عرشان ولی نے اس کا سیل فون اٹھایا تھا، پھر اس کا پرس اٹھایا۔ دوسرے ہاتھ سے آنور کا ہاتھ تھام کر چلنے لگا تھا۔ اسے پلکیں جھپکے بنا دیکھتی وہ ڈمی کی طرح اس کے سنگ چل رہی تھی۔ آنسو بہہ نکلے تھے۔ شازیہ منہ کھول کر اس منظر کو دیکھتے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''مستقبل کی مسز عرشان!''

ولید نے مسکراتے ہوئے اس کی حیرت رفع کی۔

''What?''

شازیہ کو خوشگوار حیرت ہوئی۔

آنسو بہے جا رہے تھے اور وہ اسے دیکھتی اس کے سنگ سنگ چلتی جا رہی تھی۔ عرشان ولی نے اس کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں پیوست کر کے لمس کی زبان میں سمجھا دیا تھا کہ وہ کبھی اس ہاتھ کو چھوڑنے والا نہیں تھا۔

ہاں ہم بدلنے لگے
گر نے سنبھلنے لگے
جانا ہے جب سے تمہیں
تیری اور چلنے لگے

ہاں خوشی بن گئے
ہاں نمی بن گئے
تم دعا اب میری
آخری بن گئے

☆......☆

میں جا کر تیری ازلوں کی
تو افضل خاص الخاص پیا
مجھے سارے درد قبول سجن
مجھے تیری ہستی راس پیا

عرشان ولی نے اس کا ہاتھ نرمی سے تھام رکھا تھا۔ آنور دیوانوں کی طرح اس پہ نظریں جمائے اس کے سنگ کھنچتی چلی جا رہی تھی۔ عرشان ولی نے ذرا سا گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔ اس کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اس سے کتنی محبت کرنے لگی ہے اس کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوتا کہ اتنے دنوں کی غیر حاضری پہ اچانک اس کے نظر آنے پہ وہ جیسے شاکڈ کی کیفیت میں تھی۔ بنا کسی مزاحمت کے اس کے ساتھ کھنچی چلی آ رہی تھی۔

اسے نرمی سے فرنٹ سیٹ پہ بٹھا کر عرشان ولی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

''آنور!''

وہ اب بھی دیوانوں کی طرح اسے ہی دیکھے جا رہی تھی۔ اس کا ہاتھ نرمی سے دباتے اس نے ہولے سے پکار کر اسے اس کیفیت سے نکالنا چاہا تھا اور اس کا پکارنا جیسے غضب ہو گیا تھا۔ آنکھوں میں پانی ڈولنے لگا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے پانی نے بوندوں کی شکل اختیار کر لی تھی اور پلکوں کی باڑھ پھلانگتے ہوئے عارضوں پہ بہہ نکلے تھے۔ اس کی سسکی گونجنے لگی تھی۔

اداس ہم تھے تو وہ بے قرار کم تو نہ تھے
ہمارے پیار میں حامد صداقتیں تھیں بہت

شہادت کی انگلی اس کے بائیں رخسار پہ رکھ کر وہ اس کا چہرا اپنی طرف کر گیا۔ بھیگی بھیگی پلکیں، گلابی عارض و ناک، کپکپاتے لب سسکی کو روکنے کی کوشش میں ہلکان نظر آ رہے تھے۔ اس نے بے ساختہ حسب حال شعر پڑھا تھا۔

''کہاں چلے گئے تھے آپ؟''

اس کی خفگی بھری آواز نکلی تھی۔ عرشان ولی کے لبوں پہ بھرپور مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ محبت خفگی کا رنگ لیے برستی آنکھوں سے عیاں تھی۔

''اس لیے رو رہی ہو، پاگل لڑکی کیا حالت بنا رکھی ہے اپنی.....''

وہ محبت سے اس کے اجڑے بکھرے روپ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اتنا معتبر تھا کہ اس کے فراق میں وہ کملا سی گئی تھی۔ اس کے لیے اس کے بنا زندگی گزارنا ناممکن تھا تو وہ بھی خود کو بھلائے بیٹھی تھی۔ یہ مان، یہ احساس اتنا دل فریب تھا کہ وہ اس کے بالوں کو بے ساختہ مٹھی میں بھر گیا تھا۔

''اب تو تمہارے سامنے ہوں نا۔ معاف کر دو اپنے مجرم کو، غلطی ہو گئی۔''

وہ سیدھے ہاتھ سے کان کی لو چھو گیا۔

Ridadigest.com

"آپ کا نمبر بند تھا۔ میں نے کتنا ٹرائی کیا، پتا ہے..... ہزار وسوسے اٹھ رہے تھے۔ آپ کی فکر ہو رہی تھی۔ کوئی یوں بھی خود کو اذیت دیتا ہے۔"

وہ محبت بھرے استحقاق سے استفسار کر رہی تھی۔

"کتنی محبت کرتی ہو مجھ سے؟"

عرشان ولی کا بے ساختہ سرسراتا سوال اس کی فراٹے سے چلتی زبان کو لڑکھڑا کر چپ ہو جانے پر مجبور کر گیا۔

"بولو!"

عرشان ولی آنکھوں میں محبت بھرے، لبوں پہ شرارتی مسکراہٹ سجائے اسے دیکھ رہا تھا۔ آنسور کی پلکیں جھک گئی تھیں۔ حیا کی سرخی عارضوں پہ بکھر گئی تھی۔

"بولو نا!"

اصرار ہوا۔

"مجھے نہیں پتا۔"

اس کی ہتھیلیوں پہ نمی اترنے لگی۔

"لیکن مجھے تو جواب چاہیے۔ کتنی محبت کرتی ہو عرشان ولی سے؟"

وہ مصر تھا۔ انداز ضدی تھا۔ آنسور نے بے ساختہ نظر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"کبھی سمندر کے پانی کو ناپ سکتے ہیں؟ اتنی ہی محبت ہے آپ سے۔"

مضبوط لہجے میں بے ساختہ روانی سے کہہ گئی ان کے لبوں کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔ لب بائیں سمت کھنچ گئے تھے۔

"اتنی ہی محبت عرشان ولی بھی تم سے کرتا ہے۔"

محبت بھرے لہجے میں یقین دلاتے اس نے کار اسٹارٹ کر دی تھی۔

☆......☆

زویا جینز اور ٹی شرٹ میں سفری بیگ اٹھائے ایئر پورٹ میں موجود تھی۔ حرم صاحب کی موجودگی سے وہ اتنی عاجز آ گئی تھی کہ انگلینڈ کاشان کے پاس جا رہی تھی تا کہ کچھ ہفتے تو سکون سے گزریں ویسے بھی اک جیسے ماحول میں رہ کر وہ جلد ہی اکتا جاتی تھی۔ پاسپورٹ اور کسٹم کی Formelity سے فری ہو کر وہ لاؤنج روم میں آ بیٹھی تھی۔ جیب سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکال کر اس نے اپنا دل پسند مشغلہ شروع کر دیا۔ ساتھ ہی گوگل پہ جانے کیا سرچ کر رہی تھی۔

☆......☆

ماہ پارہ غصے میں ٹہل رہی تھیں۔ اس ان دیکھی لڑکی کی جیت انہیں سلگا رہی تھی۔ آنے سے پہلے ہی وہ ان کے لاکھوں میں اک بیٹے کو ان کے سامنے کھڑا کر گئی تھی۔ نا صرف کھڑا کر گئی تھی بلکہ انہیں شکست سے بھی دوچار کر گئی تھی۔ وہ بھی خاموش نا رہتیں مگر عرشان ولی کی تیاری سے صاف ظاہر تھا کہ وہ فیصلہ کر چکا ہے اور وہ کتنا ضدی تھا یہ ماہ پارہ سے بہتر کون جان سکتا تھا۔ فرہاد صاحب کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ ٹائی کی ناٹ کھولتے وہ اک نظر ماہ پارہ پہ ڈالتے ہیں جو خفگی بھری نظر سے انہیں ہی دیکھ رہی تھیں۔

"مجھے نیچا دکھا کر آپ نے اچھا نہیں کیا فرہاد۔ بجائے عرشان کو سمجھانے کے آپ نے رشتہ لے کر جانے کی بات کی۔"

ان کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔ اک معمولی ریسپشنسٹ کو بہو بنانے کے خیال سے ہی انہیں کوفت ہو رہی تھی۔

"میں نے تمہیں کوئی نیچا نہیں دکھایا، بلکہ افسوس ہے کہ تم کیسی ماں ہو، جس کا جوان بیٹا دنیا تیاگ کر تین دن سے بغیر کھائے پیے اس کی وجہ سے اذیت میں رہا۔"

فرہاد صاحب نے الٹا انہیں آئینہ دکھایا۔ مگر ان جیسی انا پرور اور خود پرست عورت کو آئینہ بھی من پسند دکھنا گوارا تھا۔

"میں اپنی یہ ہار کبھی نہیں بھولوں گی۔"

وہ تلملا رہی تھیں۔

"ہوش کے ناخن لو، زندگی عرشان کی ہے۔ ساتھی چننے کا اختیار بھی اسے ہی ہے۔ دونوں بچوں نے بھی اپنی پسند سے کی ہے۔ ہمیں سمدھیانے سے کچھ نہیں چاہیے، کوئی لالچ نہیں جو ان کے غریب ہونے پہ روتے رہیں۔"

فرہاد صاحب نے ان کے دماغ سے غریبی کا فتور نکالنا چاہا۔ ماہ پارہ سر جھٹک کر ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے صوفے پہ بیٹھ گئیں۔

"میں بھی نہیں جاؤں گی رشتہ لے کر، بن لیا آپ نے۔ آپ اور آپ کا بیٹا خود سارے معاملات دیکھ لے۔ میرا کوئی سروکار نہیں۔"

وہ غرور و تکبر کی زندہ مثال بنی اکڑ کر بیٹھی تھیں۔ فرہاد صاحب کو ان کے انداز پہ بے حد افسوس ہوا۔

"جوان اولاد اس عمر میں ہمیں چھوڑ کر اپنی زندگی تباہ کرنے کو تیار ہے، کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم بخوشی اس کی خوشی کا سامان کریں نا کہ اس سے ضد باندھ لیں۔"

فرہاد صاحب دانا انسان ماہ پارہ کی گھمنڈی طبیعت سے آگاہ تھے۔ یہ ان کی برداشت اور دانش مندی ہی تھی جو اتنا عرصہ وہ انہیں برداشت کر گئے اور تا حال کر رہے تھے۔

"آپ جو بھی عذر لے آئیں، کتنا ہی قائل کرنے کی کوشش کر لیں میری ضد اور فیصلہ اٹل ہے۔"

ماہ پارہ کا لہجہ اور انداز بے لچک تھا۔

"کیوں چاہ رہی ہو، اس عمر میں تمہیں طلاق دوں!"

فرہاد صاحب کی برداشت جواب دے گئی تھی۔ ان کا سرد لہجہ ماہ پارہ کے ابلتے غصے کو بھی جما گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"مجھے عرشان سے زیادہ کچھ عزیز نہیں، تم بھی نہیں۔" اک اک لفظ پہ زور دے کر غصیلی نگاہ ان پہ ڈال کر وہ کمرے سے باہر چلے گئے تھے۔ ماہ پارہ ہلتے پردے کو دیکھ کر شاکڈ رہ گئی تھیں۔

☆......☆

سنو
تم شفا کا پانی ہو
جس کا گھونٹ بھرنے سے
فصل جاں کے دامن میں
پھول کھلنے لگتے ہیں
اور دکھوں کے جنگل میں

Ridadigest.com

سکھاترنے لگتے ہیں....

ہوٹل کے لان میں سورج غروب ہونے کا دلکش منظر تھا۔ لان کے سامنے خوبصورت بیچ تھا جس کے وسط میں سورج کی نارنجی کرنیں جگر جگر کر رہی تھیں۔ وہ اک دوسرے کے مقابل براجمان تھے۔

''اب بولو، کتنا مس کیا؟''

سوال پہ آئنور نے اس خوبصورت منظر سے نظر ہٹا کر عرشان ولی کے چہرے کی طرف دیکھا۔

''آپ نے مس نہیں کیا؟''

وہ خود سراپا سوال تھی۔

''میں تمہیں مس ہی تو نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

بڑا ہی سحر انگیز جواب تھا۔ وہ کئی ثانیے اس جملے کی خوبصورتی سے نکل ہی نہ سکی۔

''کیوں دور تھے؟''

گلہ ہوا۔ محبت جہاں اپنے ہونے کا احساس رکھتی تھی وہیں دوری پہ سر پٹختی، مچلتی بھی رہی تھی۔

''اپنی اور تمہاری خوشی کی جنگ لڑ رہا تھا۔ مات ہوتی تو اپنا وجود تمہارے سامنے مٹا دیتا تاکہ تم ہرجائی نہ سمجھتیں۔''

اس کے چہرے پہ لکھی سچائی نے اسے کچھ کہنے کے قابل نہ چھوڑا۔

''مام کو تمہیں قبول کرنے میں تھوڑا وقت لگے گا۔''

وہ پوری سچائی اس کے سامنے رکھ گیا۔

''میں کوشش کروں گی ان کے دل میں جگہ بنا سکوں۔''

اس نے بھی امید کی کرن تھما دی۔ وہ مطمئن ہو گیا۔ اسے اس سے ایسے ہی جواب کی امید تھی۔

''اجازت ہو تو پہنا دوں؟''

ڈائمنڈ رنگ نکال کر اس کا بایاں ہاتھ تھام کر وہ اس کی ہاں کا منتظر تھا۔

''پہلے تو اجازت لے کر ہی ہاتھ تھام کر یہاں تک لائے ہیں۔ سرولیز اور سنگاپور کا بھی لحاظ نہ کیا۔''

لبوں کو سکوڑ کر اس نے خفگی بھرے لہجے میں کہا۔ وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

''کیا کرتا، تم مجھے دیکھ کر پتھر کی مورت جو بن گئی تھیں۔ ایسی مورت جس کا جسم تک میرا کا ہو، بس زندگی تھی تو ان آنکھوں میں.... جن میں محبت تھی..... شکایت تھی.... تڑپ تھی۔ اپنے لیے اتنی دیوانگی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی اور ان آنکھوں میں اپنے لیے، صرف اپنے لیے ہی یہ رنگ دیکھنا چاہتا ہوں، تاعمر....''

عرشان ولی نے اس کی مخروطی انگلیوں میں رنگ پہنا دی تھی۔ وہ اس ساحر کی سحر بھری باتوں میں پلکیں جھپکنا بھی بھول گئی تھی۔

بلیک جیکٹ جینز میں وہ کسی ریاست کا شہزادہ جیسا ہی لگ رہا تھا۔

☆......☆

حمنیٰ شاہ میر کے ساتھ بزنس پارٹی کا حصہ بنی ہوئی تھی۔ حمزہ اس تک آیا تھا۔

''حمنیٰ تم.....!''

وہ حیران تھا۔ اپنے نام کی پکار پر حمنیٰ حیرانی سے پلٹی تھی۔ حمزہ کو دیکھ کر اس کے چہرے پہ دنیا جہاں کی خوشی آ گئی تھی۔

''حمزہ، واؤ..... کیسے ہو؟ پاکستان کب آئے؟''

حمنیٰ Excited ہو گئی۔

''آرام سے، آرام سے۔''

حمزہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے مسکراتے ہوئے دیکھا۔

''شروع کی بے صبری ہے۔''

وہ شاہ میر کو دیکھتے جیسے اطلاع دے رہا تھا۔ شاہ میر کے لبوں پہ دوستانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''پچھلے ماہ ہی پاکستان آیا ہوں۔''

وہ تفصیل بتا رہا تھا۔

''اور مجھ سے ملنے نہیں آئے۔''

وہ مصنوعی خفگی سے گھور رہی تھی۔ شاہ میر ان دونوں کے انداز سے اتنا تو سمجھ گیا تھا کہ دونوں میں بے حد انسیت ہے۔

''شاہ، یہ حمزہ ہے چھوٹے چاچو کا بیٹا بچپن سے ننھیال میں پلا بڑھا۔ پاکستان اور یہاں کے مسائل کی وجہ سے کبھی پاکستان نہیں آیا۔ حمزہ یہ شاہ میر ہیں..... میرے ہبی۔''

حمنیٰ کو بالآخر تعارف کا خیال آ ہی گیا۔

''اب اتنا بھی ذلیل نہ کرو۔ یہ مجھے نہیں جانتے مگر میں نے تمہاری شادی کی تصویر میں انہیں دیکھ رکھا ہے۔''

حمزہ نے گرم جوشی سے شاہ میر سے مصافحہ کیا۔

''آپ تھے نہیں شادی میں۔''

شاہ میر نے گلہ کیا۔

''ان دنوں میرے پیپرز ہو رہے تھے اور وہی حمنیٰ کی بات مجھے یہاں کی سمجھ نہیں آتی۔ اتنے مسائل اور ان کا کوئی حل نہیں۔'' حمزہ نے منہ بسورا۔

''آپ کی بات بجا ہے لیکن اپنی چیزوں میں کتنی ہی خامیاں ہوں اپنے پن کا احساس تو ہوتا ہے۔''

شاہ میر محب وطن تھا۔ حمنیٰ نے شرارتی نظروں سے حمزہ کو دیکھا۔ اب تو وہ اسے قائل کر کے ہی چھوڑنے والا تھا۔

☆......☆

ہاجرہ سبزی کاٹ رہی تھیں۔ سونی چاول کی تھال لیے پلنگ تک چلی آئی تھی۔ آلو، گاجر، مولی کے بعد وہ مٹر کے دانے نکالنے لگی تھیں۔ آج سونی کا موڈ سبزی کی بریانی بنانے کا تھا۔ ہاجرہ کے چہرے پہ گھمبیر تاثرات تھے۔ ان کے دل کو مختلف وہم لگ گئے تھے۔

''اماں کوئی پریشانی ہے، کافی دیر سے دیکھ رہی ہوں، گم صم سی ہیں۔''

سونی کو احساس تھا کہ ہاجرہ کیسی ماں تھیں..... اک ایسی عورت جس نے ہر بار بیٹی کو جنم دینے کے بعد لوگوں سے باتیں سنی تھیں۔ شوہر کی مار اور ٹھڈے برداشت کیے تھے اور آج تک جلی کٹی کی زد میں رہتی تھیں۔ آئنور نے اسی احساس کی وجہ سے کاشان جیسے شکاری کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ وہ ان کو سکھ دینے ہی چلی تھی جس کی وجہ سے ذلت ملی تھی لیکن اب اسے تقدیر سے کوئی گلہ نہ تھا عرشان ولی جیسا گوہر نایاب اس کا ہم سفر بننے جا رہا تھا لیکن اس حقیقت سے ہاجرہ واقف نہیں تھیں۔ تب ہی قدوس صاحب کے طعنوں پہ فکر مند بیٹھی تھیں۔

"آئنور نے تمہیں اپنے باس سے متعلق کچھ بتایا ہے؟"

ہاجرہ اسے ٹٹول رہی تھیں۔ وہ جانتی تھیں سونی ہی آئنور سے سب سے زیادہ کلوز تھی۔ ان کے سوال پہ پہلے تو سونی گڑبڑا گئی کہ کیا کہے اور کیا نا..... لیکن ان کی فکرمندی دیکھ کر اس نے سچ بتانے کی ٹھان لی۔

"جی!"

اس نے ہولے سے اقرار کر لیا۔ دل میں دھڑکا بھی لگ گیا کہ سچ سن کر جانے وہ کیسا Re Act کریں۔ کہیں اس کا کہا سچ آئنور کے لیے مزید مشکل نا پیدا کر دے۔

"کیا بتایا ہے؟"

ہاجرہ کے دل کو پکڑ دھکڑ لگ گئی۔ چار بیٹیوں کی ماں کو ہر گھڑی بیٹی کے اٹھتے قدم کی فکر لگی رہتی تھی۔

"عرشمان ولی، آئنور کو پسند کرتے ہیں اور جلد رشتہ بھیجیں گے۔"

سونی نے من و عن آئنور کی کہی بات دہرا دی۔ ماں سے ایسی باتیں کرتے اسے عجیب بھی لگ رہا تھا۔ ہاجرہ جہاں کی تہاں رہ گئیں۔

"تم لوگوں کو یقین ہے ایسا ہوگا؟"

ہاجرہ کو غربت نے کسی خوشی پہ یقین کرنے نہیں دیا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"آئنور کو جتنا عرشمان ولی پہ بھروسہ ہے اسے دیکھ کر تو لگتا ہے۔"

سونی پرامید ہونے کے ساتھ دعا گو بھی تھی۔

"مجھے تو نہیں لگتا۔ آج کل کے دولت مند لوگوں کے رنگ ڈھنگ نہیں دیکھتیں۔ یہ بے وقوفی کیسے ہوگئی۔ کیسے سمجھاؤں اسے۔"

ہاجرہ فکرمند ہوگئی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ آئنور کوئی ایسا سپنا دیکھے جس کے چکنا چور ہونے پہ وہ خود ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے۔

"اماں! آئنور نے آج تک، خود سے پہلے اس گھر اور ہم سب کے بارے میں سوچا ہے۔ اپنی کتنی ہی ضرورتوں کو پس پشت ڈال کر خواہش پوری کی ہے۔ اب جب اس کے دل نے کسی کی چاہ کی ہے تو ہمیں اس کی خوشی کے لیے دعا کرنی چاہیے۔"

سونی نے پورے دل سے، بہن کا مقدمہ لڑنے کی کوشش کی تھی جس میں سچائی بھی تھی۔

"اگر خوش ہے تو تین دن سے مردنی کیوں چھائی ہوئی ہے۔ اس پہ..... ماں ہوں اسے خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔"

ہاجرہ کے سامنے اس کی صورت آ گئی۔ کیسے وہ بے کل چھت پہ ٹہلتی رہی تھی۔ ان کی نظروں سے کچھ مخفی نہ تھا۔

"عرشمان ولی تین دن سے رابطے میں نہیں ہیں۔ آفس بھی نہیں آرہے۔ اس لیے پریشان ہے۔"

سونی نے جھجکتے ہوئے بتا دیا۔ مبادا وہ غلط قیاس کریں۔ اور وہی ہوا۔ ہاجرہ سنتے ہی ہول گئیں۔

"پیچھے تو نہیں ہٹ گیا۔ میرا تو دل ہول رہا ہے۔"

ہاجرہ کو نئی پریشانی لگ گئی۔

"کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ مصروف ہو سکتے ہیں۔"

سونی نے دلاسا دیا۔ ہاجرہ بھی فکرمند تھیں مگر انہوں نے کچھ کہا نہیں۔

"مجھے سبزیاں تھما کر تم چاول لیے بیٹھی ہو۔"

ہاجرہ کی نظر چاول کی تھال پہ پڑی تو ان کا موضوع بدل گیا۔

"روٹی، سبزی دیکھ کر ابا بہت شور کرتے ہیں اسی لیے سبزیوں کی بریانی بنا رہی ہوں۔ چاول شوق سے کھا لیتے ہیں۔"

سونی نے سمجھداری سے بتایا تو ہاجرہ بھی مطمئن ہوگئیں۔ ان کی بیٹیاں حتی الامکان کوشش کرتی تھیں کہ قدوس صاحب کو بولنے کا موقع نہ ملے۔

"ہاں ٹھیک ہے، اللہ تم بچیوں کو ہر خوشی دکھائے۔ بہت سکھ دیتی ہو مجھے۔"

ہاجرہ بے ساختہ سراہ گئیں۔ سونی کو بے حد اچھا لگا۔ محبت بھرے چھوٹے چھوٹے لفظ کیسے دل کو شاد کر دیتے تھے اور تلخ لفظ اسی طرح دل چیر دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

"اور اماں آئنور....."

سونی شرارت سے پوچھ رہی تھی۔ در پردہ وہ ان کا عندیہ لے رہی تھی کہ وہ کیا سوچ رہی تھیں۔ آیا یہ سب جان کر وہ آئنور سے خفا تو نہیں ہوگئیں۔

"وہ تو بیٹا ہے میرا۔ اس نے میرا بازو بن کر مجھے احساس دلایا کہ میں بیٹی کے پیدا ہونے پر ناحق آنسو بہاتی تھی۔"

ہاجرہ کی آواز بھرا گئی تھی۔ آنکھیں نمناک ہوگئیں۔

"اللہ میری بچی کو ہر سکھ دے۔ اس کا دل ٹھنڈا رکھے۔"

وہ بے ساختہ کہہ گئیں۔

"آمین!"

سونی نے صدق دل سے کہا تھا۔

☆ ☆ ☆

تیری کملی بھلی ہوئی ہیں
تو اپنا پیار نا کریا

گاڑی سگنل پہ کھڑی تھی۔ آئنور پریشانی سے وقت کا تعین کر رہی تھی۔ پھر اس نے اسٹیرنگ پر رکھا عرشمان ولی کا ہاتھ بے ساختہ پکڑ کر اس کی کلائی میں بندھی Rolex میں ٹائم دیکھا تھا۔

"اف!"

ڈائل کی سوئیوں کو دیکھ کر اس کے چہرے پہ پریشانی آ گئی تھی۔

"کیوں پریشان ہو زندگی!"

وہ سگنل سے نظر پھیر کر اسے دیکھنے لگا۔

"دیر ہو رہی ہے، کوچنگ کی بھی چھٹی ہوگئی۔"

اس نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

"اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پہ اتنا پریشان نہیں ہوتے۔"

اس نے آئنور کے ناک چڑھانے کے عمل کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔ اس کا چہرہ بڑا Expresive تھا۔ وہ جو بولتی تھی، جیسا محسوس کرتی تھی اس کے نقوش اسی کے مطابق Perform کرتے تھے۔ اسے بہت Cute لگتی تھی ان حرکتوں سے ہی وہ اسے باربی ڈول لگتی تھی۔ پہلی مڈبھیڑ میں بھی وہ ان ہی اداؤں کے زیر اثر آ گیا تھا۔

Ridadigest.com

"ہماری کلاس میں لڑکیوں کو پانچ منٹ بھی دیر ہو جائے تو ماں باپ کو وہم ستانے لگتے ہیں۔"
آئنور کہہ رہی تھی جب چھوٹا بچہ کھڑکی پہ آ گیا۔
"سلام صاحب!"
دونوں بچے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ عرشان کے چہرے پہ شناسائی کے رنگ پھیل گئے۔
"والسلام! کیسے ہو چھوٹو، اور یہ پھول۔"
وہ خوش گوار حیرت سے بچے کو دیکھ رہا تھا۔
"آپ کے سمجھانے پہ بھیک مانگنا چھوڑ دیا۔ آپ نے جو پیسے دیے اس سے پھولوں کا کام شروع کر دیا۔ گھر والوں نے مارا بھی لیکن میں نے صاف کہہ دیا محنت کروں گا، بھیک نہیں مانگوں گا۔ اب کسی کی جھڑکیاں نہیں سنتا صاحب۔"
بچہ دس گیارہ سالہ تھا مگر اس کی آنکھوں سے چھلکتا عزم اس کی عمر سے کئی گنا بڑا تھا۔ وہ دلچسپی سے دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔
"بہت اچھا کیا۔ Strong boy!"
عرشان ولی بے ساختہ بچے کے بالوں میں ہاتھ پھیر گیا۔ آئنور کو حیرانی ہوئی۔ کیا اسے غریبی سے گھن نہیں آتی تھی؟ اس نے تو نودولتوں کو بھی غریبی کو Disgusting جیسے فقرے سے نوازتے دیکھا تھا۔
"میم صاحب کے لیے بھی پھول لے لیں۔"
بچے نے آئنور کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
"لاؤ سارے پھول۔ تمہاری خواہش بھی پوری کر دیں۔"
والٹ سے ہزار ہزار کے کئی نوٹ نکال کر اس نے بچے کی طرف بڑھا کر سارے پھول لے لیے۔ بچہ حیرت سے نوٹ اور اسے دیکھتا رہا۔ جانتا تھا یہ پھولوں کی قیمت سے کہیں زیادہ ہے۔
"کبھی غلط کام نہ کرنا جس کے لیے تمہیں کوئی کتنا ہی مجبور کرے۔"
عرشان ولی کا انداز ناصحانہ تھا۔ بچہ سر ہلا کر چلا گیا۔
"آپ کے لیے۔"
عرشان ولی نے سارے پھول اس کی گود میں دھر دیے۔ سگنل گرین ہو چکا تھا۔ ہارن پہ اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔
"اتنے پھول.... میں کیسے گھر لے کر جاؤں گی۔"
وہ پریشانی سے کبھی گود میں دھرے پھولوں کو اور کبھی عرشان ولی کو دیکھ رہی تھی۔
"میں بھی آپ کی گاڑی میں چھوڑ کر اتر جاؤں گی۔"
اس نے صاف کہہ دیا۔
"اگر اک کلی بھی چھوڑ کر گئیں تو اگلے دو دن کے لیے پھر غائب ہو جاؤں گا۔ کہیں نہیں ملوں گا۔ سیل فون بھی آف ہوگا۔"
اس نے شرارت سے دھمکی دی۔
"ویری فنی۔"

وہ منہ بگاڑ کے رہ گئی۔
"It is`nt funny, bleave that!"
وہ لب دبائے شرارت سے مسکرا رہا تھا۔
"you will know me soon, very well, Insha Allah!"
وہ بہت محبت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آئنور کے لبوں پہ شرمیلی مسکراہٹ پھیل گئی۔
"سامنے دیکھ کر ڈرائیو کریں، میں زندہ سلامت گھر پہنچنا چاہتی ہوں۔"
اس کی نظروں سے بچنے کے لیے اس نے کھڑکی سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔ ہتھیلی پھولوں کی نرماہٹ محسوس کر رہی تھیں۔ عرشان ولی نے ذرا کی ذرا اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے نظریں ونڈ اسکرین پر جما دی تھیں وہ بھی اس کے ساتھ بہت سارا جینا چاہتا تھا۔

☆......☆

مجھے وہ غیر کو اب سوچنے نہیں دیتا
میرے خیال کا اتنا خیال رکھتا ہے

آئنور نے ڈرتے ڈرتے دروازے پہ دستک دی تھی۔ دروازہ سونی نے کھولا تھا۔ پھولوں کو دونوں ہاتھوں سے بمشکل سنبھالے وہ پریشان صورت لیے کھڑی تھی۔ سونی بے ساختہ مسکرا دی۔
"اماں کہاں ہیں؟"
آئنور نے اندر نظر ڈالتے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔ سونی اشارے سے پلنگ پہ بیٹھی ہاجرہ کی طرف اشارہ کر گئی۔ اس کا خون خشک ہونے لگا۔ مرتے کیا نہ کرتے اب اندر تو آنا تھا۔
"السلام علیکم!"
اس نے پھولوں کو بہت اوٹ میں کرنا چاہا مگر چھپانے میں ناکام رہی۔ ہاجرہ حیرانی سے آئنور اور پھولوں کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ سٹپٹا کر تیزی سے کمرے میں چلی گئی تھی۔
"یہ اتنے سارے پھول کہاں سے لائی ہے؟"
ہاجرہ حیرانی سے سونی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔
"آج اسکی سالگرہ بھی شاید، دوستوں نے دیا ہوگا۔"
سونی نے بات بنانا چاہی، آئنور کے انداز سے سمجھ گئی تھی کہ وہ کتنی خوش تھی۔
"پیدا کرنے والی کو اس کی سالگرہ کا پتا نہیں ہوگا....؟ تم نے مجھے بے وقوف سمجھ رکھا ہے۔"
ہاجرہ تیکھی نظروں سے اسے گھورتی ہیں۔ وہ ہنسنے لگتی ہے۔
"آپ تو ہماری سہیلی ہیں۔"
سونی ان کے گلے سے جھول گئی۔ ہاجرہ بڑبڑاتی رہیں۔

☆......☆

میرا عقیدہ، میری عقیدت، میری چاہت، میری محبت!
جو لفظ دیکھوں تو ہزار ہیں اور اگر سمیٹ دوں تو صرف تم

عرشان ولی مسکراتے ہوئے ڈرائیو کر رہا تھا، اس کی نگاہ بے ساختہ سیٹ پہ چمکتی ہوئی چیز پہ پڑی، اس نے

Ridadigest.com

ہاتھ بڑھا کر اٹھا کر چہرے کے سامنے کیا تھا۔ یہ آئنور کی ایئر رنگ تھی۔ پھولوں سے الجھتی وہ یقیناً اسے گرا گئی تھی۔ اس کے لبوں پہ محظوظ کن مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اسے اپنی اور آئنور کی گفتگو یاد آنے لگی۔

''تم اکثر یہ ایئر رنگ کیوں پہنتی ہو، کوئی خاص وجہ؟''

اک بار اس نے دریافت کیا تھا۔

''میری Most_Favorite ایئر رنگ ہے۔ ہر سوٹ کے ساتھ چل جاتی ہے۔''

وہ لگاوٹ سے کہہ رہی تھی۔ وہ جانے کیوں جیلس ہونے لگا۔

''جو کبھی کھو گئی؟''

وہ جاننا چاہتا تھا۔

''بہت افسوس ہوگا۔''

وہ اس خیال سے ہی افسردہ ہو گئی تھی۔

''اسے گولڈ یا ڈائمنڈ میں بنوا دوں؟''

اس نے خواہش ظاہر کی تھی۔

''نہیں مجھے یہ اسی طرح پسند ہے۔''

وہ انکاری تھی۔

''اب سے یہ ایئر رنگ میرے پاس رہے گی۔ مجھے نہیں پسند کہ تمہاری نظر میں مجھ سے زیادہ کسی بھی چیز کی اہمیت ہو۔ خواہ وہ بے جان شے ہی کیوں نہ ہو۔''

''I am crazy about you''

ایئر رنگ کو مٹھی میں بھر کر اس نے خود کلامی کی تھی۔ لب مسکرا رہے تھے۔

☆.....☆

غم میں بھی نکل نا پائی تکلف کے دوائر سے
وہ بھی بڑے ادب سے مجھے چاہتا رہا

آئنور سلیقے سے پھولوں کو پرانے گلدان میں لگا رہی تھی۔ سونی نے داخل ہوتے ہوئے اس کے عمل کو دیکھا تھا۔ وہ بہت خوش اور آسودہ نظر آ رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ بہت نرم تاثر تھا۔ نظریں پھولوں پہ تھیں، لبوں پہ مدھر مسکان سجی ہوئی تھی۔

''تمہارے چہرے کی خوشی بتا رہی ہے، لوٹ آئے ہیں محترم!''

سونی پلنگ پہ بیٹھ گئی۔

''ہاں!''

اس کے لبوں پہ دھیمی مسکان سجی ہوئی تھی۔

''اماں نے پھولوں کے متعلق پوچھا؟''

وہ پلٹ کر سونی کی طرف مڑی تھی۔

''ہاں وہ سمجھ گئی ہیں۔''

سونی نے شرارت سے ہنستے ہوئے کہا۔

''کتنا شرمندہ کرواتا ہے یہ بندہ۔''

وہ خفت سے لب دبا کے رہ گئی۔

''تمہارے آنے سے پہلے اماں کو عرشمان ولی کے متعلق بتا رہی تھی۔ آج یا کل انہیں بتانا تو ہے نا۔''

سونی کے کہنے پہ وہ چپ رہ گئی۔ شاید ہاجرہ بیگم نے اس حقیقت کو قبول کر لیا تھا تب ہی تو انہوں نے کوئی شدید ردعمل نہیں دیا تھا۔

''تمہاری ایئر رنگ کہاں ہے اک؟''

سونی کی نظر اس کے کان پہ پڑی تو پوچھ بیٹھی۔

''او..... جانے کہاں گر گئے۔''

وہ جلدی سے دونوں کان کی لو کو ٹٹولنے لگتی ہے۔ اک کان خالی دیکھ کر اسے افسوس ہوا۔

''چھوڑو، کتنے پرانے تھے۔''

سونی نے لاپروائی سے کہا اور پھولوں کی قریب آ گئی۔

''لیکن میرے فیورٹ تھے۔''

آئنور کو افسوس ہو رہا تھا۔ تب ہی اک خیال آیا تو سونی کے کمرے سے جانے کے بعد اس نے بے ساختہ عرشمان ولی کا نمبر ڈائل کر دیا۔

کمرے میں داخل ہو کر عرشمان ولی نے اٹیچ آن کی تھی۔ جوتے اتار کر سائیڈ پر رکھ کر کف کے بٹنز کھول رہا تھا تب ہی سیل فون بجنے لگا۔ اسکرین پر آئنور کالنگ جگمگا رہی تھی۔ اس کے لبوں پہ بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''اتنی بھی کیا بے چینی، ابھی تو ملے تھے۔''

اس نے بے ساختہ چھیڑتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا تو اک لمحے کو سٹپٹا گئی۔

''وہ میں نے آپ سے کچھ پوچھنے کے لیے فون کیا تھا۔''

عرشمان ولی نے جیب سے ایئر رنگ نکال کر نظروں کے سامنے کیا تھا۔

''حکم!''

اس نے شوخی سے کہا۔

''میری اک ایئر رنگ نہیں مل رہی۔ آپ پلیز اپنی گاڑی میں دیکھ لیں۔ شاید وہاں گر گئی ہو۔''

''ویسے تو کسی چیز پہ میری نظر نہیں پڑی لیکن تمہاری تسلی کے لیے اک بار اور دیکھ لوں گا۔''

ایئر رنگ مٹھی میں دباتے ہوئے کہا۔

''شکریہ۔ یو نو میری فیورٹ ایئر رنگ تھی۔''

''I know''

وہ مسکرایا۔

''میں بند کر رہی ہوں کال۔''

اس وقت طویل بات نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے اجازت چاہی۔

''او کے، پھر بات کرتے ہیں۔''

عرشمان ولی نے سیل فون رکھ کر وارڈ روب کا رخ کیا۔ اندرونی خانہ کھول کر چھوٹے سے باکس میں ایئر رنگ

Ridadigest.com

ڈال کر اسے بند کر رہا تھا۔

”اک ایئر رنگ تم اپنے پاس رکھو، دوسری میں بہت احتیاط سے رکھ رہا ہوں تاکہ پھر کبھی یہ تمہیں تنگ نہ کرسکے۔“

اس کے لہجے میں جنونی محبت کی آنچ تھی۔

☆......☆

”اتنے بڑے سے گھر میں، سوائے اداسی اور تنہائی کے میں نے کچھ نہیں دیکھا۔“

خرم صاحب تھکے ہارے انداز میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عمر کی جمع پونجی جب لٹ گئی تو انہیں احساس ہوا کہ انہوں نے سوائے خسارے کے کچھ نہیں کمایا۔ بیوی وہ دور محسوس ہوتی تھی۔ بچے بات کرنے لائق نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی نظروں میں باپ کے لیے ٹکے کی عزت نہیں تھی۔

”جو چیز آپ نے ہمیں خود دان کی اس پہ حیرانی کیوں؟“

واصفہ افسردہ تھیں۔ خرم صاحب کی دہائی انہیں جہاں طیش دلاتی تھی وہیں انہیں بے جان بھی کر جاتی تھی۔ نامکمل اور ساتھی کے بنا زندگی کتنی کڑوی گزری تھی یہ کوئی ان سے پوچھتا۔

”واصفہ میں بہت شرمندہ ہوں۔ میں تم لوگوں سے معافی مانگنے آیا تھا مگر زویا، کاشان کے پاس چلی گئی۔“

وہ دلگرفتہ تھے۔ زویا کی بیزاری ان سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔

”آپ کی ساری کوشش بے سود جائے گی۔ آپ جائیں اپنی بیوی اور بچوں کے پاس۔ جو آپ کی اصل دنیا ہے۔ ہمیں ہمارے حال پہ چھوڑ دیں۔“

واصفہ تلخی سے گویا تھیں۔ سارے ماہ و سال ان کی نگاہوں میں گھوم گئے تھے۔

”میں مارٹینا کو طلاق دے رہا ہوں۔“

وہ مجرمانہ انداز لیے ہوئے تھے۔

”کیوں.....بڑھاپے میں یہ خیال کیوں آیا آپ کو؟“

واصفہ کا لہجہ بدستور کڑوا تھا۔ لاکھ کوشش کے باوجود وہ ان سے میٹھا بول نہیں پا رہی تھیں۔ یہ انسان کے اپنے اعمال ہی ہوتے ہیں جو دوسرے کے منہ سے اپنے لیے یا تو کڑوے لفظ نکلواتے، چاہے لفظ پیدا کرتے ہیں۔

”یہ مارٹینا کی خواہش ہے، وہ علیحدگی چاہتی ہے۔ بچے بھی اسی کے ساتھ رہنے کے خواہش مند ہیں۔“

وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہے تھے۔ واصفہ آگ بگولہ ہوگئیں۔

”بہت خوب، جب وہاں دال نہ گلی تو آپ نے سوچا کیوں نہ پرانی کڑی میں نیا ابال لے آؤں۔“

واصفہ تمسخرانہ نگاہیں جمائے بیٹھی تھیں۔

”آپ کے اعمال کا حساب شروع ہوگیا ہے خرم صاحب!“

واصفہ اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ خرم صاحب کے چہرے پہ دکھ کے تاثرات آگئے تھے۔ جب ہم خود ہجوم میں مگن ہوکر دوسرے کے نصیب میں تنہائی لکھ دیتے ہیں تب ہمیں اس کرب کا احساس نہیں ہوتا لیکن جب یہی تنہائی ہمارا پیچھا لے لے تو ہم چیخنے چلانے لگتے ہیں۔

☆......☆

محبت تمہارے بعد وہ بھی کسی اور سے

”بہت چھپی رستم نکلیں، شک تک نہ ہونے دیا۔“

شازیہ مصنوعی خفگی سے گھورتی چٹکی لے گئی۔

”کیا بتاتی ابھی تک تو باقاعدہ کوئی رشتہ نہیں ہوا۔“

بازو سہلا کر وہ مسکرا دی۔

”ان شاءاللہ وہ بھی ہو جائے گا، میں سر عرشان کی فطرت کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ اپنے فیصلے میں اٹل رہتے ہیں۔ اک بار کروڑوں کی ڈیل پہ لات ماردی تھی صرف اس لیے کہ ڈیل کرنے والے کا Attitude انہیں پسند نہیں آیا تھا۔ بعد میں وہ بے چارا معافیاں مانگتا رہا۔ سب نے سمجھایا مگر عرشان سر نہیں مانے۔“

شازیہ اسے گزرا واقعہ سنا رہی تھی۔ وہ دلچسپی سے سن کر سر ہلانے لگی۔

”ہاں، یہ تو ہے اپنی چلانے کی عادت ہر معاملے میں۔“

رات پھولوں والے واقعہ کو یاد کرکے مسکرا دی۔ اسی وقت عرشان ولی داخل ہوا تھا اس کا رخ ان دونوں کی طرف ہی تھا۔

”السلام علیکم سر!“

دونوں الرٹ ہوگئی تھیں۔ شیطان والا محاورہ اس گھڑی دونوں کو شدت سے یاد آ رہا تھا مگر افسوس بھی تھا کہ اس کی پرسنالٹی ذرا میچ نہیں کرتی تھی شیطان سے۔

”والسلام! آپ پہ سلام فرض نہیں؟“

شازیہ کے سلام کا جواب دے کر وہ شرارتی نظریں اس پہ جمائے کھڑا تھا۔ شازیہ نے بے ساختہ مسکراہٹ چھپائی۔ آنور کا جھکا سر مزید جھک گیا۔

”جی، السلام علیکم!“

شازیہ کی موجودگی میں عرشان ولی کا شریر انداز اسے خفیف سا کر گیا۔

”یہ جی السلام علیکم کیا ہوتا ہے؟“

وہ ہنس پڑا۔

”السلام علیکم!“

شازیہ کو ورزیدہ نظروں سے دیکھ کر اس کے کھلکھلاتے چہرے کو گھورنے لگی۔

”والسلام، اب بات بنی نا۔“

وہ مطمئن ہوگیا۔ شازیہ خود کو مس فٹ محسوس کرکے چلی گئی تھی۔

”آپ کو ذرا احساس نہیں لوگ کیا سوچیں گے؟“

وہ خفگی سے بولی۔

”مجھے لوگوں کی پروا نہیں۔ میرے لیے اہم یہ ہے کہ تم میرے لیے کیا سوچتی ہو۔“

وہ کسی بھی چیز کو خاطر میں نہ لانے والا تھا۔ وہ سر نفی میں ہلا کے رہ گئی ہے۔ اسی لمحے عرشان ولی کا سیل فون بجنے لگا تھا۔

”تم نے کیا بلیوں والی ناک لگا رکھی ہے جو آفس پہنچتے ہی کال کردیتے ہو۔ آفس میں ہی ہوں.....آنور

Ridadigest.com

کے پاس۔"
اس نے حسب عادت کال ریسیو کر کے بے ساختہ انداز میں گفتگو کا آغاز کیا۔ دوسری طرف یقیناً ولید تھا۔
آئنور بے ساختہ ہاتھ سے پیشانی مسلنے لگی۔
"یہاں سے نپٹ کر آتا ہوں تمہارے پاس۔"
اس کی مسکراتی نظریں آئنور کی خفگی بھری آنکھوں سے الجھی ہوئی تھیں۔
"تمہیں کیا ہوا؟"
وہ معصوم بن کر پوچھ رہا تھا۔ کال بند ہو چکی تھی۔
"سر ولید تھے نا؟"
وہ لب بھینچ کر پوچھ رہی تھی۔
"ہاں، اب کیا کر دیا میں نے؟"
آئنور کو بے چارگی سے سر ہلاتے دیکھ کر اس نے مزید معصوم شکل بنالی۔
"کچھ نہیں۔"
اس نے لب بھینچ لیے۔ اسے تنگ کر کے اسے بہت مزا آتا تھا۔ وہ زمانے کی فکر میں ہولتی رہتی تھی اور وہ اتنا ہی انہیں کسی گنتی میں نہیں گردانتا تھا۔
"ایسی سڑی ہوئی شکل بنا کر رکھو گی تو کون پاس پسند کرے گی۔"
وہ چھیڑ رہا تھا۔ آئنور کے کان کھڑے ہوئے۔
"مطلب کس نے پسند کرنا ہے؟"
اسے خطرے کی گھنٹی بجتی محسوس ہوئی۔
"میری والدہ محترمہ، گھر جلدی چلی جانا۔ مام آئیں گی باقاعدہ رشتہ لے کر۔"
وہ کہہ رہا تھا اور آئنور کو چپ سی لگ گئی تھی۔
"خوشی نہیں ہوئی؟"
وہ جھک کر اسے دیکھ رہا تھا۔
"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ آپ کی مام کو پسند نہ آئی تو......"
وہ اک دم سے خوفزدہ ہو گئی تھی۔ یہ جان کر کہ ماہ پارہ اس رشتے سے ناخوش ہیں۔ اپنی کم مائیگی کا سوچ کر اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ خوشی کا اظہار کیسے کرے۔ اسے تو دھڑکا لگ گیا تھا۔
"بیٹے کو تتلی پسند ہو، وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں۔ Don`t worry سارے خدشے کہیں پھینک دو۔ Trust me!"
وہ اس کے خدشے کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔ تب ہی اس کا رخسار تھپتھپا کر ولید کے روم کی طرف بڑھ گیا۔ آئنور نے بے ساختہ اس کی پشت کو دیکھا تھا۔ وہ اس سے دستبردار ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کے دل کو دھڑکے لگ گئے۔

☆......☆

حمنٰی تیار ہو کر نکل ہی رہی تھی جب شاہ میر لاؤنج میں انٹر ہوا۔ حمنٰی رک گئی۔

Ridadigest.com

"تم جلدی آگئے؟" وہ حیران تھی۔ اسے شاہ میر کی ٹائمنگ کا پتا تھا تب ہی اس نے حمزہ کے کہنے پر ہائی ٹی پلان بنالیا تھا۔ وہ اسے گھر نہیں بلانا چاہتی تھی وجہ ماہ پارہ کا رویہ تھا جو کسی آئے گئے کا بھی لحاظ نہیں کرتی تھیں اور اسے سبکی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔
"ہاں طبیعت تھوڑی ٹھیک نہیں تھی، تم کہیں جا رہی ہو؟" وہ اس کی تیاری کے پیش نظر پوچھ رہا تھا۔
"ہاں حمزہ کی کال آئی تھی hai tea پر اصرار کر رہا تھا۔ تم بھی چلو۔" اس نے سچائی سے گوش گزار کر دیا۔
"نہیں میں آرام کروں گا تم چلی جاؤ۔" اس نے انکار کر دیا۔
"اگر تمہاری طبیعت زیادہ خراب ہے تو نہیں جاتی منع کر دیتی ہوں۔" اس نے شاہ میر کا احساس کر کے اپنا پروگرام کینسل کرنا چاہا۔
"نہیں، تم لوگوں کا پروگرام خراب ہوگا۔ میرا ویسے بھی آرام کا موڈ ہے۔"
"اوکے میں جلدی آجاؤں گی۔" "تم میڈیسن لے کر آرام کرو۔" حمنٰی نصیحت کر کے چلی گئی تھی۔ شاہ میر کے چہرے پر سپاٹ تاثرات تھے۔

☆......☆

اس کے دل کو ایسی پکڑ دھکڑ لگ گئی تھی کہ پاؤں رکھ کہیں رہی تھی اور پڑ کہیں رہے تھے۔ آتے ہی اس نے سونی کو بتایا تھا تب ہی وہ ہاجرہ کی طرف دوڑی۔
"اماں! عرشمان بھائی کی مام باقاعدہ رشتہ لے کر آرہی ہیں۔"
"ہیں...... کب؟" ہاجرہ کے ہاتھ پاؤں بھی سن کر پھولنے لگے۔ ان کی نظریں بے ساختہ اکھڑی فرش پر پڑ گئیں۔ دیوار پر رنگ و روغن ہوئے سالوں ہو گئے تھے۔ پچھلے آٹھ سال سے وہ لوگ مقیم تھے بیچ میں تو کبھی نہ مالک مکان کو اس کا خیال آیا نہ ان کی حیثیت نے ہمت کی۔ بس گزر بسر ہو رہی تھی۔ بے رونق دیواریں، ٹوٹا پھوٹا فرش۔ یقیناً یہ گھر کسی طور عرشمان ولی جیسے بندے کے رشتے کے لحاظ سے موزوں نہیں تھا۔
"تھوڑی دیر میں پہنچ جائیں گی۔" خود سونی کی حالت خبر سن کر خراب ہو رہی تھی اور سامنے آئنور کا متفکر چہرہ بھی سامنے تھا۔ عرشمان ولی کے لفظوں پر یقین تو تھا مگر اس گھر کی اپنی کم مائیگی کا احساس بے چین کیے جا رہا تھا۔
"میں ذرا دوبارہ جھاڑو پوچا کر لیتی ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے ہی کیے تھے لیکن ہوا چل رہی ہے نا۔ روبی کو میں نے دوسرے کمرے کی صفائی پر لگا دیا ہے۔" سونی کہنے کے ساتھ ہی کونے میں پڑی جھاڑو اٹھا کر جلدی جلدی صحن میں مارنے لگی۔
"میں تمہارے ابا کو کیا بتاؤں گی۔ وہ تو سنتے ہی آپے سے باہر ہو جائیں گے۔" آئنور دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔ امی نے ہاجرہ کے سوال پر نظریں چرا لی تھیں۔ ایک لمحے میں خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ کسی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اسی لمحے دروازے پر دستک ہونے لگی تھی۔
"لگتا ہے آگئیں۔" سونی نے کہتے کے ساتھ ہی دو تین لمبے لمبے ہاتھ مار کر جھاڑو سے کچرا پلنگ کے نیچے دھکا دیا کہ انہیں سمیٹنے کا ٹائم نہیں تھا۔ ہاجرہ دروازے کی طرف بھاگی تھیں۔ آئنور دروازے کی آڑ میں ہو گئی۔
"یا اللہ!" اسے یہ زندگی کا مشکل ترین لمحہ لگ رہا تھا۔ ہاجرہ نے دروازہ کھول دیا۔ سونی نے بھی جھاڑو پلنگ کے نیچے ڈال کر ہاتھ جھاڑ لیے تھے کہ دھونے کا ٹائم کب ملا تھا۔ ہاجرہ نے دروازہ کھول دیا۔ دروازہ

Ridadigest.com

کھولنے پر جو ہستی نظر آئی اس کے کپڑوں شخصیت اور چہرے پر موجود رعونت سے ہاجرہ جیسی سیدھی سادھی عورت گھبرا گئیں۔
''آئنور یہیں رہتی ہے؟'' وہ تکبر بھرے لہجے میں استفسار کر رہی تھیں۔
''جی جی آئیے۔'' ہاجرہ نے سائیڈ ہو کر انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔ ماہ پارہ ساڑھی کا آنچل سنبھالے اندر آ چکی تھیں۔ ماہ پارہ بیچ صحن میں کھڑے ہو کر پورے گھر کا معائنہ کر رہی تھیں۔ سونی بھی چھپاک سے کچن میں گھس گئی تھی۔ آئنور دروازے کی جھری سے ماہ پارہ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی تھی۔
''کون آیا ہے؟'' قدوس صاحب کمرے سے نکل آئے۔ ہاجرہ پریشانی سے ہاتھ مل رہی تھیں۔ قدوس صاحب بھی ماہ پارہ کی پریشانی پر ایک لمحے کو چپ سے رہ گئے۔
''حیرت ہے، آپ کی بیٹی نے آپ کو میری آمد سے لاعلم رکھا۔'' تمسخر اڑاتے ماہ پارہ دو قدم آگے آئی تھیں۔
کان باہر لگائے آئنور بے ساختہ دیوار سے لگ گئی۔ اسے ان کے تیور کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے اوپر سے قدوس صاحب کی موجودگی اس کے تو پیر ٹھنڈے کر گئی۔ ڈرائیور پھلوں اور مٹھائیوں کے کئی ٹوکرے اندر لیے آیا۔
''آپ بیٹھیں نا!'' قدوس صاحب کی نظروں سے نظریں چرا کر ہاجرہ نے پلنگ کی چادر پھر سے جھاڑ کر اس کی شکنیں دور کرنا چاہیں۔
''آئنور کی بات کر رہی ہیں؟'' قدوس صاحب شک دور کرنا چاہ رہے تھے۔ ماہ پارہ نخوت سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھیں۔
''یہ آئنور کے باس کی والدہ ہیں۔ آئنور کے ... کر آئی ہیں۔'' ہاجرہ نے ہچکچاتے ہوئے بتایا۔
قدوس صاحب چونک گئے۔ انہیں اس معاملے کی بھنک تک ...
''آئی نہیں بھیجی گئی ہوں۔ بڑی اچھی تربیت کی ہے آپ لوگوں نے ... کی ہفتوں میں اس نے وہ کام کر لیا جو میں ایک عرصے سے نہ کر سکی۔ عرشان کو شادی پر راضی۔ کہاں تو وہ مان ... تھا اور اب ہتھیلی پر سرسوں جمانے کے لیے مجھے بھیج دیا۔'' طنزیہ لب ولہجہ، تمسخرانہ انداز آئنور لب چبانے لگی ... کا رنگ فق ہو گیا تھا۔
''آپ کے بیٹے نے بھلے آپ کو بھیجا ہو مگر ہم اپنی حیثیت کے لوگوں میں ہی آئنور کی شادی کریں گے۔''
قدوس صاحب کے چہرے پر غصیلے تاثرات آ گئے تھے۔
''پہلے اپنی صاحبزادی سے بھی پوچھ لیں۔ جس کی مرضی سے میں یہاں موجود ہوں۔ میں تو ہاں سن کر ہی جاؤں گی۔'' وہ ان کی ہنسی اڑا رہی تھیں۔
''آپ کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ ہماری طرف سے انکار سمجھیں۔'' ماہ پارہ کے انداز پر ہاجرہ کی انا بھی بلبلانے لگی تھی۔ وہ مسلسل جس قسم کی زبان استعمال کر رہی تھیں اس سے صاف ظاہر تھا وہ مجبوراً یہاں موجود ہیں۔
آئنور کے اندر جانے کہاں سے اتنی ہمت آ گئی تھی کہ وہ دروازے کی چوکھٹ پر آ کھڑی ہوئی۔
''آپ لوگ انہیں ہاں کہہ دیں۔ میں یہیں شادی کروں گی۔'' اس کی آواز پر ماہ پارہ نے سر سے پاؤں تک اسے دیکھا تھا۔
''تم اندر جاؤ۔'' قدوس صاحب غیض وغضب سے دہاڑے۔
''جا رہی ہوں لیکن آپ لوگ ہاں کہہ دیں۔'' وہ اڑی ہوئی تھی۔ اس نے آگے خاموش نظر ماہ پارہ کے پر تکبر چہرے کی طرف دیکھا پھر اندر پلٹ گئی۔

''اب بھی آپ لوگ انکار کریں گے..... کریں گے تو یقین جانیے مجھے بہت خوشی ہوگی۔'' ماہ پارہ طنزیہ مسکراہٹ لیے کھڑی تھیں۔ آئنور نے معمولی کپڑے پہن رکھے تھے مگر اس کی خوب صورتی نے ایک لمحے کو ماہ پارہ کی نظروں کو بھی کھٹکنے پر مجبور کر دیا تھا۔
ایک بار پھر اس کی تذلیل ہو رہی تھی۔ پہلے تو صرف اسی کی تذلیل ہوئی تھی اب کی بار تو اس کے والدین بھی بیچ میں آ گئے تھے۔ اس نے بے ساختہ سیل فون اٹھایا عرشان ولی کی کئی مس کالز تھیں۔
اس نے بے ساختہ اس کے نمبر پر re call کیا تھا۔
عرشان ولی جم میں ایکسرسائز کر رہا تھا۔ ماہ پارہ پہنچ گئی تھیں یا نہیں یہ جاننے کے لیے اس نے کئی بار کال کی تھی مگر کال pick نہیں ہوئی تھی اب جب بیل بجنے لگی تو اس نے روڈز کو سرعت سے چھوڑ کر کال ریسیو کی۔
''کیا ہوا زندگی! مام پہنچ گئیں؟'' وہ خوش دلی سے مسکراتے ہوئے استفسار کر رہا تھا۔
''آپ نے اپنی والدہ کو ہماری تذلیل کرنے اور ہماری غریبی کا تماشا لگانے کے لیے بھیجا ہے؟'' آئنور کے آنسو بہنے لگے تھے۔ روتی آواز میں اس نے شکایت بھرے لہجے میں سوال کیا تھا۔ عرشان ولی اس کی آواز کی نمی محسوس کر کے جیسے معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔ سائیڈ پر لٹکی جیکٹ اتار کر اس نے شولڈر پر ڈالی۔ سرعت سے بیگ کی زپ بند کرتے اس نے چلنا شروع کر دیا تھا۔
''مام ہیں ابھی تمہارے گھر؟'' اس کے چہرے پر ... تاثرات آ گئے تھے۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ کار تک آ گیا تھا۔ پچھلی سیٹ پر بیگ پھینک کر سرعت سے ... اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔
''جی!'' آئنور کی سسکی پر عرشان ولی کو اپنے اعصاب کھنچتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔
''اب چپ!'' محبت بھری دھونس سے کہہ کر اس نے کال ڈسکنیکٹ ... آئنور نے دروازے سے سر نکال کر دیکھا۔ ماہ پارہ صحن سے نکل رہی تھیں۔ وہ دیوار سے لگ گئی تھی۔ ... تھے۔ اس غریبی کے طعنوں جانے اور کہاں کہاں تذلیل ہونی تھی۔

☆......☆

ہاتھ کانٹوں سے کر لیے زخمی
پھول بالوں میں اک سجانے کو

''اسی دن کے لیے نوکری کے لیے نکلی تھی۔ ہمیں ذلیل کروانے کے لیے بلایا تھا انہیں۔'' آنسو بہاتی آئنور قدوس صاحب کے کٹہرے میں مجرموں کی طرح کھڑی تھی۔ روبی سونی دروازے سے چپکی کھڑی تھیں۔ ہاجرہ سر تھامے پلنگ پر بیٹھی تھیں۔ کسی طوفان کا پیش خیمہ محسوس کر کے ان کی ٹانگیں بری طرح کانپ رہی تھیں۔
''اور کرو بیٹی کے پیسے پر گھمنڈ، چڑھا دیا چاند بیٹی نے۔'' قدوس صاحب سخت تیوروں سے ہاجرہ کو گھور رہے تھے۔ ان کے لب سل گئے تھے۔ قدوس صاحب آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ ماہ پارہ کے تضحیک آمیز جملے سلگا رہے تھے۔
''تیری ہمت کیسے ہوئی عشق لڑانے کی؟'' قدوس صاحب جارحانہ تیوروں سے آئنور کی طرف بڑھے روبی سونی کی سراسیمہ سی آواز نکل گئی۔ ہاجرہ ان کے تیور دیکھ کر تیزی سے ان کے اور آئنور کے بیچ

Ridadigest.com

"ہٹ تو ورنہ تیری ہڈیاں بھی توڑ دوں گا۔" قدوس صاحب نے ہاجرہ کو پرے دھکیلتے ہوئے تیز آواز میں کہا۔ ان کی آواز اتنی اونچی ضرور تھی کہ دیوار کے پار پہنچ گئی تھی تب ہی دروازے پر زوردار دستک ہوئی تھی۔ سب ایک لمحے کو ساکت ہوگئے تھے۔ جیسے طوفان کے اٹھنے سے پہلے کا سناٹا چھا گیا تھا۔ دستک دوبارہ ہوئی تھی۔ اب کی بار انداز نارمل تھا۔ غالباً اندر کی خاموشی نے تقویت دی تھی۔ قدوس صاحب کے علاوہ اس دستک کو سب نے ہی موقع غنیمت جانا تھا۔ ہاجرہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تھیں۔

"السلام علیکم! میں عرشان ولی ہوں اندر آسکتا ہوں؟" بلیک جینز بلو جیکٹ میں شہزادوں کی سی آن بان لیے عرشان ولی دروازہ کھلنے پر اپنا تعارف کروا گیا۔ سب کی نظریں دروازے پر کھڑے یونانی وجاہت لیے شخصیت اور کھلے دروازے سے نظر آتی چمچماتی کار کو دیکھ رہی تھیں۔ آنور اسے دیکھ کر شاکڈ رہ گئی تھی۔ عرشان ولی کی نظریں سامنے دیوار [illegible] لگی آنور کے آنسو بہاتی صورت پر جمی تھیں سیدھے ہاتھ کی مٹھی بھینچ کر اس نے اجازت طلب نظروں سے ہاجرہ کو دیکھا تھا۔ ہاجرہ نے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ اندر داخل ہوکر وہ بیچ صحن میں آکھڑا ہوا تھا۔ ہاجرہ اور قدوس حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ روبی اور سونی ایک دوسرے کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔

"میں مام کے رویے کے لیے آپ سب سے معافی مانگنے آیا ہوں۔ ساتھ ہی اس وعدے کے ساتھ آنور کو مانگ رہا ہوں کہ پھر کبھی آپ لوگوں کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" وہی صحن جو کچھ لمحے پہلے قیامت سے پہلے قیامت برپا کرنے کا منظر پیش کر رہا تھا اب اسی میں ہر طرف ٹھنڈی پھوار پڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بادلوں جیسا شخص سب کے اعصاب کو قابو کرنے کا ہنر جانتا تھا۔ اس کے منہ سے نکلتے لفظ جیسے سب کی سماعت میں سحر بھر رہے تھے۔ "نہ تو میں آوارہ، رنگین مزاج ہوں نہ آنور کے لیے کوئی وقتی جذبہ ہے میرے دل میں۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔" اس کے لہجے کی سچائی اور شخصیت کے رعب نے قدوس صاحب کی زبان بھی تالو سے لگادی۔ آنور بس ٹکٹکی باندھے اس ساحر کی ساحرانہ باتیں سن رہی تھی۔ ہاجرہ کے چہرے پر ایک سکون پھیلتا جارہا تھا۔ ایسا سایہ دار شخص ان کی بیٹی کا طلب گار تھا۔ اپنی حیثیت رعب کو فراموش کر کے اپنی ماں کے رویے کی معافی مانگ رہا تھا۔ اس کی ذات کی اس سے بڑی سچائی اور کیا ہوتی۔

"آنور کی نسبت سے آپ لوگ میرے لیے محترم ہیں۔ اگر آپ کو اس رشتے سے کوئی مسئلہ ہے تو آنور کے بجائے مجھ سے سوال کریں۔ مجرم لگوں تو سزا بھی سنا دیں لیکن ہاتھ جوڑ کر التجا ہے آنور کو کچھ نہ کہا جائے۔" عرشان ولی ہاتھ جوڑ کر قدوس صاحب کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

"مجھے خبر ہے ایک مرد کی انا پر کیسی چوٹ پڑتی ہے جب اس کی بیٹی کے حوالے سے کوئی اس پر انگلی اٹھائے یا اسے باتیں سنائے۔" قدوس صاحب کے دل کو اس کی باتیں لگ گئی تھیں، وہ ہاجرہ کی طرف دیکھ رہے تھے جو مطمئن نظر آرہی تھیں۔

"آپ بیٹھیں بیٹا!" ہاجرہ پلنگ کی چادر درست کرتی جیسے عرشان ولی کی مانگ پر ہاں کی مہر ثبت کر گئی تھیں۔ عرشان ولی ساکت کھڑے قدوس صاحب کا ہاتھ پکڑ کر انہیں پلنگ تک لے آیا تھا۔ انہیں دونوں شانوں سے تھام کر پلنگ پر بٹھا کر وہ دایاں گھٹنا زمین پر لگا کر ان کے پیروں کے پاس بیٹھ گیا۔

"ارے آپ اوپر بیٹھیں بیٹا!" قدوس صاحب جزبز ہوکے ہمیشہ صاحب لوگوں کے جوتے سیدھے کرنے والے کے قدموں تلے آج ایک صاحب بیٹھا تھا۔ جہاں ان کی بلکتی عزت نفس کو راحت ملی وہیں نیچے بیٹھا شخص انہیں انسانیت کے لحاظ سے بہت اونچا لگا۔

"معاف کردیا نا آپ نے۔" عرشان ولی قدوس کے بوڑھے سوکھے ہاتھ اپنے ہاتھوں کے درمیان لیے کہہ رہا تھا۔ ان جھریوں زدہ ہاتھ کی سختی اور ان کی لکیریں گواہ تھیں کہ زندگی نے سخت آزمایا ہے انہیں۔ اپنے صحت مند اجلے ہاتھوں میں ان کے سلونے ہاتھ کو اس نے محبت و اپنائیت کے احساس سے گرمجوشی سے دبایا۔ قدوس صاحب جیسے ہارنے لگے تھے۔

"آپ اپنی والدہ کے رویے پر معافی مانگنے آئے ہمارے دل میں نرم گوشہ بن گیا ہے آپ کے لیے۔ بےشک آپ جیسا داماد ہر ماں باپ کی آرزو ہوتی ہے لیکن ہماری حیثیت......" قدوس صاحب حقیقت سے نظریں نہیں چرا سکتے تھے۔

"ابا! مجھے آپ لوگوں سے رشتہ جوڑ کر خوشی ہو رہی ہے تو آپ کیوں فضول باتیں سوچ رہے ہیں۔" اور قدوس صاحب سمیت سب اس کے منہ سے ابا سن کر جیسے مزید کچھ بولنے کے قابل نہ رہے۔

"سونی چائے بناؤ جلدی۔" ہاجرہ نے آنکھوں میں آئی نمی کو دوپٹے سے صاف کرتے مسکراتے ہوئے سونی کو اشارہ کیا تھا۔ سب کی آنکھیں خوشی کے آنسو سے جھلملانے لگی تھیں۔

"ابا! آپ نے آنور کو چپ کر کے کھڑا رہنے کی سزا دی ہے؟" وہ مسکراتے ہوئے اس کے سابقہ انداز کو دیکھ کر استفسار کر رہا تھا۔ قدوس صاحب پھیکے سے مسکرا دیے۔ آنور بھی جیسے حواسوں میں لوٹنے لگی تھی۔ اسے سب خواب لگ رہا تھا۔ وہ تیزی سے کچن میں چلی گئی تھی۔ جہاں روبی، سونی پہلے سے موجود تھیں۔ دونوں اسے دیکھتے ہی اس سے چمٹ گئیں۔

"کتنے ہینڈسم ہیں عرشان بھائی کیا پرسنالٹی ہے کتنی خوش قسمت ہو آپی!" سونی خوشی سے بے حال ہو رہی تھی۔

"چند لمحوں پہلے تک کتنا خوفناک منظر تھا۔ عرشان بھائی کی انٹری نے کیا رخ بدل دیا۔ ابا تو انہیں دیکھ کر جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔" سونی فرحت کے احساس سے لہرا رہی تھی۔ آنور نے کچن کی کھڑکی سے باہر صحن میں دیکھا۔ بڑا خواب ناک منظر تھا۔ عرشان ولی، قدوس اور ہاجرہ کے درمیان بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ سب کے چہرے پر نرم تاثرات تھے۔ وہ بے طرح مطمئن ہوگئی۔

"عرشان بھائی نے کیا فلمی ہیرو کی طرح انٹری مار کر سچویشن سنبھالی اور لفظوں کی سچائی سے قائل کر کے ہی دم لیا۔ بس ساس انڈین ڈراموں کی طرح ہے۔" سونی کے شگوفے پر تینوں کی ہنسی بے ساختہ چھوٹی جسے انہوں نے کھی کھی میں بدل دیا کہ کہیں باہر ان کی سرگوشی نہ پہنچ جائے۔

☆......☆

ماہ پارہ تنتناتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ ہاتھوں میں موجود انگوٹھیاں اتار کر انہوں نے ڈریسنگ ٹیبل پر پھینکی تھیں۔

"جاہل گنوار...... فقیر الحال لوگ کیسے مسکینی نے پھانس لیا میرے شہزادے جیسے بیٹے کو۔ چین سے جینے نہیں دوں گی۔ میرے بیٹے کو میرے خلاف کھڑا کر کے تم نے مجھ سے کھلی دشمنی لی ہے آنور۔ تمہاری خوشیوں کو ایسی چنگاری دوں گی کہ ساری زندگی سلگتی رہوگی۔" ماہ پارہ کے غصے کے تاثرات آسمان چھو رہے تھے۔ وہ اپنی اس ہار پر بلبلا رہی تھیں۔ اتنا سننے کے بعد بھی کس دیدہ دلیری سے آنور ہاں کرنے کا کہہ رہی تھی۔ وہ کھول رہی تھیں۔

☆......☆

پانا تو بہت کچھ تھا مجھے اپنی زندگی میں

Ridadigest.com

Ridadigest.com

مگرتم آئے تو حسرتیں تم ہی تک محدود ہوگئیں

''آپ کو عرشان کیسا لگا؟'' قدوس صاحب لیٹے ہوئے تھے۔ ہاجرہ ان کے سرہانے بیٹھی ڈرتے ڈر پوچھ رہی تھیں۔ آنئور مین گیٹ پر تالہ ڈالنے کے خیال سے اٹھی تھی۔ تالہ اکثر ہاجرہ ہی ڈال دیتی تھیں۔ لیکن ا ذمہ دارانہ فطرت سے مجبور وہ آخری بار سونے سے پہلے چیک ضرور کر لیتی تھی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ہاجرہ بھول جاتی تھیں۔ تب اس کی احتیاط پسندی کام آجاتی تھی۔ کمرے سے آتی ہاجرہ کی آواز پر اس کے قدم عرشان ولی نام سن کر رک سے گئے تھے۔

''کیوں چپ ہیں۔ طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟'' ہاجرہ بھی ان ہی عورتوں میں سے تھیں جو میاں کے ٹھڈ کھا کر بھی ان کی خاموشی پر پریشان رہتی تھیں۔

''عرشان کی اعلیٰ ظرفی، انکساری فطرت نے مجھے خاموش کر دیا۔ ہر آفس، ہر سگنل، ہر چوراہے پر غریبی کے ہاتھوں اتنا دھتکارا [illegible] ہوں کہ جب ایک امیر کبیر بندہ آ کے معافی مانگ رہا تھا تو جیسے میری برسوں سے پھڑ پھڑاتی انا کو تسکین مل رہی تھی۔ [illegible] پر برسوں سے جمی کڑواہٹ پر اس کے نرم لفظوں نے جیسے چاشنی رکھ دی ہو...... کبھی گمان نہ تھا کہ کوئی مجھ سے بھی [illegible] مانگ سکتا ہے۔ مجھے تو لگتا تھا غریب ہاتھ جوڑ کر پیدا ہوتا ہے اور رخصت بھی ہاتھ جوڑ کر ہی ہوتا ہے۔'' غربت کا گاڑھا فلسفہ قدوس صاحب کی زبان سے بیان تھا۔ ہاجرہ بھی سر ہلانے لگیں۔

''واقعی بہت منفرد مزاج ہے عرشان [illegible] تکبر نام کو نہیں۔ عزت رتبے کا احساس نہیں، ہم کتنے خوش نصیب ہیں قدوس صاحب کہ ہمیں ایسا داماد ملا۔'' ہاجرہ [illegible] رب العزت کی شکر گزار تھیں۔

''لیکن ماہ پارہ بیگم......!'' قدوس صاحب [illegible] میں تھے۔

''چھوڑیں انہیں۔ کون سی ساس بہو کو پسند کرتی [illegible] بہو کانٹے کی طرح چبھتی ہے۔ بھلے بیٹے کی پسند ہو یا خود کی۔'' ہاجرہ نے ہاتھ جھاڑے عرشان ولی سے [illegible] کے انداز و افکار نے انہیں جس طرح جیت لیا تھا اس پر وہ کسی طور اس رشتے سے پیچھے ہٹنا نہیں چاہتی تھیں۔

''آنئور کو کوئی پریشانی نہ ہو، ہماری بیٹیوں نے کب کوئی سکھ دیکھا ہے [illegible] بھی دکھی نہ ہوں۔'' قدوس صاحب کے لہجے میں پہلی فکر مندی محسوس کر کے آنئور کو بہت حیرت ہو رہی تھی۔

''عرشان ڈھال بن کر آنئور کے سامنے کھڑا ہے۔ ہمیں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ویسے بھی بڑے گھروں میں رہنے والوں کے پاس ٹائم نہیں ہوتا ایک دوسرے کے لیے۔'' ہاجرہ کو عرشان ولی کی سچائی اس کا مقدمہ لڑنے پر مجبور کر گئی تھی۔ یوں تو وہ خود ہی اپنی دلیل بہت اچھی طرح دے کے جا چکا تھا صرف دلیل نہیں وہ تو انہیں اسیر کر گیا تھا۔

''ہاں کہہ تو ٹھیک رہی ہو، یہ آنئور کی نیکی ہی ہے جو اسے ایسا ہم سفر مل رہا ہے ورنہ ہم کہاں اس کے لیے اتنا اچھا لڑکا ڈھونڈ سکتے تھے۔ روتے سسکتے زندگی گزرتی۔'' قائل ہونے والے لہجے میں کہہ کر وہ چپ ہوئے تو دونوں کو حیرت نے آلیا۔ یہ انداز یہ لب و لہجہ...... قدوس صاحب کا آنئور کے لیے تھا؟ وہ جو اتنا سب کرنے کے باوجود سب سے زیادہ ان کی جھڑکیوں کی زد میں رہتی تھی آج اس کے لیے ان کے لبوں سے نکلنے والے جملے انہیں حیران کر رہے تھے۔

''مجھے کبھی کوئی خوش گمانی نہیں رہی کہ میری بچی کا ایسے نصیب کھلے گا۔ بیٹیوں کے ساتھ سخت رویہ اسی لیے رکھتا ہوں کہ لاکھ برا سسرال ملے مگر میکے کے مقابلے میں انہیں اچھا لگے، پرسکون لگے۔ زندگی کاٹ لیں۔ ورنہ

نے اپنی بچیوں کو دیا ہی کیا ہے۔ دکھ، محرومی، تنگ دستی......'' زندگی کی کڑواہٹ لہجے میں بھر گئی ہے۔ چپڑاسی ب سن سن کر اپنا نام تک بھول گیا تھا۔'' قدوس صاحب کی آنکھ سے ایک آنسو نکل آیا تھا۔ ہاجرہ حیرانی سے ن رہی تھیں۔ دیوار سے پشت ٹکائے آنئور کی آنکھیں بھی برسنے لگی تھیں۔

''آنئور سے زیادہ سخت رویہ اسی لیے رہا کہ بھلے وہ بیٹا بن کر میرا ساتھ دیتی رہی مگر تھی تو لڑکی ذات اگر جو کا ڈر دل میں نہ ہوتا اور اس کے قدم بہک جاتے، جب گھر میں بڑا بیٹا بھائی نہ ہو جو بہن کا سائباں ہوتا ہے پ پر دہری ذمہ داری آپڑتی ہے۔ چار بیٹیوں کا باپ کہلوانا آسان نہیں ہاجرہ بیگم یہ بات تم بھی بہت اچھی ح جانتی ہو۔'' قدوس صاحب جیسے آج اپنا دل کھولے بیٹھے تھے۔ ہاجرہ انہیں یوں دیکھ رہی تھیں جیسے پہلی بار ہوں۔ حقیقت ہے انسان پیاز در پرت ہے پہلے پرت کو دیکھ کر اندازہ لگانا بے کار جاتا ہے جب تک سارے ت نہ اتر جائیں کیونکہ ہر پرت دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

''سخت لفظوں کے پیچھے آپ نے خود کو چھپا رکھا ہے قدوس صاحب میں آج تک نہ سمجھ سکی آپ کو۔'' ہاجرہ ی آنکھیں نمناک [illegible]۔

☆......☆

فرہاد صاحب اور شاہ میر لاؤنج میں براجمان تھے تبھی عرشان ولی داخل ہوا۔ چہرے پر بے حد سنجیدگی تھی۔

''السلام علیکم!'' وہ ان کے [illegible] براجمان ہو گیا تھا۔

''سنجیدہ کیوں ہو بھئی مٹھائی بانٹو۔'' شاہ میر نے خوش دلی سے کہا وہ ذرا سا مسکرا کے رہ گیا۔

''ڈیڈ مام نے بہت تذلیل کی آنئور اور [illegible]۔'' وہ شکایت کر گیا۔ فرہاد صاحب نفی میں سر ہلا کے رہ گئے۔ شاہ میر بھی ہونٹ سکیڑ گیا۔

''جانے کون سا دماغ پایا ہے اس عورت نے......'' فرہاد صاحب [illegible] سف سے کہہ رہے تھے۔

''آنئور اور اس کی فیملی کی تذلیل میری تذلیل ہے ڈیڈ...... مام کو [illegible] راضی کرنا ہوتا یا ان کے خلاف ا کر شادی کرنا ہوتی تو وہ میں پہلے بھی کر سکتا تھا لیکن میں نے ان کے انداز [illegible] یہاں سے جانے کا فیصلہ لیا تھا۔ آپ نے کہا تھا آپ سب سنبھال لیں گے اگر مام اسی طرح [illegible] ان کی غربت کو نشانہ ئی رہیں تو میں یہ سب برداشت نہیں کر سکوں گا۔'' شکایتی انداز میں کہتے ہوئے [illegible] اس نے اپنا یصلہ بھی سنا دیا۔

''Don,t worry آئندہ ایسا نہیں ہوگا You know تمہاری مام کی فطرت ہے...... بدلنے میں ٹم لگے گا۔'' فرہاد صاحب نے یقین دلایا، عرشان ولی کے بے لچک انداز نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ آنئور کی زت کے معاملے میں کوئی کمپرومائز نہیں کرے گا اور کرنا بھی نہیں چاہیے کہ جس سے محبت ہو اس کی عزت سب سے پہلے معنی رکھتی ہے۔

''Don,t take tention مام سیٹ ہو جائیں گی۔ جب میں نے حمنیٰ کا نام لیا تھا تب بھی انہوں نے ور مچایا تھا جب کہ کلاس حمنیٰ کا ایشو نہیں تھا۔'' شاہ میر نے بھی سمجھانا چاہا۔

''بالکل بہو، ساس کے لیے Psychologycal case ہے۔'' فرہاد صاحب نے بھی اہم نقطے کی رف متوجہ کیا۔ عرشان ولی چپ ضرور ہو گیا تھا مگر اس کی سوچ اٹل تھی۔ یہ سب جانتے تھے۔

(جاری ہے)

Ridadigest.com

فریدہ فرید

ناز فتح

کیا وہ ہار چکی تھی؟

دل و دماغ کو باور کراتے اسے کئی گھنٹے بیت چکے تھے مگر دل تھا کہ تڑپے جاتا تھا اور دماغ تھا کہ دلائل کے گنج میں الجھا ہوا تھا وہ کیسے یقین کر لے کہ عالم افروز اسے ہار سے ہمکنار کر گیا تھا وہ شخص جس نے اسے جینا سکھایا تھا ہر قدم ... کو اس کا مقدر بنایا تھا۔

...عالم افروز باعث شکست بن گیا تھا جبکہ وہ ناز فتح تھا غنچہ عالم کا۔

...کئی گھنٹوں کی جان لیوا سوچوں اور مسلسل برستی آنکھوں نے غنچہ کو نیم جاں سا کر دیا تھا۔ وہ سونا چاہتی تھی ...باوجود شدید خواہش کے نیند ایسے ہی روٹھی ہوئی تھی جیسے عالم افروز کے زندگی میں آنے سے قبل وہ ...روں کو ترسا کرتی تھی۔ اسے روم روم سے صدا آرہی تھی کہ اپنی حیات کی پہلی بھرپور نیند غنچہ نے عالم افروز ...باہوں میں ... تھی اور آج یہ باہیں وہ ہار چکی تھی۔ وفا کا پنچھی کسی اور منڈیر پر رخت سفر باندھ چکا تھا۔ غنچہ ...ں نیندیں ایک بار ... پردیسی ہو گئی تھیں جیسے کوئی بہت اپنا پردیس جا کے آنکھوں سے دور ہو جاتا ہے۔ ...بہت اپنا" کے ذکر ... آہ برآمد ہوئی تھی غنچہ کے لبوں سے، عالم افروز سے بڑھ کر دنیا میں کون اس کا ...تھا اور اس بہت اپنے کو ... مان داروں نے نہیں خود غنچہ عالم نے ہار دیا تھا محض ایک شرط کے عوض۔

مکمل ناول

☆......☆

مذاق عشق بدل دے مزاج کون و فساد
دلوں تک آئے جو غم بھی تو خوشگوار آئے

عالم افروز نے دو انگلیوں سے اس کے لبوں کے درمیان مسکراتی لکیر کھینچی تھی اور کتاب زندگی کا سب مشکل سبق پڑھایا تھا، مشکل تو کیا نا ممکن لگتا تھا غنچہ امین کو مسکرانا، مگر عالم افراز کے لیے کچھ بھی ناممکنات سے نہ تھا۔

''عالم افروز! شاعری جھاڑنا بہت آسان ہے مگر حقیقتاً ایسا کچھ کرنا سہل نہیں۔ دادا ابو میری زندگی کا واحد سہارا، کل ان کا بائی پاس آپریشن ہے اور میرے پاس ہنوز رقم مکمل نہیں اور تم کہہ رہے ہو غم میں سے خوشگوار پہلو تلاش کروں، کیسے؟''

غنچہ امین نے میز پر دھرے منوں کے حساب سے کاغذوں پر ہتھیلی، مکے، کلائیاں جانے کیا کیا مار کر بالآخر اپنا سر گرا دیا تھا۔ سر کے بل دھرنا دیئے عالم افروز نے اپنی ہتھیلی اس کے گھنے بالوں پر ٹکا دی تھی جس کی تیسری انگلی میں غنچہ کے جملہ حقوق محفوظ کرنے کا اجازت نامہ بطور انگوٹھی چمک رہا تھا۔ ایک ہفتہ قبل ہی تو یہ حسین واردات پوری شان و ایمان کے ساتھ انجام پائی تھی۔ عالم افروز کی مکمل اور طویل فیملی لسٹ اور غنچہ امین کی مختصر دادا جی کے نحیف وجود کی بھرپور تعلیم... تلے عالم افروز تک رسائی پا چکی تھی۔ افتح الباب کے لیے صبر کے ساتھ انتظار مطلوب تھا۔

غنچہ امین کے والدین کے اچانک حادثاتی انتقال کے بعد دادا جی اس کا چھتنار تھے مگر دن بدن اس بوڑھے درخت کی جڑیں زمین دنیا سے اکھڑتی جا رہی تھیں۔ دادا جی کے بائی پاس آپریشن کے فوری فرمان کے جاری ہوتے ہی انھوں نے دل کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے میں دیر نہ کی۔ دادا جی اور ان کے فزیو تھراپسٹ کے درمیان کیا کھچڑی پک رہی تھی غنچہ لاعلم تھی مگر وہ اتنا ضرور جانتی تھی کہ پچھلے سال سے گھر کی ذمہ داریوں کا بیشتر بوجھ رفتہ رفتہ اس کے کندھوں سے کیسے سرکتا گیا تھا کیوں وہ سالوں سے اٹھائے دیتے گھر و باہر کے امور سے آزاد ہوتی جا رہی تھی۔ عالم افروز نے غیر محسوس طریقے سے اسے مصائب و مسائل سے بے پرواہ کر دیا تھا۔ یہ سب دماغی نہیں دلی محرکات تھے۔ نفسا نفسی کے اس دور میں کسی دوسرے کے لیے دماغ کہاں سکھاتا ہے، یہ تو دل ہی ہے جو من مانیاں کرتا ہے۔

''غنچہ! چاہے تمہاری پیشانی پر ان دو کے بجائے دس بل پڑ جائیں لبوں کو مسکراہٹ سے دور کرنے کے لیے کس کے بند کر لو تب بھی نہ تو تمہارے پرس کی رقم دوگنی ہو سکتی ہے اور نہ رقم کی بناء آپریشن ہو سکتا ہے تو پھر یہ مشقت کرنے کا فائدہ؟''

عالم افروز نے اس کی چڑھتی اترتی تیوری پر ملامت سے انگلی پھیری تھی۔ وہ فکر مندی کی انتہا پر تھی تو عالم افروز موڈ بدلنے پر کمربستہ، غنچہ امین کو ایک لمحے کے لیے بھی متفکر دیکھنا اسے گوارہ نہیں تھا۔ چشم و گوش و ہوش غنچہ کو مطمئن کرنے کے لیے وہ کن کن لوازمات سے کام نہیں لیتا تھا۔

''عالم! تم کس دنیا میں جیتے ہو۔ اگر فکر کرنے سے مسائل حل نہیں ہوتے تو آنکھیں موندنے سے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے کون سے معجزہ ہو جاتے ہیں۔ مجھے ایک لارج اماؤنٹ جمع کرانی ہے اور دستیابی کے ہر کونے کو آل ریڈی چھان چکی ہوں۔ میری جاب تو لونز Loans کی بدولت ویسے ہی ڈول رہی ہے

تمہاری جیب پر بھی میں بہت بڑن ڈال چکی ہوں اور اب بھی تم ہاسپٹل کے بل کے بجائے میرے ماتھے کے بل کی بات کر رہے ہو۔''

غنچہ بے بسی سے کراہ اٹھی تھی، عالم افروز کی مضبوط انگلیاں اپنے بالوں سے ہٹا کر اپنے تفکرات سے تخ... ہاتھ میں تھام لی تھیں، زبان ہی نہیں اس کی آنکھیں بھی یہی راگ الاپ رہی تھیں مگر کمال اطمینان تھا عالم افروز کے چہرے کے ہر خط سے عیاں تھا۔

''غنچہ یار! سب کونے کب خالی ہوتے ہیں، تم نے وہ مقولہ تو سنا ہوگا ''سب جنگل خالی نہیں ہوتے کسی جنگل میں شیر بھی ہوتا ہے'' تو بس یار ابھی ہمارے پاس ایک کونا باقی ہے۔''

عالم افروز کی بات کو بے دھیانی سے سماعت کرتی غنچہ چونک اٹھی تھی، کوئی امید کی کرن زبردستی چمکائی تھی عالم افروز نے۔

''کون سا جنگل، آئی مین کون سا کونا؟''

وہ بے صبرے پن سے ہی کھڑی ہو اٹھی تھی، مستعدی سے تصحیح کرتے ہوئے اپنے آفس کیبن کا میز پار کرتی سامنے کرسی پر سہولت سے براجمان عالم افراز کے پاس چلی آئی تھی جس کی آنکھیں اس پیش قدمی پر شرارت سے چمک اٹھی تھیں، جھٹ سے ہاتھ تھام کر خود سے قریب کیا تھا جسے غنچہ نے آنکھیں دکھا کر اور منہ بنا کر روکا تھا۔

''عالم.....''

''اوکے۔''

غنچہ کی تنبیہ سے اچھے بچے کی طرح سمجھتے ہوئے وہ فوراً سنجیدہ ہوا تھا۔

''غنچہ! تمہارے ہاتھ میں جو انگوٹھی ہے وہ تمہارے کام آ سکتی ہے۔''

عالم افراز نے اپنے ہاتھوں اس کی نازک انگلی میں ایک ہفتے قبل پہنائی انگوٹھی کی جانب توجہ مبذول کرائی تھی۔ وہ جانتا تھا یہ انگوٹھی بیش قیمت تھی، قیمتاً بھی اور کیفیتاً بھی مگر ان سے بھی قیمتی ایک چیز تھی اور وہ تھی غنچہ کی بے ریا مسکراہٹ۔

''مگر عالم وہ تو ہمارے.....''

غنچہ منمنائی۔

''ہاں ہمارے رشتے کی صرف ایک نشانی ہے، اصل نہیں، اور ہمارا رشتہ ان میٹلز (دھات) کا محتاج نہیں غنچہ! اس بات کا ایشو مت بناؤ۔ اصل چیز ہمارے پیاروں کی زندگی ہے جن کی دعائیں ہمارے رشتے کو خوش بختی عطا کریں گی اور اگر انگوٹھی پر کچھ موقوف بھی ہو تو کیا غم۔ عالم افروز کے پاس ابھی کونا جات موجود ہیں۔''

غنچہ کی بات کاٹ کر عالم افروز نے نہایت سبھاؤ اور دوٹوک انداز میں اسے مطمئن کر دیا تھا جس کے ماتھے کے بل کم ہو کر ایک آسودہ مسکراہٹ بن کر اس کے لبوں پر اتر آئے تھے۔ یہ پہلی بالمشافہ امداد تھی جو لفظوں اور آئیڈیاز کے ذریعے عالم افروز نے غنچہ امین کو فراہم کی تھی اور پھر تو جیسے اس کے لیے پاسبان بن گیا تھا۔ نہ فکر کی دھوپ اس تک پہنچنے دی نہ غموں کی بارش میں بھیگنے دیا۔

☆......☆

غنچہ بھیگ رہی تھی، آنسوؤں سے اور جل رہی تھی پچھتاووں سے۔ سوچوں کے تنگ گھیرے اس کی جان لے رہے تھے مگر اس ماہ پارہ کے پارہ پارہ وجود کو سمیٹنے والا ماہ پرست نجانے کہاں تھا۔ شاید سیماب کی بانہوں میں رقصاں محفل طرب میں مگن عالم افروز کو قطعاً یاد نہ ہوگا کہ شادی کے بعد انہوں نے کوئی رات ایک دوسرے کے بنا نہیں گزاری تھی اور یہ اصول عالم افروز نے خود شب عروسی میں طے کیا تھا اور تین سالہ رفاقت میں نہایت دیانتداری سے نبھایا تھا۔ وہ مانند ظروف بجتے بھی تھے اور مانند چونچ الجھے بھی جاتے تھے مگر ریاضی کے سوال کی مانند شب کو حل ہوئے بنا نہیں سوتے تھے۔

مگر وہ معاہد کچھ دیر قبل غنچہ کی مرمریں بانہیں اپنے کندھے سے جھٹک کر جا چکا تھا۔ غنچہ چند گھنٹوں قبل کے سانحے پر ماتم کرتی یا چند سالوں کے اختلاط راز و نیاز فراموش کرتی، یک بیک عالم افروز کا اجتناب اور اس کے آشیانے میں اترتی رات بنا عالم افروز کے وہ کیسے سحر کرے گی وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

☆......☆

"آہ غنچہ! بہت چکر آرہے ہیں طبیعت بہت خراب ہے۔"

عالم افروز کی آہ و بکا مسلسل جاری تھی۔ ایسے بولنے کا بخار تو ہمہ وقت رہتا تھا مگر معمولی سی حرارت میں یہ بخار وائرل کی شکل اختیار کر لیتا تھا پھر جو دہلانے اور کراہنے پر آتا تھا تو غنچہ کو بیمار کر کے ہی دم لیتا تھا۔

"عالم! آفس ٹائم نکل چکا ہے پلیز اب پرسکون ہو جائیں۔"

شادی کے بعد ایک ماہ کی چھٹی اختتام پذیر ہو چکی تھی مگر عالم کا بخار وصل اترنے کو تیار نہ تھا۔ بچوں کی طرح وہ صبح میں شدید نڈھال ہوتا تھا، باقی دن بھر اس کی پھرتیاں دیکھنے لائق ہوتی تھیں۔ تھرمامیٹر میں فیور آتا نہیں تھا، دیکھنے میں وہ بیمار لگتا نہیں تھا مگر غنچہ کے ہاتھ اپنے چہرے پر لگا کے لمبی لمبی طویل علامات بیان کرتے وہ تھکتا نہیں اور غنچہ کے پاس یقین کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا تھا۔

"عالم آپ کی گورنمنٹ کی نہیں، پرائیویٹ جاب ہے اور میری جاب کے پیپرز پر آپ نے سائن پہلے کروائے تھے بعد میں نکاح نامے پر، اب بتائیے ایسے کیسے گزارا ہوگا۔"

غنچہ اس کے سر کو اپنے گھٹنوں سے ہٹانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بمشکل نرمی سے سمجھا رہی تھی۔ یہ کوشش وہ پچھلے تین دن سے کر رہی تھی۔ نہ تو وہ آفس جانے کو تیار ہوتا تھا نہ ہی اسے جبریہ تیمارداری سے ریٹائرمنٹ دیتا تھا۔

"گزارا ہو تو رہا ہے۔ بس تم اور میں ہوں، ہمارا آشیانہ ہے، موسم بہار ہے، گلوں پہ بھی نکھار ہے، ترنم ہزار ہے، فضا بھی......"

عالم کے بہتے سروں کو غنچہ نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر روکا تھا کیونکہ وہ بہکنے میں وقت نہیں لیتا تھا۔

"عالم جی! یہ جو آپ مبتلائے بخار ہیں اس کا کوئی علاج بھی ہے۔ گر ہے تو مجھے اس ڈاکٹر، حکیم، پیر، فقیر، عامل کا پتہ بتا دیں، نہیں تو میں گزرنے والی ہوں۔"

غنچہ نرم گرم ہر انداز سے اسے سمجھا چکی تھی مگر مریض کے کان شاید پہلے بند ہوئے تھے اور زبان بعد میں رواں۔

"میں بیمار عشق ہوں، میرا طبیب میرے سامنے ہے، میرا علاج دیدار یار ہے۔"

عالم افروز اس کا چہرہ ہاتھ میں لیے سحر آفرین لہجے میں گویا ہوا۔ جذبہ تھا تو دل موہ لینے والا تھا گر لفاظی تھی تو

حد دلفریب۔ غنچہ تیرنا جانتی تھی مگر ڈوبنے سے خود کو روک نہ پائی۔

"میڈیسن لینے کے کوئی اوقات بھی مقرر ہیں یا ان لمیٹڈ ہیں؟"

غنچہ کی نحیف سی کپکپاتی آواز ابھری تھی جس کا جواب عالم افروز نے سرگوشی میں دیا تھا۔

تشخیص بجا ہے کہ مجھے عشق ہوا ہے
نسخے میں لکھوا ان سے ملاقات مسلسل

عالم افروز کے بخار عشق میں ہر روز اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ وہ موسم کی طرح نہیں تھا جو بدل جاتا۔ وہ کچا رنگ بھی نہیں تھا جو اتر جاتا۔ وہ بادل بھی نہ تھا جو برس کے گزر جاتا۔ وہ آسمان عشق تھا، پختہ در اور سالم، یہ غنچہ کے ہر گزرتے پل کی سوچ تھی عالم افروز کی چاہت بڑھتی تھی تو غنچہ کا یقین کامل تر کا درجہ حاصل کرتا تھا مگر اس کے یقین میں دراڑیں پڑ گئی تھیں، صرف دراڑ ہی کیا اس کے آنسوؤں میں اس کا اعتماد و یقین پانی بن کر بہہ رہا تھا۔ کیونکہ اس نے اپنے پیار کو آزمایا تھا۔ اس نے بیمار عشق کو دوائے آزمائش پلائی تھی اور یہ سب سیماب کی تشخیص تھی۔ کاش کہ وہ سوچ کے نہ آئی ہوتی گر آ بھی گئی تھی تو غنچہ اس کی باتوں میں نہ آئی ہوتی۔

☆......☆

"غنچہ، سیماب، رعنا، مائدہ، "We all we here

مائدہ نے کنفرم کیا تھا، رعنا کی چیخیں بلند ہوئی تھیں، غنچہ جذباتی ہو کر اچھلی تھی نتیجتاً زمین بوس ہو چکی تھی مگر سیماب چیونگم چباتی کمال بے پروائی سے کھڑی تھی۔

انٹرمیڈیٹ کالج کی فریشرز لسٹ میں اسکول فیلوز کے ایک ساتھ نام دیکھ کر وہ لوگ بے حد خوش تھیں کہ اب بقیہ دو سال بھی وہ ایک ساتھ گزارنے والی تھیں۔

"سیماب! اتنی بوگس مارک شیٹ کے ہوتے ایڈمیشن لسٹ پر اپنا نام دیکھنا کرامت ہے یار۔"

رعنا نے سیماب کے مطمئن انداز کو تعجب سے دیکھا اور استہزائیہ دریافت کیا تھا۔

"Because تمہارا ایڈمیشن ہونا کرامت وغیرہ ہوگا میرا تو کنفرم تھا۔ ایک تو میری مارک شیٹ تم سب سے بہت بہتر ہے اور سیکنڈ میرے فادر کی سورس، اس لئے مجھے تم لوگ اپنی سیلیکشن سے الگ رکھو۔"

سیماب نے اپنے مخصوص بے نیازانہ انداز میں انہیں جتایا تھا۔ وہ آج تک نہیں جان پائی تھیں کہ سیماب ان کے گروپ کا حصہ تھی ہی کیوں؟ کیونکہ فنانشلی بھی وہ ان تینوں کے لیول سے میچ نہیں کرتی تھی اور مینٹلی بھی اس کا انداز الگ ہی ہوتا تھا۔ پھر بھی وہ اسکول ٹائم سے ان کے گروپ کا حصہ تھی۔

"اور غنچہ! تم نے ایڈمیشن تو لے لیا، آگے کا سوچا ہے فیس کیسے کرو گی؟"

سیماب نے غنچہ کو تمسخرانہ مخاطب کیا تھا۔ یہی مخاطبت اس کی اسکول میں بھی ہوا کرتی تھی۔ غنچہ مالی لحاظ سے ان تینوں سے زیادہ ویک تھی۔ مرحوم والد کی پنشن اور فرسٹ فلور کے رینٹ سے اب تک تو معاملات چل ہی رہے تھے مگر حقیقت یہی تھی کہ اب اخراجات سر پر چڑھ کر ناچتے تھے۔ انہی فکروں نے غنچہ کی ایسی زبان بندی کی تھی کہ وہ کبھی بھی سیماب کو درست پیرائے میں جواب بھی نہیں دے پاتی تھی۔

"میں نے پلان بنا لیا ہے، میں جاب کروں گی اور اپنی اسٹڈی کمپلیٹ کروں گی۔"

غنچہ نے سادہ لہجے میں اعتماد کے ساتھ جواب دیا تھا، وہ صاف دل کی لڑکی تھی سو سیماب کا طنز بھی اسے فکر دکھائی دیتی تھی۔

Ridadigest.com

"کیوں نہیں غنچہ! اس تھرڈ گریڈ کے میٹرک اور سپر بوگس مارک شیٹ کے ساتھ تمہیں کسی بھی ملٹی نیشنل میں earily چیف ایگزیکٹو کی جاب مل جائے گی keep it up فرینڈ۔"

سیماب نے باقاعدہ انا ؤنس منٹ اسٹائل میں اسے جتایا تھا اور یہ کوئی پہلی مرتبہ نہیں تھا۔ وہ رعنا اور مائدہ کے ساتھ بھی زیادہ فرینڈلی نہیں تھی مگر غنچہ کے ساتھ اس کا رویہ عامیانہ ہی ہوتا تھا۔ وہ غنچہ کو اس کی اوقات یاد کرانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔ غنچہ کا ذہن مسائل اور ان کے حل کے بابت اتنا الجھا رہتا تھا کہ اسے چاہتے ہوئے بھی کوئی سیر حاصل جواب نہیں سوجھتا تھا، سو وہ واک آؤٹ کی روش اپنائے رکھتی تھی۔

☆......☆

غنچہ غیر معمولی حسن کی حامل نہیں تھی۔ سادہ پیرہن، تفکرات سے سجی پیشانی، بے رنگ فربہی ہونٹ، کھڑی ناک اور بے رونق آنکھوں کی طرح بے داغ چمکتا رنگ، وہ ایوریج لوگوں میں شمار ہوتی تھی۔ گھر میں بیمار دادا کا وجود اور گھر سے باہر دو دوستوں کے علاوہ اس کی دنیا میں اور کچھ نہیں تھا۔ ہفتہ میں ایک بار اچھا طعام اور سال میں ایک بار ذرا مہنگا سوٹ یہ اس کی واحد عیاشی قرار پاتا تھا۔ اس کے ذہن میں سوائے اس کے کہ ہر ماہ فیس جمع کرالے اور کوئی مستقبل کا خاکہ نہیں بنتا تھا۔

عبدالواسع کی اس کی جامد زندگی میں آمد زیادہ زوردار نہیں تھی مگر خلاف توقع ضرور تھی۔ وہ کلاس کا کوئی ٹاپ کلاس اسٹوڈنٹ نہیں تھا نہ یہ کہ ہر صنف نازک کی نگاہ میں خاص ترین پھر بھی اس کی غنچہ میں دلچسپی نہ تو کسی کی نگاہ سے چھپی رہ سکی اور نہ ہی خار بن کر کھٹکنے سے بچ سکی۔

"آج غنچہ نہیں آئی۔ اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟"

غنچہ کو مؤکل (چھٹی) کے مؤکلات چمٹے ہوئے تھے۔ وہ حاضری رجسٹر کو شرف بخشتی تھی مگر اتنی فکرمندی سے اس کے نہ آنے کا سبب کبھی دریافت نہیں کیا گیا تھا۔ رعنا اور مائدہ کی معنی خیز سیٹی نما "اوہ" بڑی واضح تھی مگر عبدالواسع کو دیئے گئے جواب کی توقع کسی کو نہ تھی۔

"جاؤ اسے ایمبولینس میں ڈال کر لے آؤ کمنگ سون ڈاکٹر comming soon dr."

سیماب نے مخصوص اسٹائل میں اسے لتاڑا تھا۔ اس کے لہجے کی کڑواہٹ سمجھ سے باہر تھی۔

"کیوں؟ کیا سیریس کنڈیشن ہے۔"

عبدالواسع اچانک حملے سے بوکھلا گیا تھا۔ فرق کرنا مشکل تھا کہ وہ سیریس کنڈیشن کے متعلق پوچھ رہا تھا کہ بتا رہا تھا مائدہ اور رعنا لوٹ پوٹ ہو گئی تھیں۔

"سیماب میں نے سمپل سوال کیا تھا اور تم نے......"

"عبدالواسع میں نے سمپل ہی جواب دیا ایسے ہی سمپل جیسے کہ تمہاری غنچہ۔"

سیماب نے عبدالواسع کی خفگی سے پر بات کاٹ کر جیسے مزید چھڑکاؤ کر دیا تھا "تمہاری غنچہ" تو عبدالواسع کو غرق کر گئی تھی۔ ذرا سی طبیعت دریافت کرنے پر ایسا ری ایکشن وہ اچھا خاصا برہم دکھائی دینے لگا۔

"سیماب آئی تھنک ٹریٹمنٹ کی ضرورت تمہیں ہے۔ سو ایمبولینس میں تمہیں ہی لے جاتا ہوں۔"

عبدالواسع نے تپ کر جواب دیا تھا۔ اپنی دانست میں وہ سیماب کو منہ توڑ جواب دے کر لوٹ گیا تھا یہ اور بات ہے کہ سیماب کے منہ پر مائدہ کے رکھے ہاتھوں نے اس کی بچت کرادی تھی۔

☆......☆

"سیماب کے ساتھ آخر پرابلم کیا ہے، جب دیکھو زہر اگلتی رہتی ہے۔"

غنچہ کو ساری کارروائی کی خبر ملتے ہی اس کی ناراضی بجا تھی اس کے لیے عبدالواسع کا ضرورت سے زیادہ مائل ہونا زیادہ معنی نہیں رکھتا تھا مگر اپنی دوست کا بے وجہ تغافل ضرور توجہ طلب تھا سو وہ سیماب کے سامنے تو نہیں رعنا اور مائدہ کے سامنے کہہ اٹھی تھی۔

"ویری سمپل یار! اسے تمہارا فرنٹ پیج پر آنا پسند نہیں ہے۔ وہ تمہیں انڈر اسٹیمیٹ کرتی بھی ہے اور سمجھتی بھی ہے۔"

رعنا نے بھی جواب تک سمجھا تھا اظہار کر دیا تھا۔ عبدالواسع کی غنچہ میں دلچسپی کوئی بہت بڑی بات نہیں تھی مگر ان کے گروپ میں سے غنچہ ہی کیوں؟ جبکہ سیماب ہر لحاظ سے ان سب سے برتر تھی۔ یہی زعم سیماب کے لہجے سے چھلکتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ غنچہ اور عبدالواسع کی منگنی کے فنکشن میں سیماب نے شرکت نہیں کی تھی۔ بہت سادہ اور مستعد روش اپنائی تھی عبدالواسع نے۔ غنچہ کو اپنے جذبات سے آگاہ بھی کیا تھا اور بات چیت کے دیگر ذرائع بھی اختیار کیے تھے مگر غنچہ کی لیئے دیئے والی فطرت نے اسے زیادہ آگے بڑھنے نہیں دیا سو سیکنڈ ایئر کے اختتامی مراحل میں اس کے والدین اور دادا جی کی باہمی رضامندی سے ان دونوں کی نسبت طے پائی تھی۔ رعنا اور مائدہ نے بھرپور انداز میں شرکت کی تھی۔ وہ دوست کی حیثیت سے سیماب کو بھی انوائٹ کرنے خود اس کے پاس گئی تھی مگر پژمردہ لوٹ کے آئی تھی۔ سیماب نے ازلی متکبرانہ انداز میں اسے باور کرایا تھا۔

"غنچہ زیادہ ارینج منٹ مت کرو، کچھ ہی دنوں میں تمہیں ان لوگوں کا الگ ہی انداز میں سامنا کرنا ہے۔ جتنے کم پرسن اتنا ہی کم ری ایکشن ہوگا۔"

غنچہ کے سر کے اوپر سے یہ بات گزر گئی تھی۔ وہ جان نہ پائی کہ سیماب کے کہنے کا مطلب کیا تھا؟ ہاں ایک بات سیماب نے صاف لفظوں میں کہی تھی کہ وہ اس فضول رسم میں شرکت نہیں کرے گی۔

بہر حال غنچہ اور عبدالواسع نے ایک نئے سفر کا آغاز کیا تھا مگر غنچہ کو سیماب کی بات چند ہی ماہ میں پورے سیاق وسباق کے ساتھ سمجھ میں آ گئی تھی جب عبدالواسع نے منگنی توڑ دی تھی۔

☆......☆

عبدالواسع نے ایسا کیوں کیا تھا، وہ نہ جان پائی اور نہ جاننے کی کوشش کی کیونکہ پری میڈیکل میں وہ واجبات مکمل نہ ہونے کی بنا پر داخلہ نہ لے پائی تھی۔ سیماب، رعنا اور مائدہ تعلیمی مراحل میں آگے بڑھ گئی تھیں اور وہ اسٹڈی ادھوری چھوڑ کر ٹائپسٹ کی جاب کرنے لگی تھی۔

بے حلاوت اوقات کار میں وہ مثل نکہت مستانہ ڈھلتی جا رہی تھی کہ سندیسۂ بہار لے کر عالم افروز اس کی زندگی میں آیا تھا۔

سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
تو اس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں

غنچہ کے بالوں سے کچرا اتارتے وہ اپنے مخصوص انداز میں جلوہ افروز ہوا تھا، جو ناک چڑھاتی اس کے ہاتھ سے کچرا جھپٹنے لگی تھی۔ عالم افروز کی عادت مخصوصہ تھی وہ اس کے بال سمٹے نہیں رہنے دیتا تھا۔ وہ جب

Ridadigest.com

تک گھر میں رہتا تھا اسے دنیا و مافیہا سے بے خبر رکھتا تھا۔ موبائل، ٹی وی مکمل آف رہتے تھے اور ملازمین عالم افروز کی آمد سے قبل اپنے کام نمٹا جاتے تھے۔ غنچہ کو کوکنگ کا شوق تھا مگر عالم افروز کے نزدیک کوکنگ ویسٹ آف ٹائم تھا۔ وہ کچھ بھی پکائی وہ کھانے سے زیادہ لیکچر دینے میں وقت گزارتا کہ جو وقت غنچہ نے کچن میں صرف کیا وہ عالم افروز کی سنگت میں گزرتا تو اس کے فوائد ناگزیر ہوتے۔ سب سے بڑا فائدہ تو چند ماہ کا عبود تھا جو دونوں کی محبت کا امین تھا۔ دوسرا فائدہ غنچہ کی کھلکھلاتی آواز ہوتی جو تمام گھر میں گونجتی تھی۔ عالم افروز اپنے چٹکلوں سے اسے شاداں کیے رکھتا۔ وہ کم گو اور متفکر ہستی کہلاتی تھی مگر عالم افروز نے اسے سرتاپیر بدل دیا تھا۔

"عالم! آپ کی دیوانگی اور آپ کے دیوان سب کچھ دلکش ہے۔"

غنچہ اسے سراہے بنا رہ نہیں پاتی تھی۔ وہ ساون بھادوں برستا تھا تو ٹپ ٹپ مینہ کی مانند وہ بھی برس جاتی تھی۔

"غنچہ! دیوانگی اور دیوان الگ الگ نہیں۔ جب دیوانگی حد سے بڑھ جائے تو دیوان جنم لیتے ہیں۔"

عالم افروز کو باتیں کرنے کا مرض تھا۔ وہ کئی کئی گھنٹوں باتیں کرتے تھے اور تھکتے نہیں تھے، حتیٰ کہ عبود عالم بھی قلقارتا اپنے انداز میں محو گفتگو رہتا تھا۔

آج تو عبود عالم بھی خاموش تھا، شام سے اس نے کوئی توتلی بات نہیں کی تھی۔ نہ ننھی شرارت ہی وارد ہوئی تھی۔ غنچہ شب ملال گزار رہی تھی۔ اس کی تڑپ بھی بجا تھی عبود عالم تو عالم افروز کا خون تھا۔ خون اور کھال میں کیا جدائی؟ پھر اس کی چپ کی کیا وجہ تھی؟ عالم افروز سیماب کی دعوت پر اس کے گھر پارٹی پر گیا تھا۔ غنچہ کے روکنے کے ہر حیلے کو ناکام بنائے وہ اس کی بانہیں جھٹک کے چلا گیا تھا وہی بانہیں جنہیں وہ اپنے گلے کا ہار بنائے اسے تمام امور سے غافل بنائے رکھتا تھا۔

غنچہ شکست خوردہ تھی۔ سیماب ایک بار پھر فاتح۔ یہی تو وہ دعویٰ تھا جو سیماب نے خود پرستی کے زعم میں کیا تھا اور پچھلی بار غنچہ نے اس کی پر یقین اور پرزور مخالفت کی تھی اور اپنی فتح کی قبل از وقت نوید سنائی تھی کیونکہ عالم افروز اس کا ناز فتح تھا مگر وہ ایک بار پھر ہار گئی تھی کیونکہ اس نے عالم افروز کی چاہت کو آزمائش کے ترازو میں رکھ دیا تھا۔

☆......☆

سیماب کو دیکھ کر وہ کچھ لمحوں کے لیے دنگ رہ گئی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ اس سیماب کو پہچاننا دشوار تھا مگر کچھ بدلاؤ ضرور تھا۔ وہ دیکھنے میں پہلے سے بہت کمزور اور ڈھلکی سی معلوم ہوتی تھی اور انداز میں نخوت اور تکبر بھی پہلے جیسا نہ تھا۔ کم و بیش چھ سال بعد وہ اسے دیکھ رہی تھی، حیرانگی یکطرفہ نہیں دوطرفہ تھی جو حال غنچہ کا تھا وہی سیماب کا بھی تھا۔ کہاں اسے توقع تھی کہ اسے بے ترتیب بالوں، بے ڈھنگے کپڑوں، بے پناہ فکروں میں گھری غنچہ کے بجائے نکھری، مہکتی، بات بات پر کھلکھلاتی، نک سک سے تیار، تراشیدہ بال، اسٹائلش سوٹ میں مزین کلائی بھری چوڑیوں سے سجی غنچہ سے سامنا کرنا پڑے گا۔ سیماب تو کچھ اور ہی تصور لے کر آئی تھی۔ اسے سو فیصد یقین تھا کہ یا تو غنچہ حال سابق میں زندگی بسر کر رہی ہوگی یا کسی بھی مڈل کلاس فیملی کی جاں بلب بہو کی طرح زندگی کی گاڑی گھسیٹ رہی ہوگی۔

رعنا میڈیکل میں ایڈمیشن نہیں لے پائی تھی سو سمپل بی ایس سی کر کے ایک بینک ملازم کے گھر سدھار گئی

تھی۔ اس کے ساتھ گزرے ہر وقت میں سسرال نامہ سماعت کرنا پڑتا تھا۔ مائدہ میڈیکل کے فرسٹ ایئر کو بمشکل پاس کر پائی تھی اور کلاس فیلو کے ساتھ کورٹ میرج کر کے روایتی کٹھنائیوں کے ساتھ لائف گزار رہی تھی۔ اس کے پاس جلد بازی کے فیصلوں کو کوسنے کے سوا کوئی بات نہیں ہوتی تھی۔

سیماب ایم بی بی ایس کمپلیٹ کر کے گورنمنٹ ہاسپٹل میں جونیئر ڈاکٹر اپائنٹ ہو چکی تھی۔ وہ ہنوز غیر شادی شدہ تھی۔ پہلے اس کی پسند و معیار پر کوئی پورا نہیں اترتا تھا اور اب وہ کسی کے معیار کے مطابق نہ تھی۔ خوش شکل، اچھی جاب اور اسٹیٹس ہونے کے باوجود اس کی ادھوری زندگی اس کی دوستوں کے لیے تعجب خیز تھی مگر ان تینوں نے سیماب کے سامنے اظہار نہیں کیا تھا اس کے برعکس سیماب غنچہ کی بھرپور زندگی سے متعلق کہے بنا نہ رہ سکی۔

"غنچہ! جادو کا چراغ مل گیا ہے یا کوئی خاص عمل کرنے لگی ہو۔ یکدم کا یا پلٹ کا راز کیا ہے؟"

سیماب کے لہجے میں کیا کچھ نہ تھا؟ اچنبھا، شک، حسد، تلخی، مگر اس زعم کی کمی تھی جو اس کا ہمیشہ سے خاصا رہا تھا۔ شاید گردز مانہ نے اس کا زعم توڑ ہی دیا تھا۔

ابھی تک تو غنچہ سے ہی ملاقات ہوئی تھی۔ مائدہ کے گھر میں بیٹھک سجی تھی۔ غنچہ کی ذاتی رہائش اور چاہتیں لٹاتے عالم افروز کو دیکھ کر سیماب کی کیا حالت ہونے والی تھی، غنچہ تصور کر کے محظوظ ہوئی تھی۔

"سیماب! جادو کا چراغ ملا ہے جن سمیت، جس نے میری زندگی ویراں کو لطفِ زیست سے ہمکنار کر دیا ہے۔ وہ چراغ میرا نصیب ہے اور اس کا جن میرا حبیب ہے۔"

غنچہ نے ادائے مستانہ جواب دیا تھا، نپا تلا بولنے والی غنچہ کی بلا کی بلاغت تینوں سکھیوں کو بیگانہ گفتار کر گئی تھی۔

☆......☆

"عالم افروز تو اس وقت آفس میں ہوں گے۔ بہت مشکل سے تو آفس جانے کے لیے رضامند ہوتے ہیں۔ صبح اسکول جاتے ہوئے بلکتے بچے کی طرح نظر آتے ہیں وہ۔"

سیماب نے نجانے رات کس طرح بسر کی تھی۔ کیا بے کلی، کیا بیقراری تھی اسے اگلی صبح وہ غنچہ کے دیار چاہت میں تشریف لے آئی تھی۔ گیٹ سے لے کر بیٹھک تک وہ غنچہ کے نفاست اور محبت سے سجے مسکن کو نگاہ بھر کے تکتی رہی تھی۔ مائدہ اور رعنا کی تو نگاہ اور زبان دونوں سراہنے کے کام پر لگی تھیں، سیماب البتہ خاموش تھی۔ کافی دیر بعد اس نے دریافت کیا تھا۔

"غنچہ! تمہارے نصیب کے چراغ کا حبیب جن کہاں ہے؟"

جس کے جواب میں غنچہ کی بے ساختہ ہنسی بہت جاندار تھی۔ بات بات پر اس کے قہقہے بکھرتے تھے۔ اس نے سیماب کے کاٹ دار سوال کا انتہائی چلبلا جواب دیا تھا۔

"جب تک عالم افروز نہیں آتے، تم لوگوں کو عالم کی تصویر دکھاتی ہوں۔"

غنچہ چہکتی ہوئی لمبی انگلیوں کی چٹکی بجاتی اندر کی طرف دوڑ گئی تھی۔ وہ تینوں تصویر دکھانے کی ترکیب پر زیادہ خوش نہیں تھیں مگر غنچہ کے ہاتھوں میں گول مٹول صحت مند دو سالہ عبود عالم کو دیکھ کر انہیں غنچہ کی شرارت سمجھ آ گئی تھی۔ عبود عالم تھا بھی تو عالم افروز کی تصویر۔

عالم افروز سے ملاقات کی خواہش تھی یا ضد کہ سیماب نے شام تک کے لیے غنچہ کے گھر میں پڑاؤ ڈال

Ridadigest.com
Ridadigest.com

لیا۔ رعنا اور مائدہ کو بھی گویا لگن لگ گئی تھی۔ وہ بھی گھر بار چھوڑے اس کے ساتھ تھیں۔ شام میں عالم افروز کی گاڑی کے ہارن پر غنچہ کا خود کو سنوارے، مچلتے عبود کو گود میں اٹھائے دروازے کی سمت دوڑ لگانے کی ادا بہت دلفریب تھی۔

گاڑی میں سے نکلتے عالم افروز کو دیکھ کر بالکنی سے جھانکتی وہ تینوں غنچہ کی قسمت پر رشک کیے بنا نہ رہ سکی تھیں۔

''رعنا! جن اتنے ہینڈسم بھی ہوتے ہیں۔''

مائدہ نے رعنا کے بازو میں ناخن چبھوتے دریافت کیا تھا۔ سیماب کی زبان تو جیسے بولنا فراموش کر چکی تھی۔ شیریں بولنا اسے آتا نہیں تھا اور تلخ بولنے لائق وہ رہی نہیں تھی۔

عالم افروز گلفام نہیں تھا مگر اس کی شوخ فطرت نے اسے جاذب نظر ضرور بنا دیا تھا۔ اس پر اس کا والہانہ غنچہ کی طرف بڑھنا ان تینوں کو مجذوب کر گیا تھا۔ غنچہ نے اپنے وجود کو خود میں مدغم کرتے عالم افروز کو تقریباً نعرہ لگا کر روکنے کی کوشش کی۔

''عالم! میری فرینڈز آپ سے ملنے کے لیے آئی ہیں۔''

عالم افروز نے اپنے سینے پر دھرے غنچہ کے قصداً ہٹائے ہاتھ کو حسرت سے دیکھا تھا اور اس کے اعلان کو منہ بناتے سنا تھا۔

''مائی پلیور My pleasure''

عالم افروز کے چہرے کے زاویے اور ادا ہوئے الفاظ آپس میں مطابقت نہیں کر رہے تھے۔ غنچہ نے بمشکل ہنسی دبائی تھی اور عالم کو بازو سے پکڑے ان تینوں کے پاس لے آئی تھی۔

عالم افروز نے غنچہ کے تعارف پر بہت نپا تلا ردعمل دیا تھا جو کہ اس کی شخصیت کا خاصا تھا مگر اس کی خوش رنگی سیماب کے لیے سوچ کا ایک نیا در وا کر گئی تھی۔

☆......☆

''عالم! آج جلدی گھر آیئے گا۔''

غنچہ نے اس کا لنچ بکس تیار کرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ بازاری کھانے پسند نہیں کرتا تھا۔ غنچہ اس کے لیے تینوں وقت تازہ کھانا بنایا کرتی تھی۔

آپ کہتی ہیں تو جاتا ہی نہیں۔ ویسے کچھ خاص ارادے ہیں؟''

عالم آفس بیگ ایک سائیڈ پر رکھے وہیں براجمان ہو گیا تھا۔ اس کی معنی خیزیت غنچہ کے لیے فکر انگیز تھی۔

''کچھ الٹا سیدھا سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے اپنی فرینڈز کو ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے، اس لیے آپ کو اخلاقاً جلدی آنے کا کہا ہے۔''

غنچہ نے عالم افروز کے مچلتے رومانوی موڈ کو سخت ہاتھوں سے مسلا تھا۔ عالم افروز کے مزاج کے تحت اس نے خود پر ایسی سختی لاگو کر دی تھی۔

''تمہاری فرینڈز ہیں۔ کھاؤ پیو موج کرو۔ تمہارے درمیان میرا کیا کام؟''

عالم افروز غنچہ کی ازلی سختی پر روٹھے بچے کی طرح منہ بسور کے بولا تھا۔

''عالم! وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔''

غنچہ نے چبا کے کہا تھا۔ یہ فرمائش بھی سیماب کی تھی۔ غنچہ کی دعوت طعام پر اس نے انتہائی معصومیت کے ساتھ عالم افروز کی دلچسپ کمپنی کی مدح سرائی کرتے ہوئے مزید ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی اور غنچہ نے کمال تفخر کے ساتھ قبول کی تھی۔

''اور جو میں تم سے ملنے کا متمنی ہوں اس کا کیا؟ میری تمنا کو تو تم توے پر ڈال کر کٹا کٹ بنا دیتی ہو۔''

عالم افروز کی دہائی جاری تھی اور غنچہ کا پارہ ہائی ہوتا جا رہا تھا۔

''وہ تمنا جس کی کوئی حد نہیں ہے۔''

غنچہ نے اسے باہر کی جانب دھکیلتے ہوئے کہا تھا بلکہ جتایا تھا۔

''سوچ لو غنچہ! میری تمناؤں کو در بدر مت کرو، کہیں یہ کوئی اور در نہ دیکھ لیں۔''

عالم افروز نے حسب عادت اس کے بالوں کا کیچر دور اچھال دیا تھا۔ ایک تو غصے سے لال چہرہ اوپر سے اسے دھکا دینے کی مشقت کیا کم تھی کہ ان الفاظ نے تو اسے اور بھی برہم کر دیا۔

''یہ آوارگی بھی اپنا دیکھیے، یہ آپ کو در در بھٹکا تو دیں گی مگر در سکینہ میسر نہیں آئے گا۔''

غنچہ نے کمال ادا سے عالم افروز کی شرٹ کی شکن اپنی لانبی انگلیوں سے سہلائی تھی۔ اس کی مغرور ادا عالم افروز کو نہال کر گئی تھی۔ یہ مان دینے والا بھی تو وہ خود ہی تھا۔

''کیوں یہ در سکینہ تمہاری ملکیت ہے۔''

عالم نے اسے خود کی طرف کھینچتے ہوئے شرارت سے دریافت کیا تھا۔ غنچہ بہت کم لفاظی کرتی تھی مگر آج موڈ میں کیا نیا پن تھا کہ لفاظی مبالغہ آرائی میں ڈھل گئی تھی۔

''غنچہ دل کہیں یا غنچہ شوق گلستاں تو ہم ہی ہیں باقی سب تو محض دیکھیے صحرا نوردی۔''

غنچہ نے عالم کے کالر کو جھٹکے سے چھوڑا تھا۔ مگر عالم نے انتہائی محبت سے اسے خود میں سمو لیا تھا۔ وہ شبنمی لمحے گنوانے کو تیار نہ تھا۔

''میں فریفتہ ناز یار پر۔''

عالم افروز نے گنگناتے ہوئے اس کے چہرے پر مہر تصدیق ثبت کی تھی۔ غنچہ کی شوخی حیا میں ڈھل گئی تھی۔ وہ انجانے میں عالم افروز کو چھٹی کے اسباب مہیا کر گئی تھی۔

''عالم! کبھی تو میری بھی مان لیا کیجیے۔''

وہ پل پل خود پر حاوی ہوتے عالم افروز کی بانہوں میں منمنائی تھی۔

''تمہاری مانوں تو ترستا ہوا مر جاؤں۔''

عالم افروز کو سمجھانا لاحاصل تھا، جذبات شبنمی تھے مگر انداز ہٹلر کا تھا۔

☆......☆

بہت عرصہ گزر گیا تھا یوں دل سے خود کو سنوارے ہوئے۔ ماما بابا کی یکدم ہوئی ڈائیورس نے اس کے آشیانے کے ٹکڑے کر دیئے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ ماما اور بابا میں ناچاقی رہتی تھی۔ انہوں نے لو میرج کی تھی۔ ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوشگوار وقت گزارا تھا مگر یکدم بابا کی لائف میں چینج آ گیا تھا۔ ایسا نسوانی تبدل جس نے اس کے گھر کی خوشیاں چھین لیں۔ ماما واپس لوٹ گئیں اور بابا نئی بہار کے سنگ جینے لگے۔ اس سارے قصے میں اکلوتی اولاد سیماب کا تعلق محض ضروریات تک محدود رہ گیا۔ اس کی ہر خواہش کبھی کہہ کر

Ridadigest.com

اور کبھی بنا کہے پوری ہو جاتی تھی۔ اس کے والد کی سورس ہر جگہ اس کی سپورٹ کرتی تھی مگر اسے فیملی گیدرنگ کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ بابا کے ساتھ لاڈ کرنے کی حسرت اس کے اندر کسک بن کر رہ گئی۔

اسے اپنے ذات کے ساتھ جینا اچھا لگنے لگا۔ اسے خود سے کسی بھی صورت میں برتر لوگ برے لگنے لگے، جو جتنا محروم اور زندگی سے شاکی نظر آتا تھا اسے اتنا ہی ذہنی سکون میسر آتا تھا۔

غنچہ، رعنا، مائدہ سے دوستی اس کی ادھوری فطرت کا ایک تقاضا تھا۔ وہ تینوں ہر لحاظ سے اس سے کمتر تھیں۔ اس نے اسکول میں چن کر ان تینوں کمپلیکسڈ ہستیوں کو اپنے گروپ میں شامل کیا تھا اور پھر بات بات میں ان پر اپنی نام نہاد برتری ظاہر کر کے وہ حظ اٹھاتی تھی۔

غنچہ کی اعتماد سے محروم ہستی اس کے لیے خاص باعث تسکین ہوتی تھی کیونکہ اس کے فادر لاتعلق ہی سہی مگر ان کے سامنے تو تھے جبکہ غنچہ تو اس نعمت سے بھی محروم تھی۔

اس کے اندر بھی بچپن کی حکمرانی تھی۔ ساری دنیا پر تو اس کا بس چلتا نہیں تھا سو وہ تین سکھیاں اس کا شکار تھیں۔ مائدہ کو والدین سے بغاوت کر کے کورٹ میرج کی راہ اسی نے دکھائی تھی۔ رعنا کو کثیر فیملی کے لامحدود نقصانات بھی وہ ہی گنوایا کرتی تھی جو بالآخر رعنا کے اندر انتشار پیدا کر دیتے تھے۔ باقی غنچہ تو تعلیم ادھوری چھوڑے اپنے مصائب کے جنگل میں کھوئی تھی۔ سیماب اس کے حالات کے کبھی نہ بدلنے کی یقین دہانی کے تحت اس سے کافی عرصہ غافل رہی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ غنچہ کو پلٹ کر جھپٹنا نہیں آتا تھا اگر آتا تو وہ ایک بار ضرور جاننے کی کوشش کرتی کہ اسے ہر اسٹوڈنٹ سے زیادہ عزیز رکھنے والی میم فرناز اچانک اس سے اتنی بدظن کیوں ہو گئی تھیں۔ اسے بہت چاہت سے مانگنے والے عبدالواسع نے یکدم نسبت کیوں توڑ دی تھی۔ سیماب جانتی تھی کہ غنچہ کی طرف جانے والی خوشیوں کی راہیں بدل کرنی ہیں اور یہ سب اتنا دشوار بھی نہیں ہوتا تھا۔

مگر مشکل تو پیش آئی تھی اس کے لیے غنچہ کی جنت نظیر حیات کو برداشت کرنا، اس صورت میں کہ وہ خود جنت سے باہر تھی۔ اسے ایسا چاہنے والا کیوں نہیں مل سکا تھا، کیوں نہیں وہ ایک ایسا ہی ریاست حاصل کر پائی تھی۔ کیا کمی تھی اس میں کہ وہ اس معاملے میں اپنی تمام دوستوں سے کمتر ٹھہری تھی۔

سیماب کے درد اضطراب کی حد تھی یا سوچوں میں خودسری آج اس کا بناؤ سنگھار کچھ کر دکھانے والا تھا۔ رعنا اور مائدہ اسے دیکھ کر متعجب ہوئی تھیں۔ وہ کسی بھی صورت ایک فیملی ڈنر کے لوازمات سے میل نہیں کھاتی تھی۔ بہرحال اسے کچھ کہنے کی ہمت ان میں آج بھی نہیں تھی مگر غنچہ پہلی سی نہ تھی۔

”سیماب! تم کیا یہاں سے کسی فنکشن میں جانے والی ہو؟“

غنچہ نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاتے ہوئے سیماب کی چمک دمک کی وجہ دریافت کی تھی۔

”نہیں غنچہ! میں یہاں سے کہیں نہیں جانے والی۔“

سیماب کی معنی خیزیت وہ اخذ نہیں کر پائی کیونکہ مزاج بدلا تھا، فطرت کی سادگی اب بھی وہی تھی، سو بے ریا مسکراہٹ پاس کر کے انہیں کھانا سرو کرنے لگی۔

”ارے غنچہ! اتنے چھوٹے بچے کے ساتھ اتنا کچھ تم نے کیسے بنا لیا یار، میرے لئے تو ایک چائے کا کپ بنانا دشوار ہو جاتا ہے۔“

مائدہ نے ٹیبل پر سجے بریانی، کڑاہی، نہاری، پڈنگ، کھیر، شامی کباب دیکھ کر ہانک لگائی تھی۔

Ridadigest.com

”معذرت کے ساتھ یار! یہ سب کچھ ریڈی میڈ ہے۔ میں تم سب کے لیے اپنے ہاتھ سے کوکنگ کرنا چاہتی تھی مگر.....“

غنچہ معذرت خواہانہ لہجے میں بولی تھی۔

”مگر کیا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی، یار کینسل کر دیتی ناں، پھر کسی دن کر لیتے۔“

رعنا نے سلسلۂ کلام کو آگے بڑھایا تھا۔

”ارے نہیں، طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ بس عالم افروز کام سے رخصت پر تھے۔“

غنچہ نے بیچارگی سے کہا تھا۔ اس کے لہجے کا خاص پن سیماب کو چونکا گیا تھا۔

”ہم سے ملنے کی ایکسائٹمنٹ میں عالم جی آفس ہی نہیں گئے۔ انٹرسنگ تم کال کر دیتیں، ہم مارننگ میں ہی آجاتے۔“

سیماب نے ہمیشہ کی طرح بلاوجہ کریڈٹ لیا تھا۔ عالم افروز نے تعارفی ملاقات میں جو گرمجوشی دکھائی تھی وہ اسی تناظر میں بات کر رہی تھی۔ یقیناً اس کی شخصیت نظر انداز کرنے کے لائق نہیں تھی مگر غنچہ کی دبی ہنسی اتنی اطمینان بخش کیوں تھی۔ کیا اسے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا یا اس کے نزدیک یہ کوئی بات ہی نہیں تھی۔

”ان کی ایکسائٹمنٹ کی تو بات ہی نہ کرو، میں تو اکثر کہتی ہوں آپ کو عالم افروز نہیں عالم جوش ہونا چاہیے۔“

غنچہ سیماب کی پلیٹ میں کباب ڈالتے ہوئے شوخی سے بولی تھی۔

”اور آپ کو غنچہ فروش کا لقب دینا چاہیے۔ ہمارے جذبات کی قدر تو کوئی آپ سے سیکھے۔“

عالم افروز کی جواب دیتی انٹری ہوئی تھی، یا تو اس نے آخری بات سن لی تھی یا غنچہ نے اسے آتے دیکھ کر ہی شرارتاً کہا تھا مگر عالم افروز کی بات نے اسے کھلکھلا دیا تھا اور سیماب کو...

”ہائے عالم جی، ہماری کمپنی کی کشش آپ کو کھینچ لائی۔“

سیماب نے عالم افروز کے آتے ہی کھڑے ہو کر استقبال ہی نہیں کیا حسب عادت خود پہل کر کے ابتدا بھی کی تھی جو غنچہ کو ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔ سیماب کی بات کی معقولیت پر رعنا اور مائدہ بھی برہم نظر آ رہی تھیں۔

”تصحیح فرما لیجیے، ہم آپ کی نہیں، آپ ہماری کمپنی میں تشریف لائی ہیں۔“

وہ غنچہ نہیں تھا، عالم افروز کو ادھار رکھنے کی عادت نہیں تھی۔ سیماب کو پہلی بار اپنی جلد بازی کا اور عالم سے متعلق اپنے تجزیے کے غلط ہونے کا اندازہ ہوا تھا۔ وہ سنبھل گئی تھی۔ باقی وقت باتوں اور کھانوں کے درمیان اچھا گزر گیا تھا۔ عالم افروز ان تینوں سے وقتاً فوقتاً بات چیت کرتا رہا تھا۔ اس نے اپنے کسی عمل سے اسے مزید شرمندہ کیا نہ ہی خوش فہم البتہ غنچہ کے ساتھ اس کی اٹھکیلیاں اور فصیح بیانیاں سب کی نگاہوں کا مرکز رہی تھیں۔

☆......☆

عالم افروز کو گئے چار گھنٹے ہو گئے تھے۔ یقیناً اس وقت محفل بہت عروج پر تھی، تبھی تو سیماب، رعنا یا مائدہ میں سے کسی کی کال نہیں آئی تھی۔ عالم افروز آج سیماب کی کمپنی کی کشش میں اس کے گھر فنکشن پر چلا گیا تھا۔ وہی عالم افروز جس کے لیے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ معنویت غنچہ کی ذات میں ہوتی تھی۔ آج وہ اسے

Ridadigest.com

اکیلا چھوڑ گیا تھا۔ غنچہ کا مان، اعتماد، ناز کچھ بھی تو سلامت نہیں رہا تھا۔ اس نے لوٹ آنا تھا مگر کیا وہ ناز بھی لوٹ کے آئے گا جو غنچہ کو عالم افروز کی چاہت پر تھا۔
یہی غرور و ناز تو تھا جس نے اسے سیماب کا چیلنج قبول کرنے میں تامل نہیں ہونے دیا تھا۔
''غنچہ! عالم افروز آج تمہارا ہے مگر کیا یہ ملکیت ہمیشہ رہے گی؟ اس بارے میں سوچا ہے تم نے؟''
سیماب نے ایک نیا داؤ آزمایا تھا، سیماب کی ہر کوشش جو اسے عالم افروز سے بہت قریب کر دے بار آور ثابت نہیں ہوئی تھی۔ عالم افروز کا سیل نمبر غنچہ کے موبائل سے لینا وقت طلب عمل نہیں تھا مگر عالم افروز کا کال اٹینڈ کرنا صبر آزما ضرور تھا۔ وہ آفس میں موبائل اٹینڈ نہیں کرتا تھا اور گھر میں تمام وقت موبائل سوئچ آف رہتا تھا۔ کئی دن بعد عالم افروز نے کال اٹینڈ کی تھی مگر سیماب کو حسب منشا ری ایکٹ میسر نہیں آیا تھا۔ عالم افروز نے اپنے مخصوص دلنشین انداز میں کئی منٹ تک بات کی تھی مگر تمام گفتگو کا مرکز غنچہ ہی رہی تھی۔ اس نے کئی بار جتایا تھا کہ وہ سیماب سے غنچہ کی دوست کی حیثیت سے بات کر رہا ہے۔
بالآخر سیماب نے غنچہ کے دماغ میں شک کا بیج بونے کا جتن کیا تھا۔ غنچہ حسب عادت تفاخرانہ عالم افروز کی چاہت کی حکایات بیان کر رہی تھی جب یکدم سیماب نے سوال داغا تھا، آج ان کا اجتماع سیماب کے گھر پر تھا غنچہ نے لمحے بھر کی دیر کیے بغیر اعتماد سے جواب دیا تھا۔

دل کی دیوار پر ہے تیرے عشق کی تنویر سے
اب نہیں ضرورت مجھے کسی تفسیر سے

غنچہ عالم افروز کے مزاج کے رنگوں میں رنگی گئی تھی اس کی زبان بعد میں کھلتی اور چہرے کی چمک پہلے ہی مدعا بیان کر دیتی تھی۔

''عمر بھر ساتھ دیں گے سدا چاہیں گے
صرف الفاظ ہیں الفاظ میں کیا رکھا ہے؟''

سیماب نے خلاف عادت نظمیہ کارروائی کی تھی۔ کچھ تو تھا اس کی بات میں جو غنچہ چونک اٹھی تھی۔
''الفاظ کو حقیر مت سمجھو یہ کمیاب ہیں اب تم ہی بتاؤ کیا تم تینوں کے پاس یہ لفظی محبت ہے۔''
غنچہ کی ضرب بہت کاری تھی۔ وہ ایسی سوچ رکھتی نہیں تھی مگر کہہ اٹھی تھی۔ رعنا اور مائدہ نے حسرت سے نفی میں سر ہلایا تھا۔ رعنا نے برملا کہا تھا کہ اس کے پاس لفظی تو کیا نگاہی محبت تک نہ تھی اور مائدہ نے افسردگی سے اقرار کیا تھا کہ جنون محبت صرف ماں باپ کی دہلیز پار کرنے تک تھا۔ اس کے بعد تو صرف اپنے کیے کو نبھاتے رہنے کی روش تھی۔
مگر سیماب کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا اور غنچہ کو کچھ کہنے کے قابل وہ رہنے نہیں دینا چاہتی تھی۔
''الفاظ گر سورج ہوں تب بھی ڈھل جاتے ہیں، ان پر کیا اترانا، غنچہ۔''
سیماب اسے نشانے پر رکھے ہوئے تھی۔ اس کا مطمع نظر واضح ہوتا جا رہا تھا۔ رعنا اور مائدہ کے لیے یہ محض ایک تفریح تھی مگر غنچہ کے لیے ضد بنتی جا رہی تھی، عالم افروز کی چاہت پر حرف جو آ رہا تھا۔
غنچہ کی خود اعتمادی کمال کی تھی۔ وہ سیماب کو بھگو کے لگا رہی تھی۔ سیماب کو اتنے سخت معرکے کی امید نہیں تھی۔ اس نے تو آج تک یہی سنا تھا کہ آئینہ محبت پر لکیر کھینچتے دیر نہیں لگتی، مگر یہاں تو لکیر خود ساقط تھی۔
''ہم اب بھی لفاظی کر رہے ہیں غنچہ، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا، اپنے نصاب عشق کو قرطاس پر اتارو جو نتیجہ اخذ

نہیں ہو رہا اس کی شرح کیے لیتے ہیں۔''
سیماب کے من میں کیا سودا سمایا تھا وہ کیا ٹھانے بیٹھی تھی، غنچہ کی ہستی لمحہ بھر کے لیے متزلزل ہوئی تھی، عشق مشغلہ ٹھہرا تھا اور دل لگی کی صدا آئی تھی۔
''یار! تم دونوں کس بحث میں پڑ گئی ہو۔ جو غنچہ کا نصیب ہے اس کا صدقہ اتارو اور جو سیماب کو چاہیے اس کے لیے دعا کرتے ہیں، مناظرہ ختم۔''
رعنا نے بات بڑھتی دیکھ کر فوراً دخل اندازی کی تھی اور چائے کا کپ دونوں کے ہاتھ میں تھما کر دھیان بٹانے کی سعی کی تھی۔ آج سیماب میزبان تھی مگر اس کی پیشکش انوکھی تھی۔
''کم آن غنچہ! میدان میں نہیں اترو گی، کہاں اتنا ناز اور کہاں اتنی کشمکش۔''
سیماب کا گھیرا تنگ ہوتا گیا تھا۔ وہ غنچہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے اکسا رہی تھی۔ زبان تھی تو طنز کے تیر چلا رہی تھی اور نگاہیں تھیں تو تمسخر سے پر تھیں۔
غنچہ کو لگا کہ اگر پیچھے ہٹی تو اس کا ناز اعتماد مجروح ہو جائے گا اور اگر آگے بڑھی تو عشق دل لگی بن جائے گا۔ عالم افروز کی چاہت نشانے پر تھی۔ وہی عالم افروز جس نے غنچہ کی بزم ہستی کو رمز عشق سے آراستہ کیا تھا جس کی بانہوں میں اس نے لطف زیست پایا تھا جو حلقۂ یاراں میں اس کے لئے باعث رشک تھا۔ وہ جوہر تھا جس پر اسے ناز تھا۔ وہ ناز فتح حاصل کرنے میدان میں اتر آئی تھی کیونکہ اسے عالم افروز کا دعویٰ من و عن یاد تھا جب وہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہتا تھا۔

تیرا عشق سرسری نہیں کہ اتر جائے
تیری محبت عارضی نہیں کہ اور جگہ ٹھہر جائے

☆......☆

غنچہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کھیل کا حصہ بن گئی تھی۔ سیماب نے محض تین ماہ کی مدت عشق بازی کی آزمائش کے لیے مانگے تھے اور اس سے حسب ضرورت امداد چاہی تھی۔ عالم افروز سے قریب ہونے کی امداد، جو غنچہ بھرپور اعتماد کے ساتھ اسے مہیا کرتی تھی۔ اگلے ہی دن سیماب غنچہ کے گھر تنہا آئی تھی۔ واپسی میں طے شدہ پروگرام کے تحت غنچہ نے عالم افروز کو سیماب کو گھر ڈراپ کرنے کے لیے مجبور کیا تھا۔ غنچہ انہیں بھجوا تو چکی تھی مگر خود طوفانوں کی زد میں تھی۔ اس نے اپنی کشتی خود گرداب میں اتار دی تھی۔ اسے حد درجہ یقین تھا کہ سیماب جیسے آئی تھی ویسے ہی لوٹ جانے والی تھی۔ پھر اتنی بے کلی کیوں تھی۔ ناز عریاں تھا تو نشتر پوشیدہ کیوں تھا؟ حق یہ تھا کہ عشق عقل کی کسوٹی پر پرکھا جا رہا تھا۔
سیماب کو غنچہ کی سپورٹ ہونے کے باعث پہلی ہی بار میں خاطر خواہ نتائج میسر آئے تھے۔ عالم افروز نے اس کی رفاقت کو زندگی بخش قرار دیا تھا مگر غنچہ کے پاس آ کر اس کی کیفیت الگ ہی تھی۔
''سیماب حسین، دلنشین ہے۔ بنا زیور کے بھی آراستہ معلوم ہوتی ہے مگر اب تک تنہا کیوں ہے؟ یہ تو ایسا ہی ہے کہ جواہرات بے نقاب ہوں اور مالکانہ حقوق کسی کے نام نہ ہوں۔''
غنچہ کے سیماب کی شخصیت کے متعلق دریافت کرنے پر عالم افروز نے مخصوص انداز میں مدح سرائی کی تھی اور اپنی بات کی نامعقولیت پر خود ہی قہقہہ بھی لگایا تھا۔ حسین اور دلنشین کہنے پر غنچہ کے منہ کے زاویے دیکھنے کے لائق تھے۔ عالم افروز محظوظ ہوا تھا۔

Ridadigest.com
Ridadigest.com

''ان جواہرات کو اپنے لاکر میں بند کرنے کی خواہش تو نہیں ہے آپ کو؟''

غنچہ نے روایتی بیویوں کے انداز میں جل کر کہا تھا۔ وہ اس جگہ پاؤں رکھ چکی تھی جہاں تپش ہی تپش تھی۔

''جان عالم! آپ کے خمار کے مارے بیمار عاشق اور کئی دنوں کی جدائی کے ستائے پروانے کو کہاں اتنی فرصت کہ وہ انمول خزانے کے ہوتے بے مول جواہرات پر قصد کرے۔''

عالم افروز جذبوں کو الفاظ کے ہار میں پرو کر اس کے گلے کی زینت بنا دیتا تھا، یوں کہ وہ غزال رعنا کی مانند سربکوہ و بیاباں ہو جاتی تھی۔ وہ کیوں نہ ناز کرتی، کیسے نہ بہک جاتی۔ اسی بہکاوے میں اس نے اپنی گرہستی کی کشتی آگ کے دریا میں اتار دی تھی۔

عالم افروز اور سیماب کا اتفاقیہ تو کبھی ارادتاً میل جول بڑھتا جا رہا تھا، وہ پژمردہ رہنے لگی تھی۔ عالم افروز کی چاہت جوں کی توں تھی مگر اوقاتِ کار میں نمایاں فرق آیا تھا۔ معاملہ عجیب تھا کہ عالم افروز اس کے حصے کا وقت کسی اور [illegible] تھا اور چور بھی وہ خود ہی ہوئے جاتی تھی۔ تین ماہ تھے کہ تین صدیاں، وہ پل صراط پر سے گزر رہی تھی مگر وہ [illegible] شکوہ کرنے لائق نہیں تھی۔ بہر حال یہ کانٹوں بھری مسافت اس کی خود اختیاری تھی۔

☆......☆

غنچہ کے لیے قیامت کی [illegible] وہ جب عالم افروز کو آفس ورک سے اسلام آباد جانا تھا اور سیماب کو وہ خود آگاہ کر چکی تھی مگر اسے اندازہ نہیں تھا [illegible] بھی عالم افروز کے ساتھ شریک سفر ہو جائے گی اور جس ہوٹل میں عالم افروز کا اسٹے تھا سیماب نے بھی [illegible] کے لیے چنا تھا۔ دو مکمل دن ایک ساتھ جانے کیا اثر دکھانے والے تھے۔

غنچہ کے مان کی پہلی سیڑھی تب ڈگمگا گئی جب عالم افروز [illegible] سیماب کے متعلق آگاہ نہیں کیا تھا۔ اس نے بارہا کرید کے پوچھا تھا کہ وہ کام کے علاوہ کیا مصروفیات [illegible] عالم افروز نے ہزار ہا باتیں کی تھیں مگر سیماب کا تذکرہ تک نہیں کیا تھا حالانکہ اس سے پہلے وہ سیماب سے [illegible] کے بابت اسے کبھی تعریفی تو کبھی تنقیدی آگاہ ضرور کیا کرتا تھا۔

غضب تو تب ہوا جب عالم افروز نے واپسی کے ٹکٹ کینسل کروا کے ایک [illegible] کا قصد کیا تھا۔ اگرچہ اس نے ضروری کاموں کا عذر دیا تھا مگر کیا کرتی وہ دل بے کل تھا کہ اب لفظوں [illegible] گرہیں کمزور پڑتی جا رہی تھیں، اعتبار قائم تھا مگر منصف غالب ہوتا جا رہا تھا۔

اس پر سیماب کی شوخیاں اسے اور بھی دلگیر کر دیتی تھیں۔

ایک ماہ بعد اس نے رعنا، مائدہ اور سیماب کو ایک بار پھر کھانے پر انوائٹ کیا تھا۔ وہ دن بھی اس کے لیے دوگنا اضطراب لے کر آیا تھا جب ڈنر پر عالم افروز اپنے پورے رنگوں کے ساتھ براجمان تھا۔ عالم افروز کا ہونا اور وہ بھی اپنے ہی گھر میں کوئی انوکھی بات نہیں تھی مگر غنچہ کے لیے لمحۂ فکریہ یہ تھا کہ اس نے عالم افروز کو اس اجتماع کے بابت انفارم نہیں کیا تھا مگر وہ موجود تھا اور اس کے کسی انداز سے ظاہر نہیں تھا کہ اس کے لیے یہ سب سرپرائز ہے۔ غنچہ کا موڈ برہم تھا، عالم افروز کی جگت اور چلبلی حکایتیں حسب سابق تھیں مگر غنچہ کی حالت دگرگوں تھی۔

رعنا اور مائدہ نے بھی تبدیلی کو محسوس کیا تھا۔ سیماب کی غیر موجودگی میں ان دونوں نے غنچہ کو ہوش کے ناخن لینے کی تنبیہ کی تھی مگر وہ خود کو اسیر دعویٰ محسوس کرتی تھی۔

☆......☆

عالم افروز سیماب کے ساتھ شاپنگ مال میں تھا اس کے بارے میں اسے خود سیماب نے بتلایا تھا۔ عالم افروز نے اسے ایک اتفاقیہ ملاقات قرار دیا تھا اور سادگی سے سیماب کی تکلیف کے بارے میں بتایا تھا۔ عالم افروز آفس پارکنگ ایریا میں جبکہ وہ گھر کے لیے نکل رہا تھا سیماب کی گاڑی نے اسٹارٹ ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے عالم افروز کو دیکھتے ہی کمال حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی وہاں موجودگی پر مسرت کا اظہار کیا تھا اور مارکیٹ تک ڈراپ کرنے کی التجا کی تھی۔ عالم افروز نے بسر و چشم اسے نہ صرف مارکیٹ تک ڈراپ کیا بلکہ شاپنگ میں مدد بھی کی۔ بہت نارمل طریقے سے اس نے اپنے دیر سے آنے کی وجہ غنچہ کو فراہم کی تھی۔ غنچہ کو ایسے اتفاقات کی اصلیت معلوم تھی۔ بظاہر اس کے لیے یہ کچھ معنی نہیں رکھتا تھا، ہاں اس کے لیے درد کا باعث تھا جب سیماب نے اسے عالم افروز کی مدد سے کی گئی شاپنگ دکھائی۔ ہر سوٹ عالم افروز کی پسند کے عین مطابق تھا۔ وہ رنگ جو وہ غنچہ کے وجود پر پسند کرتا تھا، وہ جیولری جس سے وہ خود غنچہ کو سنوارا کرتا تھا، [illegible] کا وہی مخصوص کلر جو غنچہ نے عالم افروز سے ملنے کے بعد سے کبھی لبوں سے اتارا نہ تھا۔

یہ سب تو غنچہ کا اعزاز تھا، سیماب [illegible] شراکت دار بن گئی تھی؟ عالم افروز اسے بھی اسی قرطاس پر کیوں اتارنے لگا تھا جس پر غنچہ شاعری میں [illegible]۔

وہ اپنی زندگی کا سب سے مشکل وقت گزار [illegible] بلندیں اس سے روٹھ گئی تھیں، خوف نے اس کے دل میں گھر بنا لیا تھا۔ وہ اپنے آشیانے کو تند و تیز ہواؤں [illegible] پائی تھی۔

اس صبح وہ اضطرابانہ انداز میں ناشتہ کرتے عالم افروز [illegible] ہار ہوئی تھی۔ وہ بیتابانہ عالم افروز پر چاہتیں لٹانے لگی تھی۔ اس کے اندر کی جاں سوز خلش موسلا [illegible] صورت عالم افروز پر برسنے لگی تھی۔ عالم افروز افتاں و خیراں کا پیکر لگ رہا تھا۔ ایسی پیشقدمی وہ [illegible] جانب سے اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔ وہ جتنا حیران تھا اتنا ہی شادماں بھی تھا۔ جذبات کے [illegible] تلاطم انگیز موجیں تھیں اور وہ دونوں تھے۔

''جان عالم! اس عنایت سرشاری کا سبب دریافت کر سکتا ہوں؟''

عالم افروز نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ وہ رنگ گلال کا شکار ہوئی تھی۔

''عالم! آپ کی چاہت میری متاع ہے۔ بے مہر مت ہونا، صرف میرے ہو کر رہنا۔''

غنچہ کی آواز میں لرزش تھی۔ وہ جیت کے تمام لوازمات کے ساتھ میدان میں اتری تھی مگر تیغ مات کے محض ڈر نے ہی نڈھال کر دیا تھا۔ وہ لفظ آزمانے نکلی تھی آج لفظوں سے ہی قرار چاہتی تھی۔

''تمہاری متاع تمہارا ناز و وفا ہے غنچہ میرے بازار التفات میں یہ نادر و نایاب ہے۔ آج میری گل سے غم انگیز خوشبو کیوں آ رہی ہے؟ زبان حسن سے داستان عشق کتنی دلفریب لگتی ہے۔ سو چومت بس مان لو۔

کوئی سر نہیں اٹھاتا سائیں
جب عشق فیصلہ فرمادے

☆......☆

اور عشق نے فیصلہ فرما دیا تھا شاید تبھی تو وہ یوم حساب میں تنہا تھی۔ سب طے شدہ تھا، یہی کچھ تو فریقین

Ridadigest.com

کے مابین کھیل کا مدعا تھا مگر نتیجہ غنچہ کی متاعِ ناز لٹا لے گیا تھا۔ سیماب کے تین ماہ تک اپنی بھرپور کمپنی اور مسرت بخش جام پلا کر بالآخر وہ دن آیا تھا جب سیماب اور غنچہ کی ہار جیت کا تعین ہو جاتا۔ سیماب کے فلیٹ پر اس کی برتھ ڈے پارٹی پر فیصلہ کن معرکہ تھا۔ عالم افروز کی چاہت کا بھاؤ تاؤ کیا جانا تھا۔

غنچہ کا اسیرِ چاہت عالم افروز نے آج کی رات اس کی ہم نشینی میں بسر کرنی تھی یا سیماب کی دلنشین شخصیت کے دلدادہ عالم افروز نے آج کی رات اس کے ٹھکانے پر سحر کرنی تھی۔

رعنا اور مائدہ انتہائی پرجوش تھیں۔ رعنا نے غنچہ کے تو مائدہ نے سیماب کے سپورٹر کی کرسی سنبھال لی تھی۔ آزمائش کا کھیل شروع ہو گیا تھا۔ رات بارہ بجے کا وقت مقرر تھا اگر عالم افروز غنچہ کے پاس ٹھہر جاتا تو غنچہ اپنے تمام تر ناز و انداز [illegible]ازمات کے ساتھ فاتح ہو جاتی اور سیماب کا چیلنج یہ تھا کہ عالم افروز کی چاہت پانی کے بلبلے کی طرح اس کی نازک [illegible] سے پھوٹنے والی تھی۔ عالم افروز سیماب کے پاس کھنچا چلا آنے والا تھا۔

اور غنچہ ہار گئی تھی۔

اپنی گرہستی کو میدانِ آزمائش پر رکھنے والی پچھلے چھ گھنٹے سے آہ و بکا کر رہی تھی۔ کیا کیا حیلہ نہ کیا تھا اس نے عالم افروز کو روکنے کے لیے۔ وہ دن کی ابتدا [illegible] ہی نڈھال نظر آ رہی تھی اور یہ بہانہ نہیں تھا۔ وہ واقعی میں بخار خوف میں مبتلا تھی۔ رات بھر بوجھل دل [illegible] نے نہیں دیا تھا۔ صبح عالم افروز نے اس کی لال آنکھوں کا سبب دریافت کیا تھا تو اس نے کمال ادا سے خود کو [illegible] کہا تھا۔

"رات بھر مچھلیاں اور پرندے میری فریاد کے با[illegible] اور آپ ایسے طوطا چشم ہیں کہ نیند سے سر نہیں اٹھایا۔"

عالم افروز نے اس کے گرد گھیرا تنگ کیا تھا۔ کہیں سے بھی تو [illegible] تھا کہ [illegible] گرمجوشیاں لٹاتا شخص اسے مات دے دے گا۔ آج عالم افروز نے لفظوں کا پیرہن نہیں اوڑھا تھا۔ وہ [illegible] تھا مگر پرجوش تھا۔ غنچہ کے روم روم سے صدا آ رہی تھی۔

اسے معلوم ہے اچھی طرح بیتابیاں اس کی
نہیں پوشیدہ اس کی آنکھ سے ہم خوابیاں اس کی

غنچہ کا جرأت غرور مزید سرکش ہوا تھا۔ دیر تک اختلاط راز و نیاز کا عالم رہا تھا کہ یک بیک اجتناب کی چادر تن گئی تھی۔ سیماب کی کالز غنچہ کے اور عالم افروز کے موبائل پر متواتر ہونے لگیں۔ وجہ بہت معمولی تھی کہ وہ پارٹی میں آمد کا اصرار کر رہی تھی مگر غنچہ کے لیے یہ آن و مان کی جنگ تھی۔ وہ تمام تر ہتھیاروں کو بروئے کار لائے ہوئے تھی۔ اس نے عالم افروز کو موبائل سے کئی گھنٹوں بے نیاز رکھا تھا مگر عبود عالم کی کارستانی تھی کہ موبائل لا کر بابا جان کے سپرد کر دیا تھا۔ اسے بیل بجتے ہی موبائل کی طرف دوڑنے کی عادت تھی۔ عالم افروز کو 20 مسڈ کالز دیکھتے ہی پتنگے لگ گئے تھے۔ وہ عجلت میں دکھائی دینے لگا تھا۔ سات بجنے والے تھے اور اس کے نزدیک پارٹی میں جانا ضروری تھا۔

"عالم! رہنے دیں، کون سی سیماب کی فرسٹ برتھ ڈے ہے اور ویسے بھی اسے پارٹیز کا کریز ہے، نیکسٹ ٹائم چلے جائیں گے۔"

عالم افروز کے غنچہ کو پارٹی میں چلنے پر اصرار کرنے پر وہ تنک کر بولی تھی۔ دوست اس کی تھی اور بے صبری اس کے میاں کو لاحق تھی۔

"غنچہ! نامناسب بات ہے، وہ انوائٹ کرتے وقت بھی بہت اصرار کناں تھی اور پھر اب بھی اس کا اتنی شدت سے بلاوا دینا نظر انداز کرنے والی بات نہیں ہے۔ چلی جاؤ جلدی لوٹ آئیں گے۔"

عالم افروز الماری سے ڈریس نکالتے ہوئے تسلی سے بولا تھا۔ غنچہ نے اس کے ہاتھ سے کپڑے لے کر واپس ہنگ کر دیئے تھے۔

"عالم میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور عبود بھی صبح سے ڈھیلا سا ہے۔ ہم ذرا بھی انجوائے نہیں کر پائیں گے۔"

وہ عالم کے گلے میں اپنی بانہوں کی ٹائی بناتے ہوئے گویا ہوئی۔

"اوکے! میں کچھ دیر کے لیے ہو کر آ جاتا ہوں۔"

عالم افروز نے نرمی کے ساتھ اس کی بانہیں الگ کرتے ہوئے قطعیت سے کہا تھا۔ غنچہ لق و دق رہ گئی تھی۔

"عالم! جانا اتنا ضروری تو نہیں ہے کہ آپ ہمیں بیمار چھوڑ کر چلے جائیں گے۔"

غنچہ نے اس کی پشت کو تھام کر سر ٹکا دیا تھا۔ بیماری ظاہر کرنے کے لیے وہ اداکاری نہیں کر رہی تھی۔ وہ حقیقتاً نقاہت محسوس کر رہی تھی [illegible] اسے امید تھی، کب اسے عالم افروز کو اپنے پاس روکنے کے لیے اتنے جتن کرنے پڑیں گے۔

"ضروری نہیں ہے تو نظر انداز کر[illegible] بھی نہیں ہے۔ غنچہ بہرحال بہت پرجوش مدعوکار ہیں ہم۔"

یہ آخری بات تھی جو عالم افروز نے سجھاؤ[illegible] بعد میں وہ عجلت میں، ڈریس چینج کرتا رہا اور نک سک سے تیار ہوتا رہا۔ غنچہ کی ہر بات کا جواب کبھی نرمی [illegible] کرتا وہ جانے کے لیے پر تولتا رہا۔ جانے کون سے وارم ویلکم (warm welcome) کا لالچ دیا گیا تھا [illegible] کہ غنچہ کی بیباکانہ پیشقدمیاں اس پر اثر انداز نہیں ہو رہی تھیں۔ حتیٰ کہ غنچہ کی متاعِ ناز کو روندے وہ جا [illegible] تھا۔

عالم افروز غنچہ کی حلقۂ چاہت سے خود کو آزاد کیے بے مہر راہوں کا [illegible] تھا۔

وہ تڑپتی رہی، سسکتی رہی تھی، چند لمحوں کا کہا تھا عالم افروز نے اور چھ گھنٹے بیت گئے تھے۔ بارہ بجے تو وقت حساب تھا۔ سیماب کی مسرتوں بھری کال آنا تھی۔ کیسے سامنا کرے گی وہ ان کا [illegible] اپنی عشقیہ حکایات بیان کرتے وہ تھکتی نہیں تھی۔ اسے لگا چند گھنٹوں میں وہ وہیں جا پہنچی ہے جہاں [illegible] یوں لگتا تھا درمیان میں چھ سال کا وہ پرخواب عرصہ آیا ہی نہیں تھا جس میں وہ وصل کا پرندہ بنے محوِ پرواز رہتی تھی اور غزال رعنا کی مانند پہلیں ڈالتی تھی۔

اسے لگا وہ آج اتنی ہی تنہا ہے جیسی والدین کی عدم موجودگی میں حوادثِ زمانہ کا سامنا کرتے وقت تھی۔ جب تفکرات اسے سونے نہیں دیتے تھے اور ادھوری خواہشیں اس کے گلے میں نیکلس کی طرح چمکتی تھیں۔

کال بجی تھی، متواتر بجتے سیل نے اسے متوجہ کیا تھا۔ عبود عالم نے آج سونے میں کوئی شرارت نہیں کی تھی۔ وہ چپ چاپ کھیلتے کھیلتے سو گیا تھا، اس کی نیند ٹوٹنے نہ پائے یہی سوچ کر وہ سیل کی طرف بڑھی تھی جبکہ وہ جانتی تھی کہ اسے گھڑی کی بارہ پر ٹکی سوئیاں کیا سنانے والی تھیں۔ کال کس کی تھی اور کیا گل تمسخر کھلنے والے تھے اسے معلوم تھا۔ اس کے قدم من من بھر وزنی ہو رہے تھے اور ہاتھوں میں یس yes کا بٹن پش کرنے کی سکت نہیں تھی مگر اسے سامنا کرنا تھا، اپنے ہی کیے کو بھگتنا تھا۔ انہی کانوں کے ساتھ وہ سب سننا تھا جن کانوں سے عالم افروز کی چاہت کی لوریاں سنا کرتی تھی۔

Ridadigest.com

”ہیلو غنچہ! مجھے پتہ تھا تم اتنی دیر سے کال ریسیو کرو گی، آف کورس تمہاری حالت کال ریسیو کرنے لائق ہو گی بھی نہیں۔ بٹ مجھ سے رہا نہیں جا رہا تھا اس لیے میں نے......“

رعنا کی چہچہاتی آواز اس کے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی مگر کال تو سیماب یا مائدہ کی جانب سے آنی چاہیے تھی۔ فریق مخالف تو وہی تھیں، رعنا تو اس کی ٹیم کا حصہ تھی مگر یہ سب سوچنے کے لیے اس کے نقاہت زدہ دماغ و بدن میں کوئی گنجائش نہیں تھی۔ وہ خود کو بمشکل ہوش میں رکھے ہوئے تھی۔

”میں جانتی ہوں تم بہت کچھ کہو گی مگر پلیز اس وقت نہیں، اس وقت مجھ سے کچھ نہ کہو۔“

وہ اندر باہر برستے آنسوؤں میں بھیگتی جانے کیسے بول پائی تھی۔

”تم بڑی ہو اس میں شک نہیں مگر یہاں کی بھی تو سنو، سیماب تو منہ چھپائے پھر رہی ہے۔“

رعنا نے پارٹی کا احوال بیان کرنا چاہا تھا، سیماب کے منہ چھپانے کی اطلاع پر غنچہ کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ عالم افروز کس حد تک بے وفا ہوا تھا یہ سوچ اس کے لیے جان لیوا تھی تو گیا مان ہی نہیں کچھ بھی باقی نہیں بچا تھا۔

”رعنا تو کیا سیماب اس حد تک گر گئی؟“

اس نے ہکلاتے ہوئے جملہ مکمل کیا تھا، حواس گم ہونے میں کچھ ہی لمحے باقی تھے۔

”صرف گر گئی مانو وہ تو بیچ میں پھنس گئی۔ اس نے تو انتہائے زعم میں کیک پر اپنے نام کے ساتھ عالم افروز کا نام تک لکھوا دیا تھا۔ وہ بر ملا سب مہمانوں سے کہتی رہی کہ اس کا مہمان خصوصی آنے والا ہے۔ یار اس کی گھنٹوں کے حساب سے کی گئی خود سنوارنے کی کوششیں دھری کی دھری رہ گئیں۔ اس کا مہین پنک فراک فرش کی دھول ہو گیا ہے۔ میک اپ بکھر کے فضول لگ رہا ہے اور وہ خود حواس باختہ ہوئی اپنی ہی لاف و گزاف کو سمیٹتی پھر رہی ہے۔“

رعنا نے تو کمال کی تصویر کشی کر ڈالی تھی۔ غنچہ کے تو کاٹو بدن میں لہو نہیں والی حالت تھی۔ جانے وہ سوچ کے کس درجے پر تھی اتنی تخریب کاری سے پر تقریب تھی۔

”رعنا! اسٹاپ اٹ یار! تم نان اسٹاپ بول رہی ہو۔ کچھ سمجھاؤ تو سہی کہ آخر وہاں ایسا ہوا کیا ہے؟“

غنچہ نے بے صبری سے استفسار کیا تھا۔ کئی بار اس کی زبان دانتوں تلے آئی تھی مگر وہ ایک ہی سانس میں سوال کیے گئی تھی۔

”غنچہ! تم کیسا سوال کر رہی ہو یار، سیماب کے تکبر کی دھجیاں بکھر گئی ہیں۔ اس کا زعم دو کوڑی کا ہو گیا ہے۔ میں نے اور مائدہ نے تو خوب ہوٹ hoot کیا ہے۔ وہ کمرہ بوس ہو چکی ہے، نہ کچھ کھایا نہ مہمانوں کو رخصت کیا۔ یار ہم لوگوں کے بیچ میں ہی بات رہتی تو اچھا تھا۔ اس نے تو بلاوجہ ہر جانے انجانے کے سامنے ساری حکایت بیان کر کے خود کو بے مول کر دیا۔ اب منہ چھپائے پھر رہی ہے۔“

رعنا جوش کے عالم میں طویل پیرائے میں بات کر رہی تھی۔ یقیناً سیماب سے متعلق اس کے اندر کا غصہ آج کھل کر سامنے آیا تھا۔ اس کی تلخ بیانیوں سے کوئی محفوظ بھی تو نہیں تھا، سو وہ زمین بوس ہوئی تو قہقہے چہار سو سے بکھرے تھے، مگر غنچہ تو اب بھی افتاں و خیزاں تھی۔ کہانی سمجھ آ کر بھی نہیں آ رہی تھی۔

”رعنا تو کیا عالم افروز؟“

غنچہ نے زبان دانتوں تلے خود ہی دبالی تھی۔ جانے وہ کیا کہنے والی تھی کہ رعنا کی بات نے اسے زمین سے کئی فٹ اچھال دیا تھا۔

”غنچہ! تمہارے عالم افروز نے نہ آ کر تو جیسے تمہیں شہسوار ناز بنا دیا اور سیماب کو تمہاری خاک پا۔“

رعنا کیا کہہ رہی تھی وہ سن دماغ سے سن رہی تھی۔ اس نے سیل فون گرایا تھا یا گر گیا تھا، معلوم نہیں مگر یہ ضرور تھا کہ وہ اس وقت کسی اور جہان کی باسی تھی۔

شہسوار ناز، خاک پا کیا کہا تھا رعنا نے۔ عالم افروز سیماب کی پارٹی میں نہیں گیا تھا۔ وہ شرط جیت گئی تھی۔ وہ اپنی متاع ناز جیت گئی تھی مگر کیسے؟ وہ تو کئی گھنٹوں سے عالم افروز کی بیوفائی کا ماتم کر رہی تھی۔ اسے عبدالواسع اور میم فرناز کی طرح سیماب کا کامیاب شکار سمجھ رہی تھی مگر وہ تو عالم افروز تھا۔ اس کا ناز فتح، وہ اسے آشنائے شکست کیسے کر سکتا تھا؟

مگر عالم افروز تھا کہاں؟

☆......☆

عمر تنہا کاٹ دی وعدہ نبھانے کے لیے
عہد باندھا تھا کسی نے آزمانے کے لیے

رعنا کا فون بند کر کے وہ دیوانہ وار عالم افروز کا نمبر ٹرائی کرنے لگی تھی مگر سوئچ آف جا رہا تھا۔ وہ سخت ہراساں تھی۔ کیا عجب تھا کہ وہ اس کے کھونے کا ماتم کرتی رہی تھی جو گیا ہی نہیں تھا اور تعجب یہ تھا کہ جو گیا نہیں تھا وہ اس کے پاس بھی نہ تھا۔ وہ جانے کب سے سارے گھر میں بوکھلائی پھر رہی تھی۔ کہاں ڈھونڈے؟ کون خبر لائے؟

اسی خود فراموشی کے عالم میں وہ دروازہ کھول کر باہر لان میں نکل آئی تھی۔ ایک کونے میں لائٹ جلتی دیکھ کر وہ اس جانب بڑھی تھی۔

عالم افروز لان کے بینچ پر نیم دراز تھا۔ وہ اسیر آشیانہ تھا، کہیں اور جا کیسے سکتا تھا؟

غنچہ گلاب کی طرح کھل گئی تھی۔ وارفتہ پا اس کی طرف دوڑی تھی اور اس کے دراز وجود سے لپٹ گئی تھی۔ جانے کون کون سے آنسو اس کی نگاہوں سے بہہ نکلے تھے۔ عالم افروز اس کے پاس تھا تو ماتم کس بات کا تھا۔

جلد ہی اسے احساس ہوا کہ وہ کسی گرم وجود سے نہیں برف کی سل سے لگی بیٹھی تھی۔ اس نے دھیرے سے سر اٹھایا۔ عالم افروز نے دونوں ہاتھ سر کے نیچے فولڈ کیے ہوئے تھے۔ اس نے غنچہ کی بے اختیاری پر کوئی رد عمل نہیں دیا تھا۔ بنا اسے دیکھے آسمان کی جانب نگاہ کیے اس نے یہ شعر پڑھا تھا۔

غنچہ چونک اٹھی تھی۔ کیا کہنا چاہتا تھا وہ۔ کیا وہ اس سب واردات سے واقف تھا؟

”عالم......“

غنچہ نے دھیرے سے پکار کر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔

”اور تم فاتح عالم کہلائی ہو۔“

عالم افروز نے بھی مدھم لہجے میں کیا انکشاف کیا تھا کہ وہ ساکت و جامد رہ گئی تھی۔

”عالم! آپ یہاں اتنی دیر سے کیوں بیٹھے ہیں، اندر چلیں، کیوں کیا آپ نے میرے ساتھ ایسا۔“

غنچہ نے انتہائی مان سے اسے بازو سے تھامے بینچ سے اٹھانے کی سعی کی تھی مگر عالم افروز کے جھٹکے سے خود کو چھڑانے پر وہ کئی قدم پیچھے گرتے گرتے بچی تھی۔ کیسا روپ تھا عالم افروز کا جس سے وہ آج تک ناواقف تھی۔

Ridadigest.com

"میں نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ غنچہ میری چاہت کو تولا تم نے، میزان آزمائش کھولا تم نے، شرطیں باندھیں میرے دعویٰ عشق پر، سربازار میرے فسانہ کو عام کیا تم نے اور کہہ رہی ہو کہ میں نے کیا کیا؟"

عالم افروز کو اتنے غصے میں اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ شدت رنج میں مبتلا دکھائی دیتا تھا۔ غنچہ کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ جو کھیل کھیل رہی تھی عالم افروز اس سے واقف تھا جبکہ اس کے کسی انداز سے ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس قصے کا واقف کار تھا۔

"عالم! آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ محض آپ کے عشق کی سچائی ثابت کرنے کے لیے۔"

"غنچہ عالم نے عالم افروز کے عشق کی سچائی ثابت کرنے کے لیے اسے چوراہے کی زینت بنا دیا۔"

غنچہ کے من من کرتے تاویلی مان کو عالم افروز نے مکمل کیا تھا۔ وہ سخت کبیدہ خاطر تھا۔ غنچہ کو گریہ شب نے پہلے ہی سبق سکھا دیا تھا۔ اب عالم افروز کی کاٹ دار عدالت اسے مزید گھائل کر رہی تھی۔

"عالم! میں [illegible] نہیں چاہتی تھی۔ آپ کی چاہت پر شک تو میرے گمان کے ہزارویں حصے میں بھی نہ تھا مگر......"

غنچہ کے لیے [illegible] کرنا بے حد دشوار تھا۔ وہ اب تک خود کو اپنی اس سنگین غلطی پر مطمئن نہیں کر سکی تھی تو عالم افروز کو کیا جواز پیش کرتی۔ [illegible] کے پاس اپنی صفائی میں کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ صرف ایک ناز و مان ہی تھا جس کی بدولت وہ عالم [illegible] سامنے کھڑی تھی۔

"اسی بات کا تو شکوہ ہے غنچہ، تم نے [illegible] سمجھے آگ کے دریا میں گرہستی کی ناؤ اتار دی۔ ڈوب جاتی، جل جاتی، نقصان کس کا ہوتا۔ ہمارا آشیانہ [illegible] کا کیا جاتا عشق تو چلو کھیل ہی تھا، چاہت سمجھو لفظی ہی تھی۔ میری وفا بے مول ہی سہی مگر ہمارا [illegible] تھی۔ تم نے اسے آب رواں پر اتار دیا۔"

عالم افروز کے غم و غصہ کی کوئی حد نہیں تھی۔ اس کا چہرہ [illegible] رہا تھا اور ہاتھوں کی انگلیاں باہم پیوست تھیں۔ وہ ایک قدم آگے بڑھتا تو چار قدم پیچھے مڑ جاتا تھا۔ [illegible] کی کوئی حد تھی۔

"عالم! ایسا نہیں تھا۔ میں تو بس...."

غنچہ نے بمشکل چار لفظ کہے تھے۔

"مت بولو غنچہ! تمہارے پاس کہنے کے لیے کچھ ہے ہی نہیں۔ جان لو تمہارے پاس تو ناز کرنے کے لیے بھی کچھ نہیں تھا۔ یہ عشوہ و ادائیں تمہاری ملکیت ہی نہیں تھیں۔ میں ملکیت رکھتا تھا ان کی۔ تمہیں ان کا صدا نشین میں نے بنایا تھا۔ تمہیں آزمانا تھا تو مجھ سے میری جان مانگ لیتیں مگر تم نے یہ فریضہ ان کے سپرد کیا جن کے چمن میں وفا و چاہت کی نسیم چلی ہی نہیں۔ جو گھر گرہستی کے دریا میں اتری ہی نہیں۔ وہ تمہیں سکھائے گی کہ جذبہ من کے خواب نایاب ہونے کو کیسے پرکھا جائے۔"

عالم افروز کے حرف حرف میں اس کی عقیدت آشیانہ جھلکتی تھی۔ غنچہ عالم افروز کے بیان میں کومہ یا فل اسٹاپ لگا ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ یہ تک نہیں بتا سکتی تھی کہ جو کچھ وہ کہہ رہا تھا وہ تو ایک شب کے اشکوں نے اسے خوب اچھی طرح حفظ کرا دیا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر اس کے لبوں پر ہاتھ بھی نہیں رکھ سکتی تھی کیونکہ اس کا بولنا خوبصورت بھی تھا اور فرحت بخش بھی کیونکہ چند لمحوں قبل جس آشیانے کے وہ تنکے بکھرتے دیکھ رہی تھی اسی آشیانے کی ہمیشگی کی وہ نوید سنا رہا تھا۔

غنچہ روداد ہستی اور حدیث دیگراں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ تم نے ایسی بازی کھیلنے میں حصہ لیا جس میں

[illegible] لاڑی بھی تم تھیں اور مہرہ بھی تم۔ جیت بھی تمہاری تھی اور پٹ بھی۔ ہر ٹرن صرف تمہارا تھا۔ امتحان صرف تم [illegible] دیا، نتیجہ صرف تم نے بھگتنا تھا، جیت بھی تم نے سلیبریٹ کرنی تھی اور مات کا ماتم بھی صرف تمہارا نصیب [illegible]۔ کیسا کھیل تھا غنچہ! تمہاری دوستوں نے صرف شطرنج بچھائی اور ساری بازیاں تمہارے حصے میں آئیں۔ [illegible] کتنا دانشمندانہ قدم اٹھایا تم نے۔ اپنے گھر کے دروازے خود راہزنوں کے لیے کھول دیے کہ آؤ اور میری متاع لوٹ لے جاؤ اور پھر خالی ہاتھ رہ جانے پر تنہا سوگ بھی منایا۔ کہاں تھیں تمہاری وہ ہمجولیاں جن کے سامنے تم میری چاہت کو ثابت کرنے چلی تھیں۔"

عالم افروز نے اسے چہار طرف سے گھیر رکھا تھا۔ بھاگنے کی راہیں مسدود تھیں اور وہ بھاگنا چاہتی بھی نہیں تھی۔ کس سے دور جاتی، وہ جو عشق بھی لفظوں کے ذریعے دل میں اتارتا تھا تو آج قہر بھی لفظ بن کر اسے آئینہ دکھا رہا تھا۔ غنچہ نے آگے بڑھ کر اس کے سینے پر سر ٹکا دیا تھا۔

"عالم! جب آپ سب جان چکے تھے تو روکا کیوں نہیں مجھے؟"

غنچہ نے ایک بار پھر اسے بت ہی پایا تھا۔ اس کے وجود میں جنبش نہیں تھی مگر دھڑکنوں کی سرگم غنچہ کا حوصلہ بڑھانے کو کافی [illegible] امتحان تو اب شروع ہوا تھا۔

"روک لیتا تو تمہیں [illegible] وقت وہ سبق کیسے پڑھاتا۔ سیماب سے پہلی نشست نے ہی مجھے باور کرا دیا تھا کہ اس کے حسن میں اس کے سوا کوئی نقش نہیں کہ اس کے دلفریب چہرے پر محبت اور وفا کا خال نہیں ہے۔ کھیل تم نے نہیں میں نے کھیلا تھا۔ تمہیں [illegible] کے لیے کہ دل کا خزانہ ہر کسی کی زلف اور خال کو نہیں دیا جاتا کیونکہ ہر کوئی ایسے خزانے کا حقدار نہیں ہوتا۔"

عالم افروز نے اب کے نرمی سے اسے خود [illegible] اور بنا اس کے آنسو صاف کیے اندر کی طرف قدم بڑھا دیے تھے۔ وہ بہت کچھ کہہ چکا تھا۔ شاید اب [illegible] گنجائش نہیں تھی۔ غنچہ اس کے سپاٹ پن سے ڈھے سی گئی تھی۔ وہی بیچ جہاں عالم افروز نے آدھی رات بتائی [illegible] غنچہ سحر کرنے والی تھی۔

☆......☆

آج دوسرا ہفتہ تھا۔ عالم افروز کے تغافل اور پرخاش بے حساب کو، وہ [illegible] نظر [illegible] تا تھا۔ غنچہ کی شب ملال طویل ہوتی جا رہی تھی۔ غنچہ بوکھلائی سی اس کے پیچھے پھرتی تھی۔ وہ چلاتا نہیں تھا، روٹین کے تمام امور انجام دے رہا تھا۔ عبود عالم کے ساتھ اس کی مستیاں جوں کی توں تھیں۔ وہ ہی صبح تھی، وہی شام تھی، غنچہ سے بھی ضروریتاً بات کرتا تھا اور اس کی ہر بات کا جواب بھی ارسال کرتا تھا مگر بہت کچھ کمی تھی اور جانے کب تک رہنے والی تھی۔

اگلے دن رعنا اور مائدہ آئی تھیں اسے وش کرنے اور سیماب کے شکستہ لوٹ جانے کی خبر دینے۔ انہی کی زبانی غنچہ کو پتہ چلا کہ عالم افروز کے فنکشن میں نہ جانے پر سیماب نے ہر حربہ آزمایا تھا۔ اس نے عالم افروز کو کال کی تھی مگر سوئچ آف ملا تھا تو اس نے اپنے ملازم کے ذریعے عالم افروز کو پیغام بھیجا تھا۔ ملازم کے موبائل سے ہی عالم افروز نے سیماب سے بات کی تھی۔

سیماب نے دلنوازی سے نہ آنے کا سبب دریافت کیا تھا۔ جواب میں عالم افروز نے اسے خوب آئینہ دکھایا تھا۔ غنچہ حیران تھی وہ اس قدر ہراس شب میں مبتلا رہی کہ اسے خبر ہی نہ ہوئی اس کے گھر کے آنگن میں کیا کچھ ہو گیا۔ عالم افروز کی قدر و منزلت اس کی نگاہ میں دوگنا ہو گئی تھی۔ عالم افروز کی بے رخی اس کے لیے

Ridadigest.com
Ridadigest.com

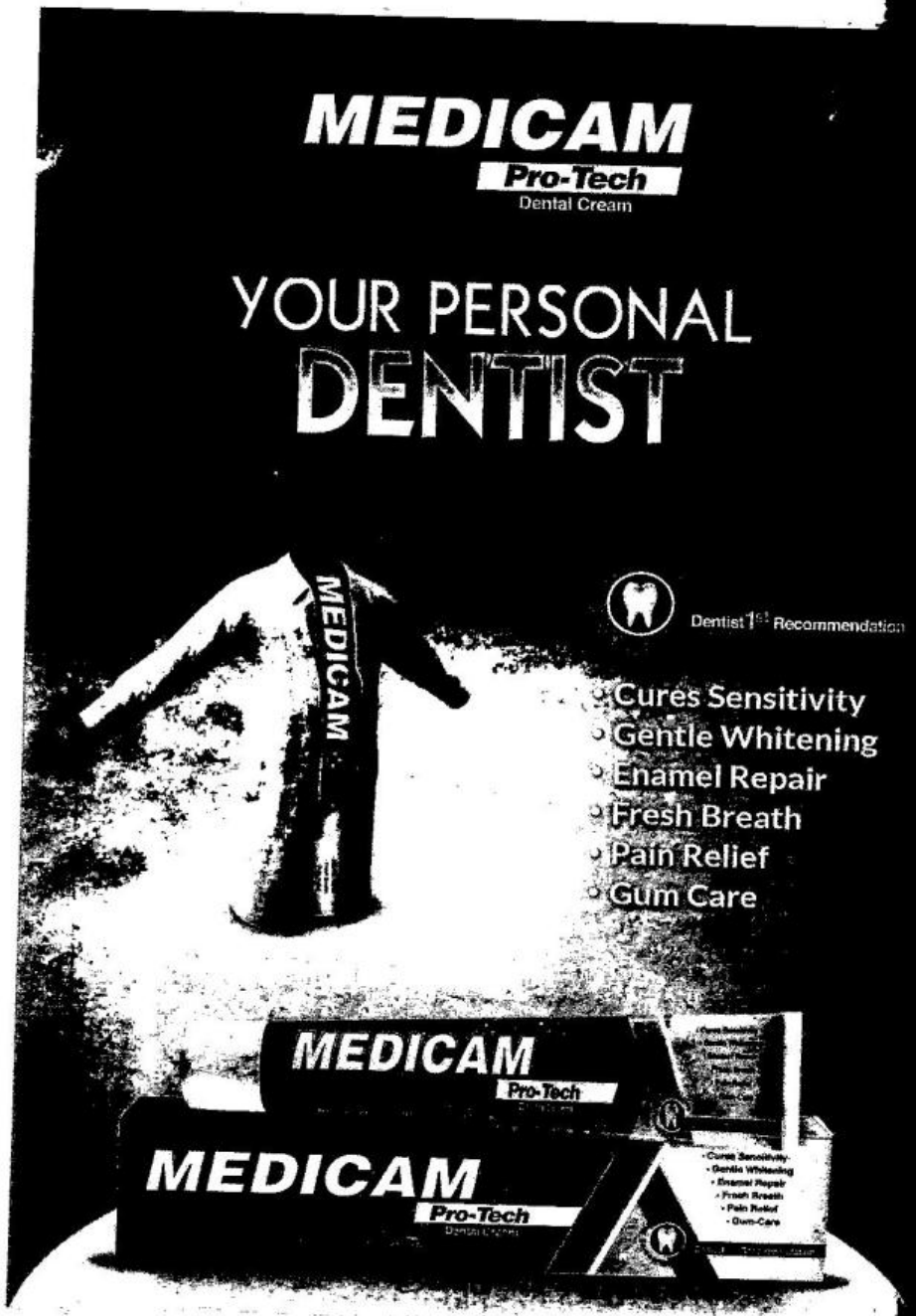

تازیانے سے کم نہ تھی۔ یہ گریہ سامانی اس کی برداشت سے باہر ہوئی تو عبود عالم کے ہاتھ لکھ کر ٹیرس پر عالم افروز کو پیغام بھجوادیا۔

"بدلنا ہے تو بدل جاؤ، بھولنا ہے تو بھول جاؤ مگر درد اتنا نہ دو کہ میرا دم نکل جائے۔"

عالم افروز نے عبود کو کاندھے پر اٹھایا تھا اور اس کی ماں کا سندیسۂ محبت بہت ترنم سے سنا دیا تھا۔ ناراضی اپنی جگہ تھی مگر وہ اس کا ناز فتح بھی تو تھا۔ غنچہ کی حالت لرزاں اس کی نگاہوں سے پوشیدہ کب تھی۔ وہ اپنی برہمی کو طول دیتا بھی کیسے؟ اپنے ہی دل کی دھڑکن درماندہ تھی۔

وہ عبود عالم کو کھلونوں میں الجھائے روم میں چلا آیا تھا جہاں وہ دشمن جاں بیڈ پر اوندھی گری تھی۔ اس کے انداز استراحت [illegible] عالم افروز کو گری سے زیادہ پڑی کی اصطلاح معقول لگی تھی۔ وہ بمشکل ہنسی دبائے بے نیازی چادر اوڑھ پایا تھا۔

"تم اس خوف میں مبتلا [illegible] عشق کی مہر مٹنے والی نہ ہو اور مجھے یہی ڈر تھا کہ [illegible] دو گے مجھے آزمانے کے بعد"

عالم افروز کے مخصوص انداز سخن نے [illegible] کیا تھا۔ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی تھی اور اتنے سے التفات پر بھی پھول کی طرح کھل گئی تھی۔ اسے لگا صدیوں بعد [illegible] پانی کی بوندیں گری ہوں۔

"صرف ایک بات کا جواب دو غنچہ! تمہیں اپنا ناز [illegible] تھا یا مجھے ہارنے سے خوفزدہ تھیں؟"

عالم افروز نے آگے بڑھ کر اس کے ہر دوسرے لمحے [illegible] اشک ہاتھوں کی پوروں سے صاف کیے تھے۔ غنچہ بیڈ پر کھڑے ہو کر اس دراز قد پر چھا گئی تھی۔

"عالم! آپ ہی میرا ناز فتح ہیں اور آپ کے آگے سر خم کر کے میں [illegible] ہوں۔"

غنچہ کی خود سپردگی اسے مزید ایکٹ کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ وہ خود پر بند باندھے باندھے تھک گیا تھا۔

آہ کسی نے صحیح ہی کہا ہے، چنبیلی جیسی خوشبو دینے والے حسین جب پہلو میں بیٹھتے ہیں تو دل کا غبار باقی نہیں رہنے دیتے۔ جب پری چہرہ لوگ لڑتے ہیں تو دل کا سکون چھین لیتے ہیں۔ جب عنبریں زلفوں سے دلوں کو جھاڑتے ہیں تو جھاڑ ہی دیتے ہیں۔

اور جب بہت پاس آکر بیٹھتے ہیں تو دل میں شوق کا پودا لگا دیتے ہیں۔"

عالم افروز کے بے رحم حلقہ نے اس کی سانسیں تنگ اور وجود گل و گلزار کر دیا تھا۔ اس کے بے قرار من کو قرار آگیا تھا۔ طوفان میں ڈولتی ناؤ پار لگ گئی تھی۔

"جان عالم! تمہیں کوئی شکست نہیں دے سکتا میرے ہوتے۔"

عالم افروز نے اس کی بکھری زلفیں مزید بکھرا دی تھیں۔ چہرہ پہلے آنسوؤں سے تر تھا تو اب پیار کی پھوار سے بھیگ رہا تھا۔ وہ سزا پائے ہوئے بچے کی فرح فرمانبرداری سے سر ہلانے لگی۔

"اور میری شرانگیزی سے تمہیں کوئی بچا بھی نہیں سکتا۔"

عالم افروز رفتہ رفتہ اسے پچھتاوؤں کی دلدل سے باہر نکال رہا تھا اور وہ کرتا بھی کیا۔ غنچہ کی چشم پرنم زلف آشفتہ اور لمس بے قرار اس پر ایسا حاوی ہو گیا تھا کہ عالم افروز غنچہ عالم کی پشیمانی کے صدقے میں خود پشیمان ہو گیا تھا۔ غنچہ واقعی فاتح عالم تھی۔

......☆......

Ridadigest.com

صبا سعید

ہم تمہارے ہیں

"صاحب جی ! جلدی آ جائیں' شاہ صاحب آپ کا ناشتے پر انتظار کر رہے ہیں"۔ وہ ابھی فریش ہو کے نکلا ہی تھا جب شرفو نے اسے اطلاع دی تھی "تم چلو میں بس ابھی آیا"۔ اس نے اسے ج

کہااور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کے اپنے بال بنانے لگا جب وہ نیچے آیا تو اس کے دادا شاہ صاحب ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

''السلام علیکم!'' اس نے معمول کے مطابق ان کے گلے میں بانہیں ڈال کے سلام کیااور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''شرفو! دادو کی میڈیسن لے آؤ''۔ ناشتے سے فارغ ہو کے کچن میں مصروف شرفو کو آواز دی' تو شرفو دو منٹ بعد ان کی دوائی لے کے حاضر ہو گیا' اس نے باکس میں سے ان کی میڈیسن نکالی اور پانی سے بھرا ہوا گلاس ان کے سامنے رکھا تو وہ بول پڑے۔

''کب تک میں ان دواؤں کے سہارے جیتا رہوں گا مانا کہ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی تھی جس کی سزا میں آج تک بھگت رہا ہوں' تمہارے آفس چلے جانے کے بعد یہ گھر مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے اب تو تنہائی سے بھی خوف آنے لگا ہے کاش مجھ سے وہ سب نہ ہوا ہوتا جس کی وجہ سے میں آج تک پچھتا رہا ہوں' پلیز بیٹا تم اس کو ڈھونڈ کے لے آؤ میرے پاس یہ میری تم سے آخری التجا ہے' تاکہ مرنے سے پہلے میں اس سے ایک بار معافی تو مانگ لوں بیٹا لے آؤ اسے ڈھونڈ کے میں پل پل مر رہا ہوں''۔ انہوں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

''دادو پلیز! چپ ہو جائیں مجھ سے آپ کے آنسو دیکھے نہیں جاتے' تکلیف ہوتی ہے مجھے میں کوشش تو کر رہا ہوں دو تین دن میں ان کا پتہ چل جائے گا' میں خود ان کو آپ کے لئے لے کر آؤں گا چاہے مجھے ان کے سامنے ہاتھ کیوں نا پھیلانے پڑیں یہ میرا آپ سے وعدہ ہے آپ پلیز حوصلہ رکھیں''۔ اس نے اپنے ہاتھوں کی پوروں سے ان کے آنسو صاف کئے اور ان کی وھیل چیئر لے کے لان میں آ گیا کچھ ادھر ادھر کی باتیں کر کے ان کو بہلانے کی کوشش کرنے لگا۔

''دادو! میرا آفس کا ٹائم ہو گیا ہے اب میں چلتا ہوں جلدی آنے کی کوشش کروں گا''۔ وہ شرفو کو ان کے متعلق ہدایت دے کے چلا گیا۔

☆☆☆☆

وہ آفس میں بیٹھا ارد گرد سے بے نیاز فائل چیک کرنے میں مصروف تھا جب کوئی بنا ناک کئے اندر آیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا' اس نے ایک نظر آنے والے کو دیکھا اور دوبارہ کام میں مصروف ہو گیا' دس پندرہ منٹ بعد اس نے جھنجلا کے فائل اس کے ہاتھ سے لے کر بند کی اور اپنے ساتھ والی کرسی پر رکھ دی۔

''پلیز! یہ کام وام چھوڑو اور گڈ نیوز سنو جو میں تمہارے لئے لایا ہوں تم خوشی سے پاگل ہو جاؤ گے ذرا گیس کرو کہ کونسی گڈ نیوز ہو گی''۔ کاشف نے اس کی ناراضی کو خاطر میں نا لاتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

''بلکہ اس کے بدلے میں تمہیں مجھے اچھا سا ڈنر کروانا ہو گا' پر پہلے چائے وائے کا تو انتظام کرو''۔ کاشف نے انٹر کام اٹھا کے اس کی طرف بڑھایا تو اس نے چائے کے ساتھ ریفرشمنٹ کا سامان لانے کو کہا۔

''کیا اب پھر تم نے کوئی گرل فرینڈ بدل لی ہے؟'' اس نے بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''او نہیں یار کیا میں تمہیں شکل سے ایسا دکھتا ہوں ابھی ایک ہفتہ پہلے ہی تو بدلی ہے''۔ جواباً اس نے بھی مزے سے کہا۔

''تو پھر بکتے کیوں نہیں ہو کیوں سر کھا رہے ہو؟'' اس نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

''اچھا پھر سن میرے بھائی''۔ جواباً وہ ذرا آگے کو جھکا اور ایک پرچی اس کی جانب بڑھائی۔

''یہ ایڈریس ہے تمہاری پھپھو کا' امریکا سے تین ماہ پہلے ہی یہاں شفٹ ہوئے ہیں یہ لوگ' ان کے

شوہر بہروز انجم خان انڈسٹری کے مالک اور ان کی دو بیٹیاں انابیہ اور عنائبہ ہیں' اب آگے کی انفارمیشن اور باقی کا کام جو کرنا ہے تمہیں ہی کرنا ہو گا''۔ وہ بغور اس کے تاثرات جانچنے لگا۔

''تھینک یو سو مچ یار تمہیں نہیں پتہ تم نے میرا کتنا بڑا کام کیا ہے تم نے تو میری مشکل ہی آسان کر دی اس کے لئے ڈنر پکا جہاں تم کہو گے وہیں کراؤں گا''۔ اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے تشکر بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''تھینکس کی کیا بات ہے میرے یار تم نے ایک کام کہا تھا میں وہ بھی نہ کروں تو لعنت ہے ایسے دوست پر آگے بھی کوئی کام ہو تو بندہ ناچیز کو یاد کر لینا''۔ اس نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

☆☆☆☆

آج وہ بہت خوش تھا وہ یہ خبر جلد سے جلد دادو کو سنانا چاہتا تھا' اس لئے وہ آج آفس سے جلدی اٹھ گیا تھا' تاکہ وہ دادو کے ساتھ اس خوشی کو انجوائے کرے' پھپھو کی تصویریں اس نے گھر میں پہلے ہی دیکھ رکھی تھیں اور بہروز انجم کی بھی خبریں اکثر اخبار میں آتی رہتی تھیں اس لئے وہ ان سے تو اچھی طرح واقف تھا وہ تصور میں ان سب کو اپنے گھر میں چلتے پھرتے دیکھ رہا تھا جب اس کی گاڑی کی ٹکر سامنے والی گاڑی سے بری طرح ہوتے ہوئے بچی' چوکیدار نے گیٹ کھولا تو اس نے گاڑی پورٹیکو میں کھڑی کی اور رمضان سے دادو کے بارے میں پوچھتا ہوا ان کے کمرے کی طرف چلا گیا' جب وہ اندر داخل ہوا تو شاہ صاحب لیٹے ہوئے تھے وہ ان کے مدمقابل جگہ لے کے بیٹھ گیا۔

''دادو پھپھو کا پتہ چل گیا ہے''۔ اس نے خوشی سے بھرے لہجے میں کہا۔

''سچ اگر ایسا ہے تو بیٹا تم اسے لے آؤ' بتاؤ میرے لئے لاؤ گے نا تم اسے''۔ وہ بچوں کی طرح اس سے پوچھنے لگے۔

''ہاں دادو! بس اب بہت جلد انہیں اس گھر میں لے آؤں گا' دیکھیئے گا ان کے آنے سے اس گھر میں کتنی رونق آ جائے گی دادو''۔ اس نے ان کے اوپر کمبل ڈالتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا اور ان کو آرام کرنے کا کہہ کر چلا گیا۔

☆☆☆☆

''وہ میم صاحب باہر کوئی آدمی آیا ہے کہہ رہا ہے آپ سے ملنا ہے''۔ روبا بیگم' انابیہ اور عنائبہ کے ساتھ لان میں بیٹھی چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھیں جب چوکیدار نے آ کے انہیں کسی کے آنے کی اطلاع دی تھی۔

''ٹھیک ہے تم اسے اندر لے آؤ''۔ انہوں نے کہا۔ تھوڑی دیر بعد چوکیدار کے ہمراہ ایک ہینڈسم اور خوبرو سے لڑکے کو آتے ہوئے دیکھا۔ پاس آنے پر اس نے تینوں نفوس پر ایک گہری نظر ڈالی اور انہیں سلام کیا تو انہوں نے صرف سر کے اشارے سے ہی اکتفا کیا اور اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''کون ہو تم اور کس لئے آئے ہو یہاں؟''

''وہ میم صاحب جو آپ نے ڈرائیور کے لئے اخبار میں اشتہار دیا تھا میں اسی سلسلے میں آیا ہوں''۔ اس نے اپنے آنے کا مدعا بیان کیا۔

''اچھا تم ڈرائیوری کے سلسلے میں آئے ہو؟'' انہوں نے اس کا بغور جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''جی''۔

''نام کیا ہے تمہارا؟'' اگلا سوال پوچھا گیا۔

''ویشل''۔

''کتنا پڑھے ہو؟''

''گریجویشن کیا ہے''۔ اس نے فوراً جواب دیا۔

''گھر میں کون کون ہے تمہارے اور تمہیں نوکری کی ضرورت کیوں پڑی؟'' ایک اور سوال۔

''میرا کوئی نہیں ہے ماں بچپن میں گزر گئی تھی اور والد چار ماہ پہلے روڈ ایکسیڈنٹ میں وفات پا گئے رشتے دار کوئی نہیں ہے''۔ اس نے کاشف کا رٹایا ہوا جواب دیا۔

''مجھے تو نہیں لگتا''۔ اتنی دیر سے چپ انابیہ سے رہا نہ گیا تو درمیان میں ہی بول پڑی' یشل نے ایک نظر سر اٹھا کے اسے دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

''مطلب دیکھنے میں تو کافی پڑھے لکھے اور امیر گھرانے کے لگتے ہو''۔ اس نے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

''تم چپ رہو انابیہ''۔ روبا بیگم نے اسے ڈانٹا اور انہیں اندر جانے کو کہا۔ کافی سارے سوالوں کے جواب دینے کے بعد آخر اسے نوکری مل ہی گئی تھی۔

☆☆☆☆

''انابی اٹھو جلدی کرو نہیں تو میں تمہیں چھوڑ کے خود ڈرائیور کے ساتھ یونیورسٹی چلی جاؤں گی''۔ عنائبہ انابیہ کو کب سے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی اسے ٹس سے مس نہ ہوتا دیکھ کر آخری حربہ آزمانے کی کوشش کی اور سائیڈ ٹیبل پر پانی سے بھرا ہوا گلاس اٹھا کے اس کے منہ پر چھینٹے مارنے لگی تو وہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔

''کیا تکلیف ہے تمہیں؟'' اس نے احتجاجاً کہا۔

''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کب سے تمہیں اٹھانے کی کوشش کر رہی ہوں باہر ڈرائیور بے چارہ ہمارے انتظار میں سوکھ سوکھ کے لکڑی ہو گیا ہوگا چلو اب پانچ منٹ میں فریش ہو کے آجاؤ ورنہ میں تمہارا اور ویٹ نہیں کروں گی''۔ عنائبہ نے اس سے کہا۔

''اتنے ہینڈسم گڈ لکنگ لڑکے کو تم ڈرائیور کیوں کہہ رہی ہو اتنا اچھا نام ہے اس کا یشل''۔ اس نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ایسے کام تم ہی کرو اگر مما کو پتہ چل گیا تو تمہارا قیمہ بنا دیں گی''۔ اس نے اسے دھمکاتے ہوئے کہا۔ وہ 'ہونہہ' کہہ کر واش روم میں گھس گئی جب وہ فریش ہو کر عنائبہ کے ہمراہ باہر آئی تو یشل موبائل پر کسی سے لگائے کسی سے بات کرنے میں مصروف تھا' انہیں آتا دیکھ کر کال کاٹ کر موبائل جیب میں ڈال لیا۔ ان کے لئے نہایت ہی ادب سے پیچھے والا دروازہ کھولا تو وہ دونوں اندر بیٹھ گئیں۔

''اچھے لگ رہے ہو''۔ جب اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تو انابیہ کو کہتے سنا۔

''تم پر یہ کام بالکل بھی سوٹ نہیں کرتا تمہیں حکم ماننے والوں میں سے نہیں حکم چلانے والوں میں سے ہونا چاہئے تھا''۔ اس نے بیک مرر سے دیکھا تو انابیہ اسی کی ہی طرف دیکھ رہی تھی تو وہ مسکرا دیا۔

''اب تمہیں کیا بتاؤں میں حکم چلانے والوں میں سے ہی ہوں''۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا اسے یہ کانچ سی آنکھوں والی لڑکی پہلی ہی نظر میں بھا گئی تھی۔

اس نے انہیں یونیورسٹی کے گیٹ پر اتارا اور گاڑی کا رخ اپنے آفس والی سڑک پر موڑ لیا اسے آج ایک اہم میٹنگ کے لئے جانا تھا کاشف نے اسے کال کر کے بتا دیا تھا جس میں اس کا جانا ضروری تھا۔

☆☆☆☆

شاہ صاحب کے دو ہی بچے تھے بیٹی روبا شاہ اور بیٹا رضا شاہ' روبا شاہ کی پیدائش کے 5 سال بعد شاہ بیگم کی ہارٹ اٹیک کی وجہ سے موت ہو گئی تھی تب شاہ صاحب نے اسے ماں اور باپ دونوں کا پیار دیا تھا' اور انہیں اپنی لاڈلی لخت جگر بیٹی سے بہت محبت تھی وہ اس کی ہر چھوٹی سے بڑی خواہش پوری کرتے تھے رضا کی نسبت روبا چھوٹی ہونے کی وجہ سے شاہ صاحب سے زیادہ مانوس تھی' ان کی خوشیوں کو وہ بہروز انجم خان کی وجہ سے آیا تھا' بہروز روبا کا کالج فرینڈ تھا وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے یہ پسند کب محبت میں تبدیل ہوئی وہ اس سے قطعی بے خبر

بہروز انجم خان کی دیوانگی جب حد سے بڑھ گئی تو
نے شاہ صاحب کو بتا دیا وہ پہلے تو اس پر بہت
م ہوئے پھر اپنے غصے کو کنٹرول کرتے ہوئے اس
تے سے انکار کر دیا رضا بھی اس پر پوزل پر ناخوش
پر وہ اپنی لاڈلی بہن کو دکھی بھی نہیں دیکھ سکتے تھے
ن لئے انہوں نے شاہ صاحب کو منانے کی بہت
وشش کی پر وہ خان فیملی میں اپنی بیٹی کی شادی نہیں
کرنا چاہتے تھے انہوں نے انہی دنوں اپنے دوست
یمان کے بیٹے کا پرپوزل قبول کر لیا' ادھر روبا شاہ
نے دو دن سے کمرہ بند کیا ہوا تھا کھانا پینا تو دور اس
نے کسی سے بھی بات کرنا بھی چھوڑ رکھا تھا' پھر ایک
ن وہ فریش ہو کے نیچے آئی تو اس نے اس پرپوزل
کے لئے خوشی خوشی ہاں کر دی' شاہ صاحب تو خوشی
سے کھل ہی گئے تھے انہوں نے آگے بڑھ کر اس کی
گشادہ پیشانی چوم لی' دونوں طرف سے شادی کی
یاریاں ہونے لگیں پھر ایک دن وہ ہوا جو کسی کے بھی
وہم و گمان میں نہیں تھا اس دن روبا کو کسی لڑکے کے
ساتھ گھر میں داخل ہوتے دیکھا تو سب لوگ اپنی
جگہ پر انہیں دیکھ کر چونک گئے۔

''کون ہے یہ تم اس لڑکے کو یہاں کیوں لائی
؟'' شاہ صاحب نے اپنا غصہ دباتے ہوئے رعب
سے پوچھا۔

''بابا یہ میرے شوہر بہروز انجم خان ہیں ہم
نوں نے آج کورٹ میں شادی کر لی ہے آج
سے یہ آپ کے داماد ہیں''۔ روبا شاہ دو قدم آگے
ئی اور کہا۔

''نہیں بن سکتا یہ میرا داماد تم اس کی وجہ سے
ری آنکھوں میں دھول جھونکتی آئی ہو' ہمیں دھوکہ
تی رہی اپنے باپ کی عزت کا بھی خیال نہیں آیا
اسے نہیں چھوڑوں گا''۔ شاہ صاحب غصے میں
تے ہوئے اندر کی طرف چلے گئے اور اپنی بندوق
لے آئے اور غصے سے کھولتے ہوئے انہوں نے
گولی چلائی جو بہروز انجم خان کے کندھے کو چھوتی
ہوئی گزر گئی۔

''بابا''۔ رضا نے انہیں بروقت سنبھالا وہ صدمے
اور غصے سے نڈھال زمین پر بیٹھتے چلے گئے۔

''اسے کہو چلی جائے یہاں سے مجھے اپنی شکل
مت دکھائے''۔ وہ غم و غصے سے چلا رہے تھے۔

''جا رہی ہوں میں مجھے بھی آپ کا کچھ نہیں
چاہئے جس گھر میں میرے شوہر کی کوئی عزت نہیں
اس کے ساتھ ایسا سلوک ہو میں نے اس گھر میں رہ
کے کیا کرنا ہے' بھول جائیے گا کہ آپ کی کوئی بیٹی بھی
تھی میں آج آپ سب لوگوں سے ہر تعلق توڑ کر
جا رہی ہوں''۔ اس نے کہا اور بہروز کو سنبھالتی ہوئی
گیٹ عبور کر گئی' پیچھے شاہ صاحب اس کی ڈھٹائی پر
پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے۔

☆☆☆☆

''تمہیں پتہ بھی ہے کہ دو بجے چھٹی ہو جاتی ہے
اور تم نے اتنی دیر کر دی میں کب سے تمہارا ویٹ
کر رہی تھی''۔ وہ گاڑی میں بیٹھتے ہی شروع ہو گئی۔

''ویٹ کر رہی تھیں؟'' یشل نے
مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''وہ..... میں میرا مطلب تھا کہ تم اتنے لیٹ
آئے میں پریشان ہو رہی تھی''

''کیا آپ میرے لئے پریشان ہو رہی تھیں؟''
یشل بھی آج اسے تنگ کرنے کے موڈ میں تھا اس
لئے اس کی بات کاٹ دی۔

''میری پوری بات تو سن لو ہم کبھی اتنے لیٹ گھر
نہیں گئے مما بہت ناراض ہوتی ہیں''۔ اس نے
گھبرا کر فوراً وضاحت دی۔

''مجھے تھوڑا سا کام تھا اس لئے دیر ہو گئی تھی لیکن
آئندہ نہیں ہو گی''۔ وہ اس پر سے نظریں ہٹا کے اپنے
دھیان میں گاڑی چلا رہا تھا' لیکن انابیہ کی نظریں اس
پر ہی ٹکی ہوئی تھیں' وہ اردگرد سے بے خبر صرف اس کو

Ridadigest.com

ہی سوچ رہی تھی کہ اچانک اس کی آواز نے انابیہ کو سوچ کے محور سے باہر نکالا۔

''اگر آپ میرے خیالوں سے باہر آ گئی ہیں تو پلیز باہر آجایئے گھر آ گیا ہے''۔

''اف توبہ یہ لڑکا بھی نا اس کی آنکھیں ہے یا''۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی اتر گئی۔

☆☆☆☆

''عنائیہ ایک بات کہوں؟'' انابیہ نے اسے آتے ہی کہا تھا۔

''ہاں بولو'' اس نے ٹی وی آن کرتے ہوئے کہا۔

''یار مجھے وہ بہت اچھا لگتا ہے''۔ اس نے کندھے سے بیگ اتارتے ہوئے کہا۔

''مطلب؟'' عنائیہ نے اسے حیرانی سے دیکھ کر پوچھا۔

''مطلب صاف ہے یہی کہ میں اُسے پسند کرنے لگی ہوں''۔ اس نے مزے سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اچھا' میں ابھی مما سے تمہاری بات کرتی ہوں' ممی' ممی''۔ اس نے آوازیں دینا شروع کر دیں۔

''یہ کیا کر رہی ہو کیوں مروانا ہے مجھے' میں نے تو صرف بات کی ہے تم سے تم ہو کہ''۔

''کیا بات ہے بیٹا؟'' اس سے پہلے کہ انابیہ اپنی بات پوری کرتی روبا بیگم وہاں آ گئیں۔

''کچھ نہیں مما آپ اپنا کام کریں''۔ انابیہ نے جلدی سے کہا۔

''ورنہ کیا پتا عنائیہ مما کو ساری بات ہی نا بتا دے' اتنی منہ پھٹ ہے یہ''۔

''عجیب ہو تم دونوں آتے ہی گھر سر پر اٹھا لیتی ہو''۔ مما بڑبڑاتی ہوئی کچن میں چلی گئیں اور اب انابیہ عنائیہ سے لڑتی جھگڑتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆☆

''دادو! آپ ٹائم پر دوائی کیوں نہیں لیتے میں دیکھ رہا ہوں آپ کی طبیعت دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے''۔ آج یشل ویک اینڈ پر گھر آیا ہوا تھا آتے ہی شرفو نے اسے دادو کے بارے میں یہ اطلاع دی تھی جب وہ ان کے پاس آیا تو وہ اپنی نواسیوں انابیہ اور عنائیہ کی تصویریں دیکھ رہے تھے جو یشل پچھلی دفعہ چوری چھپے ان کی تصویریں کھینچ کے لایا تھا۔

☆☆☆☆

''نہیں بیٹا ایسی بات نہیں ہے تم نے جب سے مجھے یہ خبر بتائی ہے کہ روبا ٹھیک ہے اور وہ جلد ہی مجھ سے ملنے کے لئے آئے گی تو اس خوشی میں مجھے اور کچھ سجھائی نہیں دیتا بس اب تو بیٹا صرف یہی خواہش ہے کہ تمہاری شادی انابیہ سے ہو جائے اور تمہاری پھپھو مجھے معاف کر دیں تو میں سکون سے مر سکوں''۔ انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر تصویریں رکھتے ہوئے کہا۔

''دادو! کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ کے علاوہ میرا ہے ہی کون میری عمر بھی آپ کو لگ جائے بس آپ نے اگر آج کے بعد ایسی بات دوبارہ کی تو میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گا''۔ یشل ایکدم جذباتی ہو گیا تھا۔

''موسم خراب ہو رہا ہے اب آپ آرام کریں''۔ اور وہ ان کی ٹانگوں پر کمبل اوڑھانے لگا۔

☆☆☆☆

''خان آپ مجھے کچھ پریشان لگ رہے ہیں کیا بات ہے؟'' روبا بیگم نے خان صاحب کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کیا بتاؤں روبا سارا بزنس لوس میں جا رہا ہے پروجیکٹ بھی ہاتھ سے نکل رہے ہیں' شیئرز بھی ہمارے گر رہے ہیں بینک والوں نے بھی لون مانگنا شروع کر دیا ہے مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں اب تو بس یہ گھر ہی ہمارا آخری سہارا بچا ہے' کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے کہ میں خودکشی کر لوں اگر یہ گھر بھی بک گیا تو کہاں جائیں گے ہم ہماری جوان بیٹیاں ہیں کیا کریں میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا''۔

ن صاحب نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ئے پریشانی سے کہا۔ باہر کھڑی انابیہ جو کسی کام سے اپنی مما کے پاس آئی تھی اس نے یہ سب باتیں ن لی تھیں اور وہ وہیں سے اپنے کمرے میں چلی آئی ی عنائیہ بے خبری کی نیند سو رہی تھی اس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی' سوچتے سوچتے پتہ نہیں رات کے کس پہر اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

''انابی اٹھ جاؤ کالج نہیں جانا تم نے''۔ انابی یکھو تو نو بجنے لگے ہیں''۔ اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔ وہ جلدی سے اٹھ کر تیار ہوئی لیکن ناشتے کی ٹیبل پر صرف اس کا ہی ناشتہ تھا۔

''کاکا عنائیہ کا ناشتہ کہاں ہے؟'' اس نے استفسار کیا۔

''عنائیہ بٹیا کہہ رہی تھیں کہ وہ آج نہیں جائیں گی''۔ انہوں نے نہایت عاجزی سے جواب دیا۔

''اچھا آپ جاؤ پتہ نہیں یہ ایگزام میں کیسے پاس ہو جاتی ہے ہر روز ہی میڈم کی چھٹی ہوتی ہے خیر میں تو جاؤں''۔ اس نے جلدی سے ناشتہ ختم کیا اور آ کر گاڑی میں بیٹھ گئی یشل گاڑی میں پہلے ہی اس کا انتظار کر رہا تھا گاڑی میں بیٹھتے ہی اس کو مما پاپا کی باتیں یاد آ رہی تھیں وہ پریشانی اور الجھن کا شکار ہو رہی تھی وہ اپنے ممی پاپا کو اس کرائسس سے باہر نکالنا چاہتی تھی وہ انہیں پریشانی میں نہیں دیکھ سکتی تھی اس لئے اس نے ساری بات یشل کو بتا دی' یشل بس اس کی باتوں میں بس 'ہوں ہاں' ہی کرتا رہا تھا۔

''میں تمہیں اپنا پرابلم بتا رہی ہوں اور تم بس ہوں ہاں ہی کئے جا رہے ہو حد ہوتی ہے تم لوگوں کی' اگر کوئی آپ سے اپنا پرابلم شیئر کرتا ہے تو مدد نہ سہی کم سے کم کوئی سلوشن ہی بتا دے ویسے میں ہی پاگل ہوں جو پریشانی میں تمہیں سب کچھ بتا دیا تم کون سا ہمارے کچھ لگتے ہو جو میں تم سے اپنا سب کچھ شیئر کر رہی ہوں مما اور عنائیہ ٹھیک ہی کہتی ہیں کہ میں دوسروں پر بہت جلدی بھروسہ کر لیتی ہوں ہر بات دوسروں کو بتا دیتی ہوں تم کیا جانو اپنوں کا درد''۔ اس نے آخری بات کہہ کر اسے سلگا ہی تو دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی یشل نے یکدم گاڑی روکی تھی اسی اثناء میں انابیہ کا فون بجنے لگا تھا اس نے یس کر کے کان سے لگایا۔

''جی مما میں......'' اس سے پہلے کہ وہ آگے کچھ اور کہتی یشل نے انابیہ سے فون چھین کے غصے سے ساتھ والی سیٹ پر پھینک دیا۔

''کیا سمجھتی ہو تم خود کو' کیا صرف تمہارے پاس ہی دل ہے تمہیں ہی اپنے گھر والوں کی پریشانی دیکھ کے تکلیف ہوتی ہے' مجھ سے پوچھو درد کیا ہوتا ہے جو بنا ماں باپ کے زندگی گزار رہا ہے اور وہ میرے لاچار اور بے بس سے دادو جو آج تک اپنی بیٹی کے چھوڑ کے چلے جانے کے غم سے ہارٹ پیشنٹ اور فالج کے مریض بن گئے ہیں' پل پل مر رہے ہیں وہ ان سے پوچھو کہ درد کیا ہوتا ہے جن کی بیٹی نے انہیں چھوڑ کے جانے کے بعد مڑ کر خبر تک نہیں لی اپنے باپ کی کہ وہ بے چارہ زندہ بھی ہے یا نہیں۔ تم جاننا چاہتی ہو کہ وہ بیٹی کون تھی وہ تمہاری ماں تھی''۔ ادھر روبا بیگم 'تمہاری ماں' کا لفظ سن کے حیران رہ گئیں۔

''تم میری کزن ہو اور تمہاری ماں میری پھپھو ہیں اور کچھ جاننا چاہتی ہو تم میرے بارے میں پتہ چل گیا تمہیں کون ہوں میں تمہارا''۔ جب یشل بول کے تھک گیا تو اسے احساس ہوا کہ انابیہ رو رہی ہے ساتھ میں وہ اس انکشاف پہ حیران بھی ہے' ادھر روبا بیگم پہ اس نئے انکشاف نے سکتہ طاری کر دیا تھا' انہوں نے فون کریڈل پر رکھا اور وہیں صوفے پہ ڈھے سی گئیں اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں وہ اپنے بابا سے ملنا چاہتی تھیں ان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ابھی اڑ کر اپنے بابا کے پاس چلی جائیں اور ان کے

گلے لگ کے ساری کدورتیں اور گلے شکوے ختم کر ڈالیں روبا بیگم نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کال ملائی۔

"خان آپ پلیز! جلدی گھر آجائیں مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے پلیز جلدی"۔ کہہ کر انہوں نے فون بند کردیا اور وہ بہروز خان اور یشل کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔

☆☆☆☆

انابیہ! آج سارا دن یونیورسٹی میں پریشان اور افسردہ سی تھی اور ایک طرف اسے خوشی بھی تھی کہ یشل اس کا کزن ہے اسے یہ خبر جلد سے جلد عنایہ کو سنانی تھی اس لئے اس نے بیگ میں سے اپنا موبائل نکالنا چاہا کہ اچانک اسے یاد آیا کہ اس کا موبائل تو گاڑی میں ہی ہے۔

"او میرے خدا' اب کیا ہوگا موبائل پر تو مما کی کال چل رہی تھی جب یشل نے مجھ سے موبائل چھینا تھا تو اس کا مطلب مما نے ہماری ساری باتیں سن لی تھیں اگر سن بھی لیں تو ان کا ری ایکشن کیا ہوگا کیا وہ نانا جان سے معافی مانگنے ان کے پاس جائیں گی اب یہ تو گھر جاکے ہی پتہ چلے گا"۔ وہ خود ہی خود سوچوں میں الجھی ہوئی تھی اب اسے صرف یشل کے آنے کا ہی انتظار تھا۔

☆☆☆☆

جب وہ گیٹ سے باہر نکلی تو یشل گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولے اس کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا اور فرنٹ ڈور کھول کے بیٹھ گئی۔

"تم کونسا میرے ڈرائیور ہو؟" اس نے بیٹھتے ہی کہا۔

"میڈم! یہ بندہ ناچیز تو ساری عمر آپ کا ڈرائیور بننے کے لئے تیار ہے"۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"انابیہ آئی ایم سوری صبح میں کچھ زیادہ ہی جذباتی ہوگیا تھا' دیکھو نا اب یہ بھی ایک طرح ٹھیک ہی ہوا' اگر تم مجھے نہ بتاتی تو مجھے کیسے پتہ چلتا انکل کتنے لوس میں جارہے ہیں اوپر سے بینک کا لون دیکھو نا میں نے تمہاری پریشانی حل کردی شیئرز آہستہ آہستہ ہی اوپر آئیں گے اگر انکل چاہیں تو میں ان کی اس کام میں کافی مدد کرسکتا ہوں"۔ اس نے گاڑی مین روڈ پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"تمہیں مجھ سے معافی مانگنے کی کیا ضرورت' ویسے مجھے خوشی ہوئی کہ تم میرے کزن ہو شکریہ تو اب مجھے تمہارا کہنا چاہئے کہ تمہیں میری پریشانی کا کتنا خیال ہے"۔

"اور یہ تمہارا موبائل"۔ اس نے کچھ دیر بعد ڈیش بورڈ سے موبائل اٹھا کے اس کی طرف بڑھایا۔

"مجھے لگتا ہے مما نے ہماری باتیں سن لی تھیں جب تم نے موبائل چھینا تھا تو مما کی کال چل رہی تھی"۔ اس نے موبائل بیگ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"چلو جو کل ہونا تھا وہ آج ہی ہوگیا اب گھر جاکے ہی چویشن کا پتا چلے گا"۔ اس نے گاڑی گھر والی سڑک پر ڈالتے ہوئے کہا۔

☆☆☆☆

"خان پلیز! مجھے لے چلیں نا میرے بابا کے پاس وہ بہت بیمار ہیں پلیز آپ...... مجھے لے چلیں نا"۔ روبا بیگم بہروز خان کے آگے ہاتھ جوڑتی سسکیوں میں کہہ رہی تھیں۔

"نہیں روبا! جس گھر میں ہمیں دھکے مار کے باہر نکالا گیا تھا میں وہاں اب ایک منٹ کے لئے بھی نہیں جاؤں گا اور میری بات غور سے تم بھی سن لو اگر تم یا کوئی اور وہاں گیا تو وہ ہمیشہ کے لئے وہاں کا ہی ہوجائے گا' اس کے لئے اس گھر کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہوجائیں گے"۔ انہوں نے رعب دار لہجے میں انہیں تنبیہہ کی۔

"ٹھیک ہے پاپا! اگر ایسا ہے تو ایسا ہی سہی میں

جاؤں گی نانا جان کے پاس پر ان کی نواسی بن کر نہیں ان کے پوتے کی بیوی بن کر اور اس کے لئے آپ تو کیا کوئی بھی مجھے نہیں روک سکتا"۔ انابیہ نے بے خوفی سے یشل کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"تمہیں پتہ بھی ہے کہ تم کیا کہہ رہی ہو"۔ انہوں نے انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں دوبارہ بیس سال پہلے والی تاریخ دہرا رہی ہوں پر اس دفعہ کردار مختلف ہیں اگر آپ اور مما' نانا جان کے ساتھ ظلم کرسکتے ہیں تو پھر میں آپ کے ساتھ کیوں نہیں کرسکتی' چلو یشل"۔ وہ بلند آواز میں غصے سے کہتی ہوئی یشل کا ہاتھ تھامے واپسی کے لئے مڑ گئی' وہ سب بھی باہر ان کے پیچھے لپکے تھے۔

"انابیہ بیٹا! سنو دیکھو تم ایسا نہیں کرسکتیں تم مجھے چھوڑ کے نہیں جاسکتیں تم اپنے پاپا کو چھوڑ کے جارہی ہو بلیو می"۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اسے روکتے ہوئے کہا۔

"پاپا پھر آپ مان کیوں نہیں جاتے اس میں انا والی کونسی بات ہے میرے خیال سے نانا جان نے تو جو کیا وہ ٹھیک ہی کیا تھا' پر اس کے بدلے آپ لوگوں نے انہیں کیا دیا' ذلت' رسوائی' وہ بے چارے تو اپنی غلطی پر بہت نادم ہیں آپ لوگوں سے معافی مانگنا چاہتے ہیں آپ پلیز ہمارے ساتھ چلئے نا"۔ اس نے انہیں ایک دفعہ پھر سمجھانے کی کوشش کی۔

"ٹھیک ہے"۔ ان کی رضامندی ظاہر ہوتے ہی سب کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

☆☆☆☆

گاڑی کا ہارن سنتے ہی رمضان بابا نے آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا تھا' گاڑی پورٹیکو میں روک کر یشل نے آگے بڑھ کر پھپھو کی طرف والا دروازہ کھولا تو روبا بیگم کی آنکھوں میں بے اختیار ہی آنسو آگئے تھے آج اتنے سالوں بعد انہوں نے اس حویلی میں قدم رکھا تھا وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی اندر داخل ہورہی تھیں جبکہ انابیہ عنایہ اور یشل بہروز خان کے ساتھ ان کے پیچھے پیچھے آرہے تھے' روبا بیگم نے اندر قدم رکھا تو سامنے وہیل چیئر پر اپنے بوڑھے باپ کو دیکھ کر بھاگتی ہوئی ان کے سینے سے جالگیں اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں شاہ صاحب کے لئے یہ منظر حیران کن تھا کیونکہ یشل نے انہیں کچھ بھی نہیں بتایا۔

"بابا پلیز! مجھے معاف کردیں پلیز غلطی میری تھی مجھے ایسے گھر چھوڑ کے نہیں جانا چاہئے تھا' اب میں آپ سے دور نہیں رہ سکتی"۔ وہ ان کے گلے لگ کے زاروقطار رو رہی تھی۔

"نہیں بیٹا! غلطی میری ہی تھی اگر میں تمہاری شادی کے لئے مان جاتا تو تمہیں مجھ سے دور نہ ہونا پڑتا"۔ وہ روتے ہوئے باقاعدہ ہچکیوں میں کہہ رہے تھے۔

"بیٹا! تم بھی مجھے معاف کردو میں بہت برا ہوں میں نے ہمیشہ اپنی ہی مانی ہے' کاش میں نے تمہیں اپنا داماد مان لیا ہوتا تو مجھے بیس سال کی جدائی نہ سہنی پڑتی"۔ شاہ صاحب بہروز انجم خان کے آگے ہاتھ جوڑ کے معافی مانگ رہے تھے کہ بہروز خان نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ تھام لئے۔

"نہیں بابا جان! آپ کیوں معافی مانگ کر ہمیں شرمندہ کررہے ہیں ہمارا طریقہ ہی غلط تھا ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا آپ پلیز خود کو نادم مت سمجھے گا' اب ہم سب مل گئے ہیں تو یہ گلے شکوے ختم کریں کیونکہ قصور آپ کا نہیں ہمارا تھا"۔ پھر انہوں نے اپنی نواسیوں کو خوب پیار کیا یہ سلسلہ کافی لمبا ہورہا تھا کہ یشل نے مداخلت کی۔

"دادو پلیز! آپ کی طبیعت خراب ہوجائے گی اب آپ آرام کریں اور پھپھو لوگوں کو بھی فریش ہونے دیں باقی باتیں رات کو ڈنر کے لئے رکھیں'

Ridadigest.com

انابیہ دادو کو ان کے کمرے میں لے جاؤ میں ذرا آفس کا چکر لگا آتا ہوں"۔ وہ دادو کو کہتے ہوئے ساتھ انابیہ کو حکم دیتا وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆☆

"بابا جان میں چاہتی ہوں کہ یشل اور انابیہ کی ہم منگنی کردیں جب انابیہ کے فائنل ایگزام ہوجائیں تو ان کی شادی کردیں گے جہاں تک مجھے لگتا ہے یشل انابیہ کو پسند کرتا ہے"۔ دوپہر کے وقت شاہ صاحب اور روبا بیگم لاؤنج میں بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہورہے تھے' جب روبا بیگم نے بات شروع کی۔

"تم نے تو میرے دل کی بات کہہ دی ماشاءاللہ یشل بیٹا تو کافی سمجھدار ہے اور ہمارا کا بھی اب بزنس ٹھیک چل رہا ہے کوئی اور پریشانی بھی نہیں ہے پھر کوئی نا کوئی تو خوشی ہونی چاہیے"۔ انہوں نے بھی ان کی تائید کی۔

"تو پھر ٹھیک ہے بابا جان! ہم آج ہی منگنی کی ڈیٹ فکس کردیتے ہیں"۔ انہوں نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"بیٹا تم تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی بات کررہی ہو پہلے انابیہ سے تو پوچھ لو"۔ انہوں نے کہا۔

"مما جان! میرے بلیو کپڑے نہیں مل رہے آپ پلیز میری ہیلپ کردیں"۔ اسی پل انابیہ کہتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔

"لیں انابیہ بھی آگئی ہے بابا جان آپ اس سے خود پوچھ لیں"۔ انہوں نے انابیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو شاہ صاحب نے اسے اپنے پاس بلایا۔

"بیٹا ہم تمہاری اور یشل کی منگنی کا سوچ رہے ہیں جب تمہارے ایگزام ہوجائیں تو بعد میں شادی کردیں گے' اگر تمہیں کوئی اعتراض ہے تو ہم تمہیں فورس نہیں کریں گے"۔ یشل کے نام پر انابیہ کی دھڑکن بے ترتیب ہورہی تھی جیسے اپنا من چاہا مل جائے اسے اور کیا چاہیے' اس نے صرف دل ہی میں سوچا۔

"نانا جان! جیسے آپ لوگوں کی مرضی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے"۔ وہ شرماتے ہوئے وہاں سے بھاگ گئی۔

"بابا جان! میں نے کہا تھا نا کہ انابیہ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا"۔

☆☆☆☆

یشل جب تھکا ہارا ہوا گھر آیا تو گھر میں سناٹا دیکھ کے اسے یاد آیا کہ آج سب لوگ تو منگنی کی تیاری کے لئے بازار گئے تھے' ملازم بھی اسی وجہ سے اپنے اپنے کوارٹرز میں چلے گئے تھے وہ اپنے لئے کافی بنانے خود ہی کچن میں چلا آیا تو انابیہ کو کچن میں دیکھ کر ٹھٹک گیا جو شاید چائے بنانے میں اتنی مگن تھی کہ اس نے اس کی آمد کا بھی نوٹس نہیں لیا۔

"آہم آہم"۔ انابیہ نے یشل کی آواز پر پیچھے مڑ کر دیکھا تو یشل اس کے اتنے قریب کھڑا تھا کہ اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

"آپ کو کچھ چاہیے؟" اس نے خود کو کافی حد تک کمپوز کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"نہیں کچھ نہیں چاہیے جو چاہیے تھا وہ مجھے مل گیا"۔ یشل اسے یک ٹک دیکھے جارہا تھا اور انابیہ کا چہرہ شرم کے مارے سرخ ہوا جارہا تھا' جس سے وہ اور خوبصورت لگ رہی تھی انابیہ گھبرا کر کچن سے نکلنے لگی تو یشل نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو وہ اس کے سینے سے آلگی' وہ یشل کو اپنے اتنے قریب پاکر گھبرا گئی تھی۔

"تم بہت خوبصورت ہو انابیہ تمہیں پتہ ہے کہ میں"۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا کہ لاؤنج میں سب کی آواز آنے لگی تھی تو یشل نے انابیہ کا بازو چھوڑ دیا تو وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

Ridadigest.com

شناء کنول اللہ دتہ

عزت اک نفی جیسی

وہ کیسی کیفیت تھی کیا شعور تھا نہ جانے کون سی آگہی تھی جس نے اسے رک جانے پر مجبور کیا تھا۔ یہ کیا کرنے جا رہی ہو تم۔ اپنے ماں باپ کا فخر ہو کر ان کا سر جھکانا چاہتی ہو؟ سوال ادھورا تھا مگر جواب مکمل ٹھوس۔ جو شرم نہیں کرتا وہ جو چاہے کرے، آواز پھر گونجی بچپن میں سنائی ابو کی حدیث نے قدم جکڑے۔ اس نے بے اختیار نظریں گھمائیں اسے ڈھونڈنے کے لیے، جس کے لیے وہ یہ سب کرنے جا رہی تھی اور پھر اسے حد نظر آگئی۔

دہلیز پر کھڑی [illegible] ہاتھوں میں منہ چھپائے وہ سسک رہی تھی۔ قدم اس [illegible] طرف بڑھے جس نے اس کے دل کو دھڑکنا سکھایا [illegible]۔

"تم رو کیوں رہی ہو؟" عجیب سوال تھا اس کا۔ کیا کوئی رلا کر یہ بھی پوچھتا ہے کہ تم رو کیوں [illegible]

وہ چپ چاپ روتی رہی۔ جس زمین پر [illegible] تھی اسے وہ سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

اس نے تڑپ کر کہا۔ "میں یہ سب تمہارے لیے ہی تو کر رہی ہوں۔" اور پھر واقعی زمین اس کے پیروں سے نکل گئی تھی۔ نیچے پانی تھا گہرا پانی آگ کی طرح سرخ کھولتا ہوا اور اسے لگا جیسے وہ اس میں گر رہی ہو، گر چکی ہو، لمحہ بہ لمحہ نیچے بہت نیچے اسے اپنا سانس رکتا محسوس ہوا، اس نے جلدی سے گہرا سانس لیا یوں جیسے آخری سانس لیا ہو۔

اس نے اس کے چہرے پر تھوکا تھا۔ کیا محبت بھی کسی کے چہرے پر تھوکتی ہے اور جس کے چہرے پر محبت تھوکے اسے کیا محسوس ہوتا ہے۔ یہ کوئی ارسلنا سے پوچھتا۔ محبت نے بولنے کی ردا اوڑھ لی تھی۔ "تم یہ سب میرے لیے نہیں بلکہ اپنے نفس کے لیے کرنے جا رہی ہو۔ محبت مار دی تم نے۔" اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے محبت سیاہ رنگ میں رنگنے لگی۔

وہ چونک کر کچھ قدم دور ہوئی پھر بے اختیار اس نے انہیں روندھا جو ہر وقت ہر لمحہ اس کے ساتھ رہتے تھے اس کی پاک محبت کے شاہد اس کے خواب۔ وہ اسے خود سے بہت دور نظر آئے وہ بھاگتی لمحہ بہ لمحہ ان کے قریب ہونے کی کوشش کرتی رہی اور وہ دور ہوتے رہے پھر دیکھتے ہی دیکھتے انہیں آگ لگ گئی۔ وہ جل کر خاکستر ہوتے گر رہے تھے۔ دھڑ...... دھڑ...... دھڑ راکھ میں بدلتے ہی ایک بدبو پھیلی مردار کی جیسی بدبو۔

اس نے چاند کو ڈھونڈھا جو رخ پھیرے کھڑا تھا۔ وہ قریب ہوتی بولی تو آواز رندھی ہوئی تھی۔ نم ہوتی آواز محبت کی بے بسی کو بیان کر رہی تھی۔ "تم تو گواہ ہو میرے پاک خوابوں کے میں نے رات رات بھر تم سے ہی تو اپنے محبوب کی باتیں کی ہیں تم انہیں بتادو کہ میں یہ اپنے نفس کے لیے نہیں بلکہ محبت کے لیے کرنے جا رہی ہوں۔" چمکتا چاند یکدم مدھم پڑا پھر اس نے بولنے کی ردا اوڑھی۔ فضا میں چھائی بدبو مزید پھیلی جس میں اسے اپنا سانس رکتا محسوس ہوا۔

[illegible] آنسوؤں کی وجہ سے آنکھوں میں بے اختیار نمی [illegible] گھنگھریالی لٹوں کے حصار میں موجود اس [illegible] حسن کو دوآتشہ کر گئے۔ "محبت مار دی تم نے جس [illegible] محبت بھلا دی جو تمہارے آنے سے ہی تم [illegible] تھے جنہوں نے تمہارے لیے دعائیں کیں [illegible] مانی۔"

"تم کون۔" وہ بے چین ہوئی [illegible] وہ ہنسا۔ "کیا چاند بھی ہنستا ہے؟" اس نے حیرت سے سوچا۔ جواب نے بولنے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت چھین لی۔ ماں باپ۔ اس نے خود پر حملہ آور ہو چکی کپکپی کو ناتواں کرنے کے لیے اپنے گرد بازو لپیٹے۔

وہ عالم فنا میں تھی، دنیا میں بہت کچھ ضروری ہوتا ہو گا مگر پہلے سب فنا ہی ہو گا اور اس کے بغیر بھی عالم یقین کے پٹ اس پر وا ہوئے۔

زندگی اسے اس وقت زندگی لگی تھی جب پہلی بار اسے دیکھا تھا۔ وہ رات کبھی نہ بھلانے والی تھی۔ ہوتے ہیں نا کچھ لمحے ایسے جو آپ چاہ کر بھی بھلا نہیں سکتے یا پھر وہ آپ کو بھولنے ہی نہیں دیتے۔

Ridadigest.com

اس رات امی کی ہزار منتوں کے بعد اسے نائٹ پارٹی میں جانے کی اجازت ملی تھی وہ بہت خوش تھی اتنی کہ خود خوشی بار بار حیرت سے اسے دیکھتی تھی۔ تبھی اسے وہ نظر آیا جو خاموش رہتا تو گنگناتا ہوا لگتا اور اگر وہ گنگناتا تو ساری خاموشیوں کو جگا لینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اپنے وجود کو ساکت رکھتے دونوں ہاتھ گود میں رکھے اسے دیکھتے وہ نہ جانے کتنی ہی بار اپنی نظر سے اس کی نظر اتار رہی تھی اور پھر پتا نہیں کیا ہوا محبت...... عشق یا پھر کچھ اور... کہیں بلبل کا زرد سا اداس ساز سماعتوں میں نقرئی سکون ... گونجا تھا۔

وہ مسرور سی ... کے بارے میں سوچ کر آنکھیں بند کرتی تو وہ ... نظر آتا ... دہائی دیتا اس کا ساتھ پانے کو۔ شہد رنگ آنکھوں والا عابد زمان اس پر جادو کر گیا تھا۔ وہ چاہ کر بھی خود کو روک ... سارے راستے گم ہو کر ایک راستہ بن گئے تھے عابد زمان کے گھر کا...... پتا نہیں گھر تھا کہ محل اس ... کا محل وہ سمجھنے لگی۔ مسکراہٹ نے لبوں کو نہ چھوڑنے کا وعدہ کر لیا محبت کی چاشنی اس کی رگ و پے میں سما گئی۔ کھلکھلاہٹ اس کی ساتھی بن گئی اور محبت زندگی۔

☆......☆

"میں محبت کرتی ہوں تم سے۔" نجانے کتنی بار کا کہا ہوا جملہ دہرایا تھا۔

وہ مسکرایا۔ شہد رنگ آنکھیں چھوٹی ہوئی تھیں کیا کچھ نہیں تھا اس کی مسکراہٹ میں...... غرور...... فخر...... تکبر، بے نیازی اس کی محبت تڑپ اور چاہت تو پھر وہی بے نیازی والا انداز تھا اس کا۔

وہ بولی۔ "اتنے بڑے لاؤنج میں کوئی ایک بھی ایسی چیز نہیں تھی جس پر وہ نظریں ٹکا سکتی۔ اف رے بے بسی۔"

"ایک بات ہے جو بہت پہلے ہی طے ہو چکی تھی مگر منکشف اب ہوئی ہے کہ اب تمہارے بغیر جو ہو گی وہ زندگی نہیں ہو گی۔" آواز کی نمی واضح تھی لڑکھڑاتی زبان بمشکل ساتھ دے رہی تھی۔ "نہ کبھی پھول کھلیں گے نہ بہار آئے گی۔ نہ میں خوشیوں کی منتظر رہوں گی نہ مسکراہٹوں کو خوش آمد کہہ سکوں گی۔ کوئی گیت سہانا نہیں لگے گا۔" اور وہ رکی نظروں کا ارتکاز ہوا کچھ پہلو میں رکا تھا شاید وہ اس کا دل تھا بے اختیار نظریں جھکائیں۔ "نہ بولنے کی غرض رہے گی نہ سننے کی چاہت...... تم نہیں تو کچھ نہیں۔" خاموش ہوئی وہ ہنستا چلا گیا نجانے کتنی دیر تک اس کی محبت کا مذاق اڑاتا رہا پھر اٹھ کھڑا ہوا وہ بھی بے اختیار اٹھی آنسو رخسار بھگوتے جا رہے تھے...... وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا اور قریب اور قریب اتنا کہ اس کی نرم گرم سانسیں اب ارسلنا کے دل کے ساتھ روح کو بھی جھلسا رہی تھیں۔ دنیا کا چلتا نظام ایک دم رکتا محسوس ہوا صندل کے پتوں سے لٹکتے جگنو مبہوت سے دیکھے گئے وہ بولا تو اس کی آواز اسے مزید پاگل کر گئی۔ "پھر مجھے کیا ملے گا۔" کیا چاہتا تھا وہ اس سے وہ پلکیں اٹھائے بغیر جانتی تھی کہ اس کی شہد آنکھیں مسکرا رہی ... نے کیا کچھ تھا ان میں محبت کے بغیر سب کچھ۔ ... وہاں سے نکلتا چلا گیا یہ جانے بغیر کہ اس کا دل ... کھنچتا چلا جا رہا تھا۔ بے وجہ...... بے سبب...... محبت ... نادان دل۔

"تمہیں یاد ہے بچپن میں تمہارے ابو نے ایک خوب صورت شیشہ گفٹ کیا تھا۔"

"ہوں۔" آنکھیں بند کیے ہی ہنکارا ابھرا۔

وہ مزید بولیں۔ "تم اسے بہت پیار کرتی تھیں۔ بقول تمہارے وہ تمہارا بہترین دوست تھا۔ کوئی بہن نہیں تھی تو تم اسے بہن بھی سمجھتی تھیں۔ اپنا درد، تکلیف اس کے سامنے رو رو کر کہتی تھیں اور پھر جب اس میں ایک دراڑ آئی تو تم نے اسے کمرے سے نکال کر کوڑے میں پھینک دیا تھا بقول تمہارے وہ اب بے کار تھا تمہاری شکل اس میں بدصورت نظر آتی تھی۔ نفرت کرنے لگی تھیں تم اس سے۔" وہ سانس لینے کو رکیں اس نے آنکھیں کھول کر بے دلی سے انہیں دیکھا وہ اس

وقت ڈھیر ساری باتیں عابد زمان کی سوچ رہی تھی اس کی بے دلی محسوس کر کے وہ یکدم بولیں۔ "اچھا تم سو جاؤ کل بات کریں گے۔"

"گڈ نائٹ۔" امی کہہ کر وہ بیڈ پر لیٹ گئی تو وہ جاتے جاتے رک کر بولیں۔ "ارسلنا ایک لڑکی کی عزت بھی کانچ جیسی ہوتی ہے جب تک صحیح سالم رہے پیاری لگتی ہے جو اگر خدانہ کرے ذرا سی دراڑ پڑ جائے تو اس کا مقدر بھی ٹوٹے کانچ کی طرح کوڑا دان ہو جاتا ہے پھر چاہے وہ گھر والوں کی کتنی پیاری ہی کیوں نہ ہو کیونکہ "عزت کانچ جیسی" ہوتی ہے ... بار چلی گئی تو واپس نہیں آتی۔" وہ کہہ کر رکی نہیں وہاں ... چلی گئیں۔ اس کی آنکھوں میں بسنے والے رنگوں سے ... طرح واقف ہو چکی تھیں۔ پوچھے یا بتائے بغیر بھی وہ ... کہ ان کی بیٹی کس سفر کی مسافر ہے آخر ماں جو تھیں۔

☆......☆

سفید اور سیاہ جوڑے میں ملبوس، بال سلیقے سے فرنچ چوٹی میں گوندھے، کندھے پر لمبی اسٹریپ کا پرس لیے تیار سی وہ کالج کے لیے نکل رہی تھی۔ جب وہ کچن سے نکل کر اس کے پاس آئیں پسینے سے شرابور پیازوں والے ہاتھ اس نے کراہیت سے انہیں دیکھا۔

"اب کیا مسئلہ ہے؟"

"اف امی دور ہوں بدبو آ رہی ہیں۔" کہہ کر دو قدم پیچھے ہوئی۔ یہ سوچے بغیر کہ ان کو کتنی تکلیف ہوئی تھی۔

"تم پر آیۃ الکرسی پڑھ کر دم کر رہی ہوں چپ رہو۔" وہ منہ پر ہاتھ رکھے کچھ دیر ضبط کیے کھڑی رہی۔

"مجھے نہیں کھاتے جن بھوت پلیز بس کریں۔" اکتاہٹ...... محبت کے سامنے نظر ہی نہیں آئی۔

"اللہ کی امان اور ہاں رات والی بات ذہن میں رکھنا۔"

"امی حد ہوتی ہے۔ بندہ کہیں پر جائے ناں تو آپ پیچھے ہی پڑ جاتی ہیں۔ اچھا اب بس۔" اکتاہٹ نمایاں تھی۔

وہ مسکرائیں، ممتا بھری مسکراہٹ تھی چہرے پر بولیں تو ہر بات سے ممتا ہی جھلک رہی تھی۔

"جب خود ماں بنو گی ناں تب میرا احساس ہو گا مگر تب تک شاید دیر ہو چکی ہو لیکن پھر بھی تمہارے احساس سے پہلے ہی میں نے تمہیں معاف کیا تم فخر ہو میرا کبھی سر جھکا مت دینا۔"

☆......☆

آج پھر وہ محبت کے دربار میں سوالی بنی بیٹھی تھی اور راجہ تھا وہ اس کی محبت کا امین عابد زمان۔

"تم روز کیوں بار بار آ جاتی ہو؟"

"میں نے تو سنا تھا کہ ہر انسان کا اپنا غرور و وقار ہوتا ہے۔ محبت کرنے کے بھی رموز ہوتے ہیں۔ تقاضے ہوتے ہیں ورنہ محبت محبت نہیں رہتی تجارت بن جاتی ہے۔" وہ رکا نظروں کا ارتکاز ہوا...... آہ وہ آج بھی کرامات کر کے قتل کرتا تھا۔ "میرا غرور و وقار تم ہو اور محبت میں تقاضے نہ ہوں تو بھلا محبت کیسی۔"

دیواروں پر پھسلتی دھوپ نارنجی ہو کر سرخی پکڑنے لگی ... سرخی محبت کی صورت ارسلنا کے چہرے پر بکھری ... ناک بنا رہی تھی۔ ہیبت ناک...... دھوپ نے حیرت ... کی۔

دیواریں بولیں ... اس کا مان، عزت اور وقار چھین لے ... چہرے کو خوب صورت نہیں بلکہ "ہیبت ناک" بنا دیتی ہے ڈرا دینے والا، بدصورت چہرہ جسے ماں باپ کی عزت کا پاس نہ ہو وہ بھلا محبت کیسے کر سکتا ہے۔ "تم نے کہا کہ محبت میں تقاضے ہونے چاہیے۔" شہد رنگ آنکھیں اس پر جمی۔ "تو پھر میرا بھی کچھ تقاضہ ہے میں شادی تم سے کروں گا پھر پتہ نہیں میری محبت تمہارا مقدر بنتی ہے یا نہیں۔" اس پر شادی مرگ کی سی کیفیت ہوئی۔ "کیا محبت کو پانا اتنا آسان ہوتا ہے۔ دو تین بار دستک دینے سے کیا محبت کا دروازہ کھل جاتا ہے؟ کیا واقعی محبت کی دیوی اس پر مہربان ہو گئی تھی...... محبت...... اور محبت اسے اپنے چاروں طرف رقص کرتی نظر آئی مسکراتی، ناچتی

Ridadigest.com
Ridadigest.com

کسی پاگل مورنی کی طرح بدمست ہو کر پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ رونے لگی، بین کرتی کراہنے لگی۔ وہ ساکت سی رہ گئی ''کیا محبت بھی کبھی روتی ہے۔'' حیرت سے سوچا ہی نہیں کہ جب محبت کو کسی ناجائز رشتے میں لپیٹ کر نام دیا جائے تو وہ روتی ہے۔ بین کرتی ہے اور......اور مرجاتی ہے۔ کئی ٹکڑوں میں بٹ کر کئی حصے ہوجاتے ہیں اس کے ہاں وہ مرجاتی ہے......چپ چاپ، بغیر کچھ سنے، بغیر کچھ کہے بے موت اور اس کے قاتل بھی خوش نہیں [illegible] تڑپتے مچلتے، وہ محبت کی فریاد کرتے ہی رہ جاتے ہیں [illegible] واپس نہیں آتی......کبھی نہیں......کیا مرنے والے [illegible] واپس آتے ہیں......نہیں ناں تو وہ بھی نہیں آتی۔

کسی نے پوچھا وہ کون سے جملے ہوتے ہیں جو [illegible] کردیتے ہیں؟ جواب ملا جب عزت و وقار اور [illegible] مانگ لیا جائے وہ بھی محبت کے بدلے۔ ''صرف ایک بار اس کے بعد میں تم سے شادی کرلوں گا۔''

''کیا محبت میں یہ ضروری ہے؟'' پتھر وجود میں جنبش ہوئی وہ ہنسا......ہنستا چلا گیا شہد رنگ آنکھیں چھوٹی سے چھوٹی ہوتی گئیں پھر رکا اس کے قریب آیا۔ اتنا کہ وہ اگر اسے چھو لیتی تو جل جاتی۔ ''تو پھر محبت کسے کہتے ہیں۔'' اس بے عزتی پر محبت مرتی نہ تو کیا کرتی وہ اسے اس کی عزت کا سوال کر کے اسے محبت کہہ رہا تھا......وہ محبوب نہیں بلکہ سودائی بنا کھڑا تھا اس کی عزت کا سودائی۔ وہ مڑی دو قدم چل کر رک گئی وہ کہہ رہا تھا۔ ''میں انتظار کروں گا تمہارا۔'' وہ چل نہ سکی۔ وہ رکی رہی نجانے کتنی ہی دیر کتنے ہی لمحے اور کتنے ہی پل چپ چاپ بغیر بولے، بغیر سانس لیے اس نے سوچا۔ ''کیا ہے وہ اس کے لیے اس کی زندگی اس کی کل متاع مگر عزت نہیں محبوبہ کی عزت تو محبوب ہوا کرتے ہیں یہ کیسا محبوب تھا جو خود اس کی عزت کو داغ دار کرنا چاہتا تھا، کیا یہ ہے محبت؟''

محبت ہنسی زور سے اتنی کہ اسے اپنے کان پھٹتے محسوس ہوئے۔

''نامحرم کو دیکھ کر خواب بننے سے محبت کا نام دے دیا جائے تو ایسی ہی بنا دی جاتی ہے محبت، وہ محبت جو دہلیز پار کرنے یا پھر عزت گنوا دینے کے بعد ملے اس سے تو ہزار درجے بہتر موت ہوئی نا۔''

''مگر تم آگئیں مجھے پتہ تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔'' فخر نمایاں تھا اپنی ذات پر اپنے ہونے پر اور اس کے بے وقوف بن جانے پر......''آہ بڑی نادان ہوتی ہیں لڑکیاں۔''

''مجھے تو آنا ہی تھا'' کہہ کر دو قدم آگے بڑھی اتنی کہ اس کی نرم گرم سانسیں آج عابد زمان کو جھلسا رہی تھیں پھر وہ ہنستی چلی گئی اتنا کہ ہنستے ہنستے آنکھوں میں پانی سا تیر گیا پھر رکی اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔ ''آپ کو یہ بتانے کہ ہر محبت بکاؤ نہیں ہوتی ہر محبت میں ساتھ ملے ضروری نہیں اور ہر لڑکی اپنی عزت سوری میرا مطلب تھا کہ آپ کی خواہش پر پوری اترے ایسی نہیں ہوتی۔ پتہ ہے میری امی کیا [illegible] کہتی ہیں کہ ایک لڑکی کی عزت کانچ جیسی ہوتی ہے [illegible] تھوڑی سی دراڑ آجائے تو سب ختم ہوجاتا ہے سب [illegible] بات آپ سے میری محبت کی تو......'' کہہ کر رکی پھر [illegible] عجیب ہوتی بولی......''جتایا تھا جیسے۔'' وہ اس وقت تک [illegible] آپ میرے محبوب تھے اور اب نہیں ہے کیونکہ اب [illegible] ہیں۔ محبت آپ نے تو ماردی مگر میں نہیں ماروں گی اب اس دل پر وہی راج کرے گا جو میرا شوہر ہوگا۔'' وہ جانے کے لیے مڑی پھر رک کر اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ ''لڑکیوں کی عزت کرنا سیکھیے کیونکہ ''ایک عزت آپ کے گھر میں بھی ہوگی ماں یا بہن کی صورت۔'' کہہ کر وہ رکی نہیں فوراً اس گھر سے دور نکل آئی تبھی موبائل پر میسج آیا جو ملیحہ اس کی دوست کا تھا۔ ''آج مدر ڈے ہے میں نے اپنی امی کے لیے سونے کی بالیاں لی ہیں تم اپنی امی کو کیا دو گی؟'' وہ پڑھ کر مسکرائی پھر کچھ ٹائپ کرکے تیز چلنے لگی اسے گھر جا کر اپنی امی کو مدر ڈے کی مبارک دینی تھی اور وہ ''عزت'' بھی جوان کا حق تھی۔ کانچ ٹوٹنے سے بچ جانے کی مبارک اور عزت جو ان کا حق ہے آخر ماں جو ہیں۔ ☆☆

Ridadigest.com

اسویرہ علی

دل کی تمنا ہو تم

وہ کمرے میں تنہا تھی اس نے بیڈ پر بیٹھے بیٹھے ہی نظر اٹھا کر کمرے کا جائزہ لیا کافی کشادہ کمرا تھا وہ جہاں بیٹھی تھی اس کے بائیں طرف دروازے کے ساتھ ہی ایک بڑا صوفہ پڑا تھا' سامنے کی دیوار پر بہت خوبصورت پینٹنگ آویزاں تھی جس میں آبشار کے بہتے پانی کے ساتھ نظر آنے والی ہریالی اور ساتھ ہی ایک پتھر پر بیٹھی ہوئی حسین مسکراتی دوشیزہ نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی لائٹ پنک کلر کے پردے کمرے میں سکون و ٹھنڈک کا احساس دلا رہے تھے اس نے نظروں کا زاویہ بدلا تو بائیں طرف ٹیرس میں کھلنے والا گلاس ڈور واضح دکھائی دیا اس کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم ابھرا کبھی اسے بڑی خواہش ہوا کرتی تھی کہ اس کا کمرا بڑا ہو یا نہ ہو مگر اس سے ملحقہ ٹیرس ضرور ہونا چاہئے اس حسن اتفاق پر مسکراتے ہوئے اس نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا تو نظر اچانک بیڈ کے بائیں طرف موجود ڈریسنگ ٹیبل کے آئینہ پر جا رکی اناری کلر کے دیدہ زیب شرارے میں بھاری جیولری اور اسموکی میک اپ کے ساتھ وہ اس قدر دلربا اور جاذب نظر دکھائی دے رہی تھی کہ اس کی نگاہ نے پلٹنے سے انکار کر دیا اس کی بڑی بڑی شہد رنگ آنکھیں حیرت سے اپنے سجے سنورے روپ پر جم کر رہ گئیں تھیں۔

''یہ میں ہوں؟'' وہ دنگ سی خود کو دیکھے گئی ابھی اپنے اسی سحر زدہ اور دل موہ لینے والے روپ پر وہ ڈھنگ سے اترائی بھی نہ تھی کہ اچانک ذہن میں ابھرنے والی سوچ سے گھبرا کر اس نے آئینے سے نگاہ چرائی پھر جلدی سے بیڈ سے اتر کر زمین پر کھڑی ہو گئی اور خود کو حقیقت کی دنیا سے روشناس کرایا۔

''کہیں میرا یہ سجنا سنورنا میری توہین کا سبب نہ بن جائے ایسا نہ ہو کہ انہیں میرا یوں بیٹھ کر انتظار کرنا برا لگے''۔ وہ کشمکش میں تھی۔

''یقیناً انہیں یہ سب بہت برا لگے گا میں منہ دھو کر کپڑے بدل لیتی ہوں''۔ خود کو باور کراتی وہ فوراً چینج کرنے کے لئے باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

وہ کوئی اٹھارہ بیس سال کی سپنوں کی دنیا میں رہنے والی دوشیزہ نہیں تھی بلکہ چھتیس سال کی ایک کنواری لڑکی تھی اور اس کا شوہر ایک چالیس سال کا آدمی نظر آتا تھا' ویسے تو دونوں کی یہ پہلی شادی تھی مگر نبیہ کو لگتا تھا کہ اس عمر میں اسے زیب نہیں دیتا یوں تیار بیٹھ کر شوہر کا انتظار کرنا' اس رات کے فسوں میں جکڑ کر محبت کے سپنے بننا اسے زیب نہیں دیتا' اور کیا معلوم کہ جس شخص سے اس کی شادی ہوئی ہے اس کے سینے میں دل ہی نہ ہو صرف ضرورت کے تحت اس نے نبیہ کو اپنایا ہو' اسی سوچ کے زیر اثر آ کر اس نے اپنا وہ قاتل روپ برباد کر ڈالا تھا' وہ کمرے میں آیا تو نبیہ دھلے منہ کے ساتھ بیڈ کے کونے پر ٹک کر بیٹھی تھی اس نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''آپ شاید تھک گئی ہیں سکون سے سو جائیں''۔

ایک جملہ کہہ کر وہ فریش ہونے چلا گیا' وہ یونہی بیٹھی رہی' دس منٹ بعد وہ کمرے میں واپس آیا' ایک نظر آئینے میں خود کو دیکھا ہاتھوں سے اپنے بالوں کو سیٹ کیا اور پھر کمرے سے باہر چلا گیا وہ کنکھیوں سے

Ridadigest.com

اس کی ساری کارروائی ملاحظ کر رہی تھی، تھوڑی دیر بعد وہ پانی کی بوتل اور گلاس ہاتھ میں لئے واپس آیا، سائیڈ ٹیبل پر دونوں چیزیں رکھیں اور بیڈ کے دوسری طرف کروٹ کے بل لیٹ گیا، وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی، تب ہی وہ اچانک اس کی طرف مڑا وہ گڑبڑا گئی۔

"شب بخیر"۔ مسکرا کر کہا اور پھر کروٹ لے لی نبیہ کا دل کٹ گیا آنکھ میں نمی آ گئی۔ بے شک وہ اسے سراہتا نہیں اس کی تعریف میں زمین آسمان ایک نہ کرتا مگر اس درجے بے رخی و بے اعتنائی نبیہ کے دل کو زخمی کر گئی وہ ایک حقیقت پسند لڑکی تھی۔ مگر اس رات کے حوالے سے اس کے دل میں بھی کہیں نہ کہیں ایک خواہش دبی تھی کہ اس کا ہم سفر اس کا ساتھی اسے بے انتہا چاہے بے حد محبت کرے۔ مگر اپنے شریک سفر کا یہ سرد رویہ اسے افسردہ کر گیا، وہ اندر ہی اندر کڑھ کر رہ گئی اپنے آنسوؤں کو پینے کی ناکام سی کوشش کرتی وہ بے دم سی بیڈ کے اوپر گر سی گئی۔

☆☆☆☆

ڈور بیل کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی وہ سرعت سے اٹھا اور ٹیبل کلاک پر وقت دیکھا۔

"اوہ! گیارہ بج گئے"۔ وہ سلیپر پاؤں میں پہنتا کھڑا ہوا اور ساتھ ایک نظر بیڈ پر ڈالی نبیہ کی جگہ خالی تھی وہ بالوں کو سیٹ کرتا دروازے کی طرف بڑھا، اسی دوران پھر سے بیل کی آواز سنائی دی۔

"السلام علیکم شاہ زر بھائی!" اس نے جیسے ہی دروازہ کھولا نبیہ کے بھائی کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آیا، ساتھ ہی نبیہ کی بھابی بھی کھڑی تھیں۔

"وعلیکم السلام! آئیے اندر آئیے"۔ اس نے راستہ دیا۔

"لگتا ہے ڈسٹرب کر دیا سو رہے تھے، شاید آپ کی ہم نے نیند خراب کر دی"۔ نبیہ کے بھائی اس سے بغلگیر ہوتے ہوئے خوش دلی سے بولے تو وہ جھینپ سا گیا۔

"نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں آپ لوگ بیٹھیں میں بس ابھی فریش ہو کر آتا ہوں"۔ انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر وہ کمرے میں واپس آیا تو نبیہ کو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے موجود پایا، نم بالوں کے ساتھ سی گرین سوٹ پہنے بہت لائٹ جیولری سجائے وہ لپ اسٹک لگانے میں مصروف نظر آئی شاید ابھی باتھ لے کر باہر آئی تھی اس کے تروتازہ شگفتہ چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ ایک لمحے کو جیسے سب کچھ بھول گیا، نبیہ نے اس کی خود پر جمی نظروں کو آئینے میں دیکھا تو کنفیوژ ہو کر سلام جھاڑ دیا وہ یکدم ہوش میں آیا۔

"آپ کے گھر والے ناشتہ لے کر آئے ہیں آپ جا کر ان سے ملئے میں ذرا تیار ہو کر آتا ہوں"۔

"جی جی"۔ اس نے ایک تنقیدی نظر خود پر ڈالی اور مطمئن ہو کر دروازے کی طرف بڑھی۔

"ایک منٹ پلیز!" شاہ زر کی پکار پر وہ ٹھٹک کر رکی اور پلٹ کر دیکھا وہ سائیڈ ٹیبل کی دراز سے کچھ نکال رہا تھا۔

"یہ آپ کا گفٹ رات کو دے نہیں سکا تھا"۔

وہ ہاتھ میں ایک خوبصورت سا باکس لئے اس کے قریب آیا نبیہ نے چپ چاپ وہ باکس اس سے لے لیا اور تجسس کے بناء پر فوراً کھول کے دیکھا خوبصورت ڈائمنڈ رنگ تھی۔

"تھینکس بہت اچھی ہے یہ"۔ اس نے نظر اٹھا کر اس کا شکریہ ادا کیا، ابھی وہ کچھ اور بھی کہتی مگر شاہ زر مسکرا کر واپس مڑ گیا اور وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکالنے لگا نبیہ نے اپنے سر کو ہلکی سی چپت لگائی۔

"میں بھی ناں، رنگ دینے کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ وہ پہنائیں گے بھی خود گفٹ دے دیا کافی ہے

ورنہ بھابی کے سوالوں کا کیا جواب دیتی جب وہ منہ دکھائی کی بابت پوچھتیں شکر ہے موصوف کو اتنا تو معلوم ہے"۔ اس نے خود ہی وہ رنگ پہنی اور باہر کی طرف چل پڑی، سلام دعا کے بعد اس کی بھابی نے پہلا سوال منہ دکھائی کے بارے میں ہی کیا، اس نے چپ چاپ اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔

"واؤ...... ڈائمنڈ ہے؟ بہت خوبصورت ہے یہ تم بہت لکی ہو"۔ بھابی نے اسے پیار سے گلے لگایا۔

"شکریہ علینہ بھابی! اور آپ لوگ یہ اتنا سارا سامان کیوں لے آئے؟" اس نے ٹیبل پر رکھے شاپرز کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے ناشتہ لائے ہیں بھئی تمہارے میکے سے آیا ہے اتنا کچھ، شاہ زر کو پتہ تو چلنا چاہئے ناں آخر کتنے دل والے لوگوں سے رشتہ جڑا ہے"۔ بھابی نے فرضی کالر کھڑے کرتے ہوئے کہا اسی وقت شاہ زر بھی نک سک سے تیار ہو کر آ گیا۔

"ماشاء اللہ! تم دونوں کی جوڑی بہت پیاری ہے رات ہال میں موجود سب ہی لوگ تعریف کر رہے تھے"۔ علینہ بھابی نے دونوں کو ساتھ بیٹھا دیکھا تو کہے بنا نہ رہ سکیں۔

"اب ٹیبل بھی سیٹ کر دو یار کیا ناشتے میں باتوں سے پیٹ بھریں گے"۔ نبیہ کے بھائی فرحان نے اپنی بیوی سے کہا تو وہ فوراً کھڑی ہو گئیں۔

"جی بالکل، میں ابھی ناشتہ لگاتی ہوں تب تک رانیہ فراز بھی آ جائیں گے"۔ انہوں نے نبیہ کی بہن اور بہنوئی کا تذکرہ کرتے ہوئے شاپرز اٹھائے اور کچن میں چلی گئیں جبکہ نبیہ اپنے بھائی کے بچوں سے باتیں کرنے لگی کیونکہ علینہ بھابی نے اسے کچن میں آنے سے صاف منع کر دیا تھا اور پھر رانیہ کے آنے پر دونوں نے مل کر سلیقے سے ناشتہ لگایا اور بے حد خوشگوار ماحول میں ناشتہ کیا گیا۔

☆☆☆☆

نبیہ جب دس سال کی تھی تو اس کے والدین کا ایک کار ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا تھا اس وقت فرحان کی عمر بیس سال تھی اور اس کی شادی ہو چکی تھی رانیہ، فرحان سے دو سال چھوٹی تھی پیرنٹس کے انتقال کے بعد فرحان نے دونوں بہنوں کا بے حد خیال رکھا اور سال بھر بعد ہی رانیہ کی شادی بھی کر دی تھی تب نبیہ بالکل تنہا ہو گئی تھی علینہ نے اسے اپنی بہن کی طرح سمجھا اور اسے ہر طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کی اس لئے نبیہ کی اپنی بھابی سے بہت بنتی تھی نبیہ کے بڑے ہوتے ہی اس کی شادی کے لئے بھی جلدی کرنے کی کوشش کی گئی مگر قسمت میں شاید تاخیر کا ستارہ روشن تھا۔

☆☆☆☆

"بھابی! آپ کیوں میرا تماشہ بنانے پر مصر ہیں"۔ وہ جھنجھلا گئی تھی۔

"نبیہ! تمہارے ذہن میں یہ بے کار باتیں آتی کہاں سے ہیں"۔ انہوں نے بھی چڑ کر کہا۔

"یہ بے کار کی باتیں نہیں ہیں میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں اور اب میں آپ کی کوئی بات نہیں مانوں گی"۔ وہ ضد پر اڑی ہوئی تھی آج اس کا ولیمہ تھا اور وہ پارلر سے تیار ہونے کے حق میں نہ تھی جبکہ بھابی اسے مسلسل فورس کر رہی تھیں۔

"تم پارلر جا رہی ہو یا نہیں؟" علینہ بھابی کو غصہ آ گیا۔

"نہیں"۔ کھٹاک سے جواب آیا۔

"ٹھیک ہے میں فرحان سے جا کر کہتی ہوں"۔ وہ تلملا کر پلٹیں۔

"بھابی! پلیز"۔ بھائی کا نام سنتے ہی اس کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"بارات والے دن میرے لاکھ منع کرنے پر بھی آپ نے اپنی مرضی چلائی تھی میں نے سادگی سے نکاح کرنے کا کہا تھا مگر آپ نے بینکوئٹ بک کروایا شادی کارڈ تقسیم کئے رشتے داروں کو بلایا اور اوپر سے

Ridadigest.com
Ridadigest.com

اتنا ہیوی میک اپ اور جیولری اچھا خاصا تماشا لگوا دیا تھا آپ نے اور رانیہ آپی نے مل کر اور اب ولیمے پر بھی آپ کی یہی فرمائش ہے آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں“۔ وہ اضطرابی کیفیت میں تھی اس کا کہنا تھا کہ شاہ زر کی کوئی فیملی تو ہے نہیں اور نہ ہی شاہ زر نے اتنے گیسٹ بلائے ہیں پھر وہ پارلر سے کیوں تیار ہو وہ خود ہی ہلکا سا میک اپ کرلے گی مگر علینہ بھابی مان کر نہ دیں اور نبیہ کو ہی ہتھیار ڈالنے پڑے شاہ زر کی پیدائش پر اس کی ماں کی ڈیتھ ہوگئی تھی شاہ زر کے والد نے شاہ زر کی وجہ سے دوسری شادی کی تھی تا کہ اس کی پرورش بہترین ہوسکے انہوں نے جس عورت کو بیوی کا درجہ دیا تھا ان کی پہلے سے ایک بیٹی تھی آٹھ سال کی اس کی پرورش کی ذمہ داری شاہ زر کے والد نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔ شاہ زر جب پندرہ سال ہوا تھا تب اس کے ابو وفات پا گئے تھے سوتیلی ماں ویسے تو شاہ زر سے برا سلوک نہیں کرتی تھیں کبھی اسے اپنا نہیں سمجھا تھا اس لئے وہ بے حد حساس ہوگیا تھا اس کی سوتیلی بہن بھی کبھی اچھے موڈ میں اس سے بات کرلیا کرتی تھی جب وہ اٹھارہ سال کا ہوا تو اس کی سوتیلی بہن کی شادی ہوگئی وہ امریکا چلی گئی وہ بالکل تنہا ہوگیا مگر اپنے باپ سے کئے گئے وعدے کو نبھاتا رہا اور بہن اور ماں کو دل سے عزت دی اس کی بہن ہر سال اپنی ماں سے ملنے پاکستان آتی تھی مگر جب وہی دنیا میں نہ رہیں تو اس نے بھی شاہ زر سے فون تک کا ہی رابطہ رکھا اور اپنے بچوں میں مگن ہوگئی یہاں تک کہ شاہ زر کے بلانے پر بھی شادی میں نہ آئی اور فون پر ہی مبارکباد دے دی۔ نبیہ کے بہنوئی فراز اور شاہ زر ایک ہی فرم میں جاب کرتے تھے فراز کے لاکھ سمجھانے پر ہی شاہ زر شادی کے لئے تیار ہوا تھا ورنہ وہ تنہائی کا اتنا عادی ہوگا ہی تھا کہ اسے کسی کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی تھی اب چند دوستوں اور پڑوسیوں کے سوا تھا ہی کون اس لئے اس نے پچیس تیس لوگوں کے لئے ولیمے کی رسم اور ارینجمنٹ ایک ہوٹل میں ڈنر دے کر پوری کردی تھی۔

☆☆☆☆

”یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟“ وہ چائے کا پانی چولہے پر رکھ رہی تھی جب اپنے پیچھے شاہ زر کی آواز سن کر اچھل پڑی۔

”چائے بنا رہی تھی“۔ اس نے گھبرا کر کہا۔

”آپ رہنے دیں میں بس آ ہی رہا تھا کچن میں، آپ ہٹیں میں بناتا ہوں“۔ شاہ زر نے قریب آ کر کہا اور چینی پتی کا ڈبہ کیبنٹ سے نکالا۔

”مم...... میں کافی اچھی چائے بنا لیتی ہوں“۔ اس نے منمنا کر کہا اسے لگا شاید وہ اسے پھوہڑ لڑکی سمجھ رہا ہے، شاہ زر اس کی بات پر مبہم سا مسکرا دیا۔

”بے شک بنالی ہوں گی لیکن ابھی نہیں ابھی آپ کی شادی کو دو دن ہی ہوئے ہیں اور آپ کا یوں کچن سنبھالنا مجھے اچھا نہیں لگے گا، مانا کہ میرے گھر میں کوئی خاتون نہیں ہیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آپ پر بوجھ ڈال دیا جائے اور اگر آپ کی بھابی یا بہن کو معلوم ہوگیا کہ آپ نے شادی کے دوسرے دن ہی کچن سنبھال لیا تو وہ مجھے ایک ظالم انسان سمجھیں گی، اور نہ جانے میرے بارے میں کیسی کیسی رائے قائم کریں گی“۔ چائے کو پکنے کے لئے رکھنے کے بعد اس نے فریج سے انڈے نکالے اور پھر انہیں فرائی کرتے ہوئے مزے سے بولتا گیا اس کے اس بے ساختہ انداز پر نبیہ مسکرانے لگی اور شاہ زر کو اپنے دل میں دیئے جانے والے اسٹوری مین کے خطاب کو واپس لینے کا سوچنے لگی شاہ زر کی آواز اسے سوچوں کے بھنور سے واپس کھینچ لائی۔

”ویسے کام کا کوئی مسئلہ نہیں ہے آج سے ایک میڈ بھی آجائے گی آپ بے فکر رہیں وہ کچن اور گھر کے سب کام کرے گی، آپ اس حوالے سے پریشان نہ ہوں“۔ فرائی انڈے پلیٹ میں نکالنے کے بعد اس نے بریڈ کو بھی پلیٹ میں سجا دیا اور ٹیبل پر رکھ دیا فریج سے جام بٹر وہ پہلے ہی نکال کر رکھ چکا تھا۔

”مجھے سب کام آتے ہیں، کوکنگ ڈسٹنگ وغیرہ“۔ اس نے شاہ زر کو جتانا ضروری سمجھا۔

”ہوں یہ تو بہت اچھی بات ہے“۔ بہت مختصر سا جواب آیا تھا۔

”آپ کو میڈ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے میں آپ کے بھی سارے کام کردوں گی مجھے کپڑے بھی بہت اچھے پریس کرنا آتے ہیں آپ کو مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی“۔ نبیہ کو لگا کہ اسے اپنی یہ تمام خوبیاں شاہ زر کو بتادینی چاہئیں اس نے سوچا کہ محبت نہ سہی اپنی ان تمام خوبیوں کے ذریعے وہ شاہ زر کو اپنا عادی بنالے تاکہ شاہ زر بھی اسے چھوڑنے کا فیصلہ نہ کرے اس طرح وہ ہمیشہ اس گھر میں رہ سکے گی اور اس کے بھائی بھابی اسے اپنے گھر میں آباد دیکھ کر خوش رہیں گے اس لئے ہمت کرکے اس نے کہہ دیا شاہ زر جو چائے مگ میں نکال رہا تھا اس کی بات سن کر یکدم رکا اور پھر ساس پین واپس چولہے پر رکھ کر اس کی جانب مڑا۔

”پہلی بات تو یہ کہ میڈ میں نے آپ کے لئے رکھی ہے اور دوسری بات کہ میں اپنے سارے کام خود کرلیتا ہوں رہی کھانے کی بات تو ہوٹلز میں بھی اچھا کھانا ملتا ہے اور تھوڑی بہت کوکنگ مجھے بھی آتی ہے اس لئے کبھی کوئی مسئلہ نہیں ہوا البتہ ڈسٹنگ کے لئے اپنی مصروفیت کی وجہ سے میں روز ٹائم نہیں نکال پاتا اور اس کام کے لئے میں نے میڈ رکھنی بھی چاہی تھی لیکن ایک تنہا مرد کے گھر میں کام کرنے کے لئے کوئی بھی راضی نہ ہوا لیکن اب آپ آگئی ہیں تو یہ مسئلہ بھی حل ہوگیا“۔ اس نے بڑی سنجیدگی سے وضاحت دی۔

”مگر......“ وہ جز بز ہوتی بولی۔

”اگر مگر چھوڑیئے ناشتہ کریں“۔ شاہ زر نے اسے ٹوک دیا اور گھمبیر لہجے میں کہا تو وہ اس کی آواز کے بھاری پن پر سہم کے چپ ہوگئی۔

☆☆☆☆

آج نبیہ نے اپنے گھر میں دعوت رکھی تھی اپنے بھائی بھابی اور بہن بہنوئی کو ڈنر پر بلایا تھا اس کے بھائی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ آچکے تھے مگر بہن نے آنے سے معذرت کرلی تھی اس کی ساس کی اچانک طبیعت خراب ہوگئی تھی اس لئے وہ لوگ نہیں آسکے تھے۔

”نبیہ کھانا بہت لذیذ ہے مزا آگیا“۔ اس کے بھائی نے کھانے سے انصاف کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”واقعی ! اس میں کوئی شک نہیں“۔ بھابی نے بھی داد دیتی نظروں سے نبیہ کو دیکھا البتہ شاہ زر نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔

کھانے کے برتن سمیٹ کر نبیہ چائے بنانے کے ارادے سے کچن میں آئی تو بھابی بھی چلی آئیں۔

”بھابی! آپ بیٹھئے میں بس ابھی آتی ہوں“۔ نبیہ نے گھبرا کر کہتے ہوئے کہا۔

”نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں“۔ علینہ بھابی نے کچھ سوچتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ نبیہ نے غور سے ان کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا۔

”بھابی کیا ہوا آپ کچھ پریشان سی لگ رہی ہیں“۔

”ہوں ایک بات ہے تو سہی“۔ انہوں نے مبہم انداز سے کہا تو نبیہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔

”نبیہ! مجھے ایک بات سچ سچ بتانا کیا تم خوش ہو؟“ انہوں نے بات کرنے کی ٹھانی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا نبیہ نے گڑبڑا کر نظریں چرالیں۔

”ہاں بھابی ! بہت خوش ہوں آپ نے ایسے کیوں پوچھا“۔ وہ رخ پھیر کر دوبارہ سے اپنے کام میں لگ گئی۔

Ridadigest.com
Ridadigest.com

""مجھ سے نظریں ملا کر بات کرو"۔ انہوں نے غصے سے کہا اور اسے بازو سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب کیا وہ حواس باختہ سی ہوگئی۔

""کیا ہوگیا ہے بھابی! آپ کو بلاوجہ شک کررہی ہیں"۔ اس نے خود پر قابو کرتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

""نبیہ!" ان کی پکار میں تنبیہ تھی نبیہ نے جیسے ہارتے ہوئے انہیں دیکھا۔

""بولو میری جان' کیا بات ہے بتاؤ مجھے"۔ انہوں نے اسے پچکارا۔

""آپ کو ایسا کیوں لگا بھابی کہ میں"۔ مدھم آواز میں لب کاٹتی ہوئی وہ یہ جاننے پر مصر نظر آئی کہ اس نے تو اپنے رویئے سے سب اچھا ہی ظاہر کیا تھا۔

""شاہ زر کے رویئے کو دیکھ کر مجھے ایسا لگا وہ تم سے لئے دیئے انداز میں بات کرتا ہے تمہاری جھجک بھی ابھی تک ویسے ہی برقرار ہے اب تو شادی کو کافی دن ہوچکے ہیں پھر"۔ انہوں نے اپنا تجربہ پیش کیا نبیہ کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں وہ سسک کر بھابی کے گلے لگ گئی۔

""دیکھو! جو بھی بات ہے بتاؤ' گھبراؤ نہیں"۔ انہوں نے اس کا سر سہلاتے ہوئے کہا۔

""بھابی! انہیں مجھ سے محبت نہیں ہے بلکہ مجھے تو لگتا ہے ان کے سینے میں دل ہی نہیں ہے وہ مجھے ایک اجنبی کی طرح ٹریٹ کرتے ہیں"۔ اس نے دل کا بوجھ ہلکا کرنا شروع کردیا۔

""بھابی! شادی کے شروع میں ہی مجھے ان کے رویئے سے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس رشتے کو نبھانے کے لئے مجھے اپنا آپ اپنی عزت نفس ختم کرنی ہوگی کیونکہ ان کے انداز سے مجھ پر ہر بات واضح ہوچکی تھی کہ انہیں مجھ سے محبت تو ہے نہیں یہ شادی انہوں نے صرف ضرورت کے تحت کی ہے اور اس ضرورت کے رشتے کو آخری سانس تک نبھانے کے لئے مجھے ہر ممکن کوشش کرنی ہوگی مگر"۔ وہ چپ ہوئی۔

""مگر کیا"۔ انہیں بے چینی ہوئی۔

""مجھے اب یہ لگتا ہے انہیں میری ضرورت بھی نہیں ہے"۔ وہ روہانسی ہوگئی۔

""تمہیں ایسا کیوں لگا"۔ انہیں بے انتہا حیرت تھی۔

""میرے منع کرنے کے باوجود انہوں نے میڈ رکھ لی میں کوئی کام اپنی مرضی سے کرنا چاہوں تو کہتے ہیں میڈ کس لئے ہے کہیں آؤٹنگ پر نہیں لے کر جاتے بلاضرورت کوئی بات نہیں کرتے تو میں اس سے کیا نتیجہ اخذ کروں"۔ وہ تنک کر بولی۔

""وہ اگر نظر انداز کررہا ہے تو تم ہی جھک جاتیں آگے بڑھ کر اپنا احساس دلاتیں اسے یا تم بھی"۔ انہوں نے اسے سرزنش کی۔

""ایک دوبار کوشش کی تھی میں نے"۔ اس نے منمناتے ہوئے کہا۔

""تم کہو تو میں بات کروں اس سے"۔

""نہیں علینہ بھابی! بالکل نہیں پلیز' آپ نہ ان سے کوئی بات کریں گی اور نہ ہی بھائی کو کچھ بتائیں گی"۔ نبیہ نے ... ایک آس سے انہیں دیکھا وہ اس کے انداز پر چپ سی ہوگئیں۔

""ٹھیک ہے کسی سے کچھ نہیں کہوں گی مگر ایسا کب تک چلے گا"۔

""پتہ نہیں بس آپ دعا کیجئے گا"۔ وہ مایوس نظر آئی۔

""یوں تو نہ کرو انشاءاللہ سب بہتر ہوگا' امید اچھی رکھو"۔ انہوں نے فوراً اسے آس دلائی۔

""اچھا جاؤ شاباش! منہ دھوکر آؤ ابھی کوئی چائے کا پوچھتا ہوا آگیا تو بہت برا ہوگا' جاؤ شاباش فریش ہوکر آؤ"۔ انہوں نے اس کا کندھا تھپتھپاکر تسلی دی۔

""اٹھو نبیہ یوں ہمت نہ ہارو اچھا ایسا کرتی ہوں آج تمہیں ساتھ ہی گھر لے چلتی ہوں وہاں جاکر

آرام سے بات کریں گے یہاں یہ سب مناسب نہیں جاؤ منہ دھوکر آؤ"۔ انہوں نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر کھڑا کیا اور کچن سے باہر نکالا اور خود چائے بنانے لگیں۔

""شاہ زر اگر تمہیں برا نہ لگے تو ہم نبیہ کو آج اپنے ساتھ لے جائیں"۔ چائے سب کو سرو کرکے جب علینہ بھابی اپنا کپ ہاتھ میں لئے صوفے پر بیٹھیں تو شاہ زر کو مخاطب کیا۔

""بھابی آپ کا حق ہے اس پر' لیکن اگر میں منع کروں تو آپ فیل تو نہیں کریں گی"۔ شاہ زر ان کے مخاطب کرنے پر چونک گیا تھا' پھر کچھ لمحے کے توقف کے بعد احترام سے انکار کیا۔

""مگر کیوں؟" علینہ بھابی کچھ ٹھٹکی تھیں۔

شاہ زر کے ساتھ ساتھ فرحان بھی چونک کر انہیں دیکھنے لگے کمرے میں یکدم خاموشی چھا گئی۔

""اٹس او کے شاہ زر! کوئی بات نہیں جب فارغ ہو تب لے آنا"۔ فرحان نے علینہ کو گھور دیکھا اور گھمبیر ماحول کا سنجیدہ تاثر ضائع کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

""آپ مجھے غلط نہ سمجھیں پلیز' میرا مطلب وہ نہیں تھا جو آپ لوگ سمجھ رہے ہیں"۔ شاہ زر نے گھبرا کر فوراً وضاحت دی۔

""ایکچوئلی بھابی! وجہ صرف اتنی ہے کہ پہلے میں تنہا رہنے کا عادی تھا مگر اب نبیہ کے ہونے سے یہ گھر مجھے واقعی گھر لگنے لگا ہے اس کی موجودگی سے مجھے اس گھر میں سکون کا احساس ملتا ہے' اس لئے میں انکار کرگیا تھا لیکن آپ کو شاید برا لگا ہے میں معذرت چاہتا ہوں آپ لے جانا چاہتی ہیں تو میں کچھ نہیں کہوں گا"۔ اس نے سنجیدگی سے کہا علینہ بھابی کا تو حیرت سے منہ کھلا رہ گیا۔ وہ کیا سمجھ رہی تھیں اور یہاں معاملہ ہی کچھ اور ہے ان سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

""نہیں یار! کوئی بات نہیں جب تمہارا دل چاہے جب بھیج دینا"۔ فرحان نے ایک بار پھر بات سنبھالی۔

""اور دل نہ چاہے تو"۔ وہ بے اختیار بول پڑا۔

""کیا مطلب؟" علینہ بھابی نے یکدم پوچھا۔

""میرا مطلب ہے کہ میں تو کبھی نہیں چاہوں گا کہ اب میں ایک دن بھی اس گھر میں اکیلا رہوں تنہا رہتے رہتے بے زار ہوگیا ہوں ہاں البتہ آپ کی اجازت ہو تو میں اور نبیہ ہم دونوں کبھی کبھار آپ کے گھر رکنے آسکتے ہیں مگر دونوں ساتھ آئیں گے"۔ شاہ زر نے آخر کو دل کی بات کہہ دی اور پھر دونوں کے مسکراتے چہرے دیکھ کر ہنستے ہوئے سر جھکا گیا۔

""کیوں نہیں بھئی یہ گھر بھی تمہارا ہے اور وہ گھر بھی تمہارا ہے جب چاہو آجانا"۔ فرحان اس کے جذبات سے اتنے متاثر ہوئے کہ جوش سے اسے گلے لگالیا۔

""بالکل تم جب چاہو آسکتے ہو تمہیں پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے"۔ علینہ بھابی نے بھی مسکرا کر اسے ... کہا وہ پوری طرح مطمئن ہوگئی تھیں۔

""اچھا ... دیر ہوگئی صبح بچوں کو اسکول بھی جانا ہے اب ہم چلتے ہیں"۔ فرحان نے رسٹ واچ پر نگاہ کی تو کھڑے ہوگئے ... بھی اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجاتی ڈرائنگ روم میں آئی۔

""یہ لو بھئی تمہارا انعام اور میری طرف سے دل سے دعا ہے تمہارے لئے"۔ فرحان نے اسے ہزار کے تین نوٹ دیئے اور گلے لگا کر پیار کیا۔

""اچھا نبیہ ہم چلتے ہیں اب"۔ بھابی بھی اس سے گلے ملیں تو اس نے اچنبھے سے انہیں دیکھا۔

""کیا میں نہیں چل رہی آپ کے ساتھ"۔ اس نے تحیر سے انہیں دیکھ کر دبی آواز سے پوچھا تو علینہ بھابی بے اختیار مسکرانے لگیں اور انکار میں سر ہلا کر آگے بڑھ گئیں۔

Ridadigest.com
Ridadigest.com

اس نے خفگی سے انہیں دیکھا اور پھر دونوں بچوں کو پیار کر کے رخصت کیا اس کی میڈ بیمار تھی اور چھٹی پر تھی کچن کے کام نمٹاتے ہوئے اسے بار بار بھابی کا مسکراتا چہرہ یاد آ رہا تھا مارے دکھ کے وہ اپنا سارا غصہ برتنوں پر نکال رہی تھی اس نے سارا کام ختم کر لیا تھا مگر اس کا غصہ ختم نہیں ہو رہا تھا رات جب وہ فارغ ہو کر کمرے میں آئی تو شاہ زر کو اپنے انتظار میں جاگتا پایا۔

''کچھ چاہئے آپ کو؟''

''ہاں' تمہارا ساتھ چاہئے تمہارا پیار چاہئے''۔ اس نے لو دیتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور شوخ لہجے میں اپنا مدعا بیان کیا وہ سٹپٹا گئی۔

''ج......جی''۔ اس کی اس معصوم ادا پر اور حیرت سے پھیلی آنکھوں کو دیکھ کر شاہ زر کا مانو جان سے ہی چلا گیا تھا اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور پھر اپنے برابر بٹھاتے ہوئے بتانے کے لئے الفاظ ترتیب دینے لگا۔

''نبیہ یہ شادی میں نے اپنی پوری رضامندی سے کی ہے اور محبت پانے کے لئے کی ہے شادی کی رات آپ کا دھلا چہرہ دیکھ کر مجھے لگا کہ آپ اس رشتے پر خوش نہیں ہیں اور پھر بعد میں بھی آپ کے سنجیدہ انداز سے میں یہی سمجھا تھا اس لئے آپ پر زبردستی نہ کرنے کا سوچ کر آپ سے دور ہو گیا تھا''۔

وہ بہت نپے تلے انداز میں حقیقت بیان کر رہا تھا نبیہ احمقوں کی طرح اس کی شکل دیکھنے لگی اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ سب بتانے کا مقصد کیا ہے اور اس وقت ہی کیوں وہ اسے پرانی باتیں یاد دلا رہا ہے شاہ زر نے اس کے متعجب انداز کو دیکھا تو جیسے اس کا سوال جان گیا۔

''میں نے تمہاری اور علینہ بھابی کی باتیں سن لی تھیں میں چائے کا کہنے کچن میں آیا تھا مگر تمہاری باتیں سن کر حیران رہ گیا''۔ اس نے شرارت سے کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا نبیہ کا منہ کھلا رہ گیا وہ سٹپٹا گئی اور بے ساختہ نظریں چرالیں شاہ زر نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

''ارے یار گھبراؤ تو نہیں ایسے تم تو ایسے بوکھلا رہی ہو جیسے میں تمہیں پھانسی پر چڑھانے والا ہوں' شکر کرو کہ میں نے سن لیا ورنہ زندگی یونہی بیت جاتی''۔ اس نے اس کے بالوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے اسے بھی احساس دلایا۔

''کچھ کہو گی نہیں''۔ مخمور بھاری لہجہ اس کے حواس سلب کر رہا تھا وہ بدک کے اس سے دور ہوئی اور اس سحر زدہ ماحول سے بچنے کے لئے بے اختیار کہہ بیٹھی۔

''اس رات مجھے لگا کہ آپ کو میرا وہ روپ اچھا نہیں لگے گا' اس لئے میں''۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے جبکہ وہ حیران ہوا۔

''اچھا تو یہ بات تھی ہم دونوں نے عقل مند بننے کے چکر میں بے وقوفوں کو بھی مات دے دی''۔ وہ بے چارگی سے بولا تو نبیہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''چلو اب بے وقوفوں کی طرح زندگی شروع کرتے ہیں پیار محبت سے آغاز کرتے ہیں کیا پتہ آگے جا کر ہم دونوں عقل مند ہو جائیں''۔ اسے خود میں سموتے ہوئے وہ سرشار دکھائی دیا جبکہ نبیہ اپنی دھڑکنوں کو سنبھالنے کی کوشش میں ہلکان ہوئے جا رہی تھی اور ساتھ ہی بے حد حیران بھی کہ واقعی کسی نے بالکل سچ ہی کہا ہے کہ محبت کرنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا عمر جتنی بھی گزر جائے مگر دل کے تقاضے عمر کی قید سے آزاد ہوتے ہیں یہ دل کی خواہشیں بس اپنی تکمیل چاہتی ہیں اور شاہ زر کی شوخیوں اور جسارتوں کو دیکھتے ہوئے وہ اس بات پر ایمان لے آئی تھی شاہ زر کی سنگت میں اس کا انگ انگ مسکرا اٹھا تھا۔

☆......☆......☆

Ridadigest.com

ایقان علی

داتا

تاریک آسمان پر آتش بازی اپنی تمام خوب صورتیوں اور رعنائیوں کے ساتھ جگمگا رہی تھی۔ کئی غبارے، قندیلیں اور روشنیاں ایک ساتھ ہوا میں تیرتی پھر رہی تھیں۔ لوگ ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ گلے مل رہے تھے۔ مٹھائیاں کھا رہے تھے۔ کھلا رہے تھے۔ تحائف بانٹے جا رہے تھے۔ ایسے حسین موقع پر وہ ایک انسان اس جگ مگ کرتی عمارت کی چھت پر

خاموش اکیلا کھڑا، افسردگی سے آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے دیکھنے میں ایسی وحشت تھی کہ دیکھنے والوں کو وحشت ہونے لگتی تھی۔

☆......☆

پنڈ نظام الدین میں آج میلہ لگا ہوا تھا۔ سارے گاؤں والے اپنی اپنی بساط سے بڑھ کر تیار شیار ہو کر میلے کے پنڈال میں جمع ہوئے تھے۔ رنگا رنگ کپڑوں میں ملبوس مرد و زن بچے خوشیوں میں بھیگے ہوئے یہاں وہاں پھر رہے تھے۔ کئی طرح کے جھولے، پینگیں ٹھیلے والے کھلونوں کی دکانیں اور بہت سی اشیاء کو دیکھنے والوں کی نظریں خوامخواہ للچا دیتی تھیں۔ گول گپے، آلو چھولے، ٹافیاں اور پتہ نہیں کیا کیا تھا جو بک رہا تھا اور کھایا جا رہا تھا۔

ایسی خوشیوں میں ایسے خوشیوں کے موسم میں غلام فرید کا خاندان تھا جو تنہا، سب سے دور، سب سے الگ تھلگ اپنے گھر کے واحد کمرے میں موجود تھا۔ میلے میں جا کر وہ کرتے بھی کیا؟ جیب میں ایک دمڑی تک نہیں تھی۔ جس سے وہ خوشیاں خرید لیتے۔ غلام فرید کے آٹھ بچے۔ کمرے کے

est.com

فرش پر بچھے پرانے سے ٹاٹ پر سو رہے تھے۔ اس کی بیوی ایک کونے میں بیٹھی پرانے کپڑوں کو رفو کرنے میں مگن تھی اور وہ غلام فرید خاموش اکیلا سا ایک طرف بیٹھا اپنی سوچوں میں غلطاں تھا۔ اپنی بھیگی نظروں سے وہ دور میلے کی روشنیاں دیکھ رہا تھا اور دیکھ دیکھ کر افسردہ ہو رہا تھا۔ وہ دیوار سے پرے، گھروں کے اس پار پنڈال میں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے بچوں کو دیکھ سکتا تھا۔ ان کو آلو چاٹ، دہی بڑے اور گول گپے کھاتا بھی دیکھ سکتا تھا اور ایسے میں وہ اپنے پاس سوئے اپنے معصوم بچوں کو بھی دیکھ سکتا تھا جن کے حلق خشک تھے اور پیٹ خالی۔ جو رات کے کھانے کے نام پر دو دو چار چار نوالے کھا کر سوئے تھے۔

اسی سمے غلام فرید نے خود کو کوسا تھا۔ خود کو وہ سب گالیاں دی تھیں جو اسے آتی تھیں جو [illegible] تھیں بھی بھیجی تھیں کہ پھٹکار ہے تجھ پر کہ ایسا [illegible] ہے تو! دور مر جا کہیں دفعان ہو جا۔ اس نے خود کو برا بھلا کہا کہ وہ اپنی اولاد کے لیے اتنی رقم نہیں کما سکتا کہ وہ بھی دوسرے بچوں کی طرح میلے میں جا سکتے، کچھ کھا سکتے، جھولے جھول سکتے۔

''جا او غلام فرید! فٹے منہ ای اے تیرا لکھ دی لعنت!''

رات ڈھلتی جاتی تھی۔

اس کی خود کو دی ملامتیں، کوسنے بھی بڑھتے جاتے تھے۔

☆......☆

غلام فرید ذات کا نائی تھا اور اگر رتبہ دیکھا جاتا تو وہ پنڈ کا ساروں سے زیادہ کمی تھا۔ اس سے نیچے بس جانوروں کی گنتی شروع ہو جاتی تھی۔ پنڈ کی گلیوں میں گھوم پھر کر صدائیں دیے کروں بال کاٹا کرتا تھا۔ ابتداء میں وہ بہت اعلیٰ ارفع تھا کہ صرف اشرف المخلوقات کے بال کاٹتا تھا لیکن اب وقت کے ساتھ ساتھ وہ اپنا رتبہ جان گیا تھا۔ اب وہ ہر مخلوق کے بال اتار دیتا تھا۔ گدھے، دنبے، خچر...... گاؤں کے نواب کے کتے کی حجامت بھی کر دیتا اگر وہ کرواتے تو لیکن سنا ہے ان کے کتے کا حجام بھی شہر سے آتا تھا۔

ہاں تو غلام فرید تھا نائی اور کچھ نہیں، بس ایک نائی عام سا نائی۔ بہت سے عام انسانوں میں سے ایک بہت عام سا انسان اور اسی عام سے انسان کے عام سے آٹھ بچے اور نواں عام سا بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں تھا۔ ان عام سے انسانوں کا ایک عام سا جھونپڑا کچی چھت کا ایک ٹکڑا اور آگے چند فٹ کا صحن اور...... اور بس...... ختم......''

جب پنڈ نظام الدین کے کسان گندم کی سنہری ڈالیوں سے رزق حاصل کر رہے ہوتے تھے۔ تب وہ نائی پیالی لیے بکھرے رزق کے رتی بھر دانے اکٹھے کر رہا ہوتا تھا۔ جب سارے پنڈ کے گھروں میں [illegible] دانوں کی بوریوں کی بوریاں اترتیں۔ تب وہ نائی اپنے گھر کے چند فٹ کے صحن میں اپنی آل اولاد کے ساتھ [illegible] لقمے کھا رہا ہوتا تھا۔ پنڈ کا موسم کب بدلا، کیسے بدلا [illegible] بدلا، اسے کوئی غرض نہ تھی اس کی بلا سے آم پر بور آئے یا [illegible] کے درخت گلابی شگوفے اگائیں، اسے کیا لینا [illegible] ہرے ہرے کینو کب رنگ بدل گئے اور مہک دینے لگے۔ اس کے گھر تو وہی فاقے تھے اس کے بچے تو لقمے لقمے کے لیے جھگڑ رہے تھے۔ اس کی بیوی تو صدا سے بیمار تھی۔ وہ تو ہمیشہ سے بے روزگار تھا اس کی جیب تو کب سے خالی تھی اس کے مکان میں تو بس وہی بدحالی تھی۔

☆......☆

غربت کم نہیں ہو رہی تھی بلکہ بڑھ رہی تھی۔ یوں جیسے بچے دے رہی تھی۔ روز ولادت ہوتی تھی اور غریب کا بچہ پیدا ہو جاتا تھا۔ غلام فرید کا ننھا سا کمرہ

غربت کی آل اولاد سے اٹ چکا تھا۔ فرش سے لے کر چھت تک مفلسی ہی مفلسی تھی، بدحالی تھی، بے حالی تھی اور بچوں کی بھوک بڑھتی جا رہی تھی۔ ہر لمحے میں وہ بچے کئی سینٹی میٹر بڑھتے تھے اور ہر دن کے اختتام پر وہ بانس کے ایسے آسمان سے جا لگتے تھے ان کے منگلوں جیسے پیٹ ہمہ وقت خالی رہتے۔ غضب خدا کا ایسی بھوک بھی کہاں سے آ گئی۔

بھلا ایسا بھی ممکن ہے کہ صبح، دوپہر، شام دو دو نوالے کھائے جائیں اور پھر بھی حلق پھاڑ کر کہا جائے۔

ہائے میں بھوکا۔

ایسی ناشکری...... ایسی بے [illegible]......

کیڑے پڑیں تمہیں...... آگ لگے......

کیڑے لگ گئے تھے...... آگ لگ چکی [illegible]

☆......☆

کماد (گنا) کی فصل کٹ چکی تھی۔ اب بنجر خالی زمین میں بھٹیاں سلگائی جا چکی تھیں۔ بیل چلتے جاتے تھے اور مشین سے گنے کا رس نکلتا جاتا تھا۔ یہ بڑے بڑے کڑاہے آگ پر دھرے تھے جن میں رس سے گڑ بنایا جا رہا تھا۔

سارا پنڈ جمع تھا۔ کچھ گنے کھا رہے تھے۔ کچھ رو (گنے کا جوس) پی رہے تھے۔ کچھ لوگ گرم گرم گڑیا ہاتھوں پر چھپکا چھپکا کر کھا رہے تھے۔ غلام فرید کی آل اولاد بھی وہیں پھر رہی تھی۔ اپنی مرضی سے کھاتے پیتے یاجوج ماجوج ڈکارتی پھر رہی تھی۔ اس فیملی میں۔ نیلے آسمان تلے جب سب وہاں جمع تھے تو اس پنڈ کا بس ایک فرد تھا جو وہاں نہیں تھا۔

وہ ذات کا نائی۔ خالی جیب کا مارا مفلس انسان ایک ذرا پختہ مکان کی دیوار پھلانگتا صحن میں کودا، اندر کمروں میں دندناتا پھرتا رہا۔ نقدی، زیور، کھانے کی اشیاء، جو ہاتھ لگا جیب میں اڑس لیا۔ ہر شے یاد رکھنے میں وہ نائی ایک بات بھول گیا۔ جب رزق اپنے مقدر میں ہی نہ ہو تو دوسروں کے مقدروں کا رزق چوری کرنے سے کیسے مل سکتا ہے۔

وہ نائی جب سارا مال و اسباب چرا کر، دبے پاؤں نکل رہا تھا اس گھر کے مکین واپس آ گئے تھے۔

☆......☆

''ایسا گندا خون! آخ تھو...... وے غلام فرید تجھے شرم نہ آئی وے بے غیرتا، لکھ دی لعنت تیری شکل تے۔''

ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر اسے گالیوں سے نواز رہا تھا۔ اپنی اوقات سے بڑھ کر اسے کوسنے دیے جا رہے تھے۔ در فٹے منہ کہہ رہے تھے۔

وہ مفلس انسان بس سر جھکائے کھڑا تھا۔ مجرم جو تھا اس پر ان پنڈ والوں نے اتنا احسان کیا کہ اسے [illegible] کے حوالے نہیں کیا۔ بس مار مار کر ادھ موا [illegible] گاؤں سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔

[illegible] سورج تھکا ماندہ آرام کی غرض سے مغرب کی [illegible] جا رہا تھا۔ غلام فرید اپنی آل اولاد لیے سر جھکائے [illegible] پنڈ نظام الدین سے نکل رہا تھا۔

☆......☆

چک 512 میں اس کا کوئی دوست تھا۔ غلام فرید اس کے پاس جا پہنچا لیکن کہتے ہیں ناں کہ غریب کا دوست بھی غریب ہی ہوتا ہے۔

تو بس غریب غلام فرید کے غریب دوست نے اس کے لیے بس اتنا کر دیا کہ اسے رہنے کے لیے ایک جھگی ڈلوا دی۔ سرکنڈوں کی دیواریں اور گندے کپڑے کی چھت والی چھت، بہت تھا۔ یہ نہ بھی ہوتا تو اوپر نیلا آسمان تو تھا ناں۔

نئے پنڈ میں نئے نائی کے لیے جگہ نہیں تھی۔ وہاں اور بہت سے نائی تھے۔ تو ہمارا نائی، نائی نہ رہا اور سب کچھ ہو گیا۔ مٹی گارا ڈھونے والا مزدور، کسی

Ridadigest.com
Ridadigest.com

کے لیے مددگار کسان، چرواہا اور اس کی بیوی کام کرنے والی ملازمہ۔ جھوٹے برتن اور کپڑے دھونے والی۔

☆......☆

برسات کے موسم میں وہ مزدور کے طور پر کام کر رہا تھا۔ سر پر گارے سے بھرا کنستر اٹھائے لکڑی کی سیڑھی پر چڑھتا اور اترتا۔

اسی چڑھنے اور اترنے میں اس کے کئی پٹھے (مسلز) چڑھ گئے اور کئی جوڑ اتر گئے۔ کام کی رفتار کم ہوئی تو کام سے ہٹا دیا گیا۔

"غلام فرید تو بیمار ہے گھر بیٹھ کچھ دن آرام کر۔ اپنا علاج کروا یہ گردے کی تکلیف کا علاج کروا ساری سردی تیری جان نہ چھوڑے گی یہ۔"

کیسا بے ہودہ مذاق تھا یہ اس مزدور سے جس کی کمائی پر دس افراد پلتے تھے وہ آرام کرتا تو دنیا کیسے کرتی۔ وہ بھی درد بھلائے چھوٹے موٹے کام کرتا رہا۔ ساری سردی گردے کے درد نے اس کی جان نکالے رکھی۔

دو مہینے بعد اس کی بیوی نے دو جڑواں بچوں کو جنم دیا۔ آٹھ سے دس اور دس سے بارہ ہو گئے وہ بچے بڑھ گئے۔ بچوں کی خوراک بڑھ گئی لیکن اس کی کمائی گھٹ گئی۔ ایسے ہی جیسے حساب کے سوال ہوتے ہیں۔

"غلام فرید کی کمائی پہلے دس اور اب پانچ رہ گئی ہے اگر اس کے بچے دس سے پندرہ ہو گئے ہیں تو ان میں کون سی نسبت پائی جاتی ہے؟ حل کیجیے!"

"در فٹے منہ! ایسے سوالوں کا ایسے جوابوں کا۔"

غلام فرید بیچارہ پائی پائی کو محتاج ہو گیا۔ گاؤں والوں سے پائی پائی مانگنے لگا۔

"اللہ کے نام پر مولی کے نام پر سائیں کے بچے جیئیں سائیں کو بھاگ لگیں......" وہ اور اس کے دس بچے ہر صبح کشکول لیے گلیوں میں صدائیں دیتے پھرتے اور ہر رات جمع ہوئے سکوں پر ایک دوسرے کے گلے کو آتے۔

☆......☆

غلام فرید ہر جمعہ کے دن مولوی صاحب کی تقریر سنتا۔ وہ بتاتے کہ اللہ سائیں بہت بڑا ہے۔ بڑا بے مثال ہے اس کے بہت خزانے ہیں اور یہ جو دنیا والوں کے پاس خزانے ہیں یہ اسی کے ہی دیے ہوئے ہیں۔ وہ ذات کا نائی اور پیشے سے بھکاری اس بے مثال سے بے مثال خزانے مانگتا۔

مولوی صاحب بتاتے کہ وہ سات آسمانوں اور زمینوں کا رازق ہے۔ وہ پتھر میں بھی کیڑوں کو رزق دیتا ہے ایسے میں وہ مفلس آدمی سوچتا کہ کیا وہ اور اس کے دس بچے پتھر کے کیڑوں سے بھی بدتر ہیں؟ ان کے حصے کا رزق کسی پتھر میں قید کر دیا گیا ہے؟ مولوی صاحب بتاتے کہ وہ پالن ہار ہے۔ وہ سب کا داتا ہے اور وہ انسان آسمان پر نظریں ٹکائے اسی کو پوجتا رہتا اس سے شکوے شکایتیں کرتا اور خود کو کوستا رہتا۔

خود کو گالیاں دیتا خود کو لعنتیں ڈالتا، خود کو بد دعائیں دیتا۔ پورے صدق دل سے اپنے لیے بددعائیں مانگتا۔ ایسی ہی ایک رات جب غلام فرید کی اولاد ایک دوسرے سے لڑ مر کر دو نوالے کھا کر سو گئی تو وہ گھر سے نکل آیا ننگے پیر چلتا وہ مسجد آ گیا۔

مولوی صاحب بولتے تھے۔ رات کا وقت بڑا مبارک وقت ہوتا ہے۔ اس وقت وہ اوپر والا بہت نزدیک سے دعائیں سنتا ہے تبھی وہ اسے سنانے آ گیا تھا۔

اس مالک الملک کے گھر کی چوکھٹ پر بیٹھ کر غلام فرید نے بڑے شکوے کیے۔ اپنے رب سے بڑے گلے کیے۔ اسے بڑی شکایتیں تھیں اس سے اس کے اندر بڑی بھڑاس تھی جو اس نے نکالی تھی اس نے بڑے آنسو بہائے، بڑی فریادیں کیں بڑی

سسکیاں لیں۔

پھر اس نے خود سے شکوے کیے پھر اس نے خود کو گالیاں دینی شروع کیں۔ اس نے خود کو لعنت بھیجی۔ خود کو کوسا اور خود کو طعنے دیے۔ اپنے سر پر ہاتھ مارے اور مارتا چلا گیا۔

"تو نے مولیٰ سائیں مجھے گیارہ افراد پر داتا مقرر کیا اور میرے ہاتھ میں دیا کچھ بھی نہیں تیرے پاس بڑے خزانے ہیں اپنی مخلوق کو دینے کے لیے۔ میرے پاس کیا ہے؟ تو، تو داتا ہے۔ میں کیسا داتا؟ جب میں داتا ہی نہیں تو مجھ سے یہ اعزاز بھی لے لے مجھ سے میری مخلوق بھی لے لے۔ مجھ سے مجھے بھی لے لے۔ مجھے بھی موت دے دے اور میرے بچوں کو بھی دے دے۔" رات کے پچھلے پہر جب اللہ کے بندے اس کی بارگاہ میں آتے ہیں محبت سے آنسو بہاتے ہیں۔ اپنائیت سے گلہ کرتے ہیں۔ بڑے مان سے محبت جتاتے ہیں۔ اسی سے رحم مانگتے ہیں۔ وہ بھی کچھ مانگنے ہی آیا تھا۔ ویسے ہی جتانے شکوہ کرنے اور آنسو بہانے کے بعد پھر گناہ کیا کر دیا تھا۔"

☆......☆

اگلی صبح جب پنڈ کے اکلوتے پرچون والے نے دکان کھولی تو غلام فرید کو اپنے انتظار میں پایا۔ وہ کچھ چیزیں ادھار مانگنا چاہتا تھا۔

چاول، آٹا، گھی، چینی......

"جلدی پیسے لوٹا دینا غلام فرید۔" یہاں سے وہ پھل والے کی دکان پر آیا۔ کئی طرح کے پھل دو دن بعد پیسے دینے کے وعدے پر لیے اور قصاب کے پاس آیا۔

اچھا اچھا مرغی کا گوشت......ادھار......

لدا پھندا وہ گھر آیا تو ساری قوم حیرانی سے دیکھنے لگی۔ ان کو عید پر بھی وہ سب نہیں ملتا تھا۔ بیوی کو سالن چاول بنانے کا کہا اور خود وہ بچوں میں پھل ٹافیاں بانٹنے لگا۔

رات کے کھانے کے وقت جب اس کی بیوی برتن اکٹھے کر رہی تھی غلام فرید نے چپکے سے کھانے کے برتن کا ڈھکن اٹھایا اور اس میں وہ گولیاں ڈال دیں۔ دکاندار نے کہا کیسا تھا۔

"ان کو کیڑے تو چھوڑ کوئی انسان بھی کھا لے گا تو اگلا سانس نہیں لے گا۔"

☆......☆

گاؤں کے چوہدری کے گھر پوتا ہوا تھا۔ اس خوشی میں اس نے سارے گاؤں میں مٹھائی بانٹنے کا حکم دیا تھا۔ بس اسی حکم کی تعمیل کے لیے چوہدری کی نوکرانی اس گھر میں آئی تھی۔ جہاں کپڑے اور گتے کی چھت تلے پھٹے ہوئے ٹاٹ پر بارہ افراد اوندھے پڑے تھے۔ منہ سے جھاگ بہہ رہے تھے۔ سانسیں بند ہو چکی تھیں۔

چوہدری صاحب نے ہی ایمبولینس بلائی تھی۔ سب کو ہی شہر لایا گیا۔ دس بچے باہر اور گیارہواں بچہ ماں کے پیٹ میں مر گیا۔ بچے کی ماں بچے کے مرنے سے مر گئی۔

پر وہ نہ مر سکا۔ گیارہ بچوں کے مرنے سے بھی نہیں۔ زہر کی گولیاں نگلنے سے بھی نہیں۔ پولیس کے ہاتھوں پٹنے سے بھی نہیں۔ بے عزتی سے بھی نہیں۔ کسی بھی شے سے نہیں۔

☆......☆

بڑے دن گزرے بڑے موسم گزرے بڑی بارشیں ہوئیں اور بڑے فسانے پھیلے۔

سترہ سال کی عمر قید کاٹ کر جب غلام فرید رہا ہوا تو سب بدل گیا تھا۔ وہ خود بھی بدل گیا تھا۔ اب وہ ذات کا نائی اور پیشے کا مزدور بھکاری نہیں رہا تھا اب وہ بس غلام فرید رہ گیا تھا۔

ذات سے بھی اور پیشے سے بھی۔

☆......☆

Ridadigest.com
Ridadigest.com

کے لیے مددگار کسان، چرواہا اور اس کی بیوی کام کرنے والی ملازمہ۔ جھوٹے برتن اور کپڑے دھونے والی۔

☆......☆

برسات کے موسم میں وہ مزدور کے طور پر کام کر رہا تھا۔ سر پر گارے سے بھرا کنستر اٹھائے لکڑی کی سیڑھی پر چڑھتا اور اترتا۔

اسی چڑھنے اور اترنے میں اس کے کئی پٹھے (مسلز) چڑھ گئے اور کئی جوڑ اتر گئے۔ کام کی رفتار کم ہوئی تو کام سے ہٹا دیا گیا۔

"غلام فرید تو بیمار ہے گھر بیٹھ کچھ دن آرام کر۔ اپنا علاج کروا یہ گردے کی تکلیف کا علاج کروا ساری سردی تیری جان نہ چھوڑے گی یہ۔"

کیسا بے ہودہ مذاق تھا یہ اس مزدور سے جس کی کمائی پر دس افراد پلتے تھے وہ آرام کرتا تو دنیا [illegible] کیسے کرتی۔ وہ بھی درد بھلائے چھوٹے موٹے کام کرتا رہا۔ ساری سردی گردے کے درد نے اس کی جان نکالے رکھی۔

دو مہینے بعد اس کی بیوی نے دو جڑواں بچوں کو جنم دیا۔ آٹھ سے دس اور دس سے بارہ ہو گئے وہ بچے بڑھ گئے۔ بچوں کی خوراک بڑھ گئی لیکن اس کی کمائی گھٹ گئی۔ ایسے ہی جیسے حساب کے سوال ہوتے ہیں۔

"غلام فرید کی کمائی پہلے دس اور اب پانچ رہ گئی ہے اگر اس کے بچے دس سے پندرہ ہو گئے ہیں تو ان میں کون سی نسبت پائی جاتی ہے؟ حل کیجیے!"

"در فٹے منہ! ایسے سوالوں کا ایسے جوابوں کا۔"

غلام فرید بیچارہ پائی پائی کو محتاج ہو گیا۔ گاؤں والوں سے پائی پائی مانگنے لگا۔

"اللہ کے نام پر مولی کے نام پر سائیں کے بچے جیئیں سائیں کو بھاگ لگیں......" وہ اور اس کے دس بچے ہر صبح کشکول لیے گلیوں میں صدائیں دیتے پھرتے اور ہر رات جمع ہوئے سکوں پر ایک دوسرے کے گلے کو آتے۔

☆......☆

غلام فرید ہر جمعہ کے دن مولوی صاحب کی تقریر سنتا۔ وہ بتاتے کہ اللہ سائیں بہت بڑا ہے۔ بڑا بے مثال ہے اس کے بہت خزانے ہیں اور یہ جو دنیا والوں کے پاس خزانے ہیں یہ اسی کے ہی دیئے ہوئے ہیں۔ وہ ذات کا نائی اور پیشے سے بھکاری اس بے مثال سے بے مثال خزانے مانگتا۔

مولوی صاحب بتاتے کہ وہ سات آسمانوں اور زمینوں کا رازق ہے۔ وہ پتھر میں بھی کیڑوں کو رزق دیتا ہے ایسے میں وہ مفلس آدمی سوچتا کہ کیا وہ اور اس کے دس بچے پتھر کے کیڑوں سے بھی بدتر ہیں؟ ان کے حصے کا رزق کسی پتھر میں قید کر دیا گیا ہے؟

مولوی صاحب بتاتے کہ وہ پالن ہار ہے۔ وہ سب کا [illegible]تا ہے اور وہ انسان آسمان پر نظریں ٹکائے اسی کو سوچتا رہتا اس سے شکوے شکایتیں کرتا اور خود کو [illegible] رہتا

خود کو گالیاں [illegible] خود کو لعنتیں ڈالتا، خود کو بد دعائیں دیتا۔ پورے [illegible] دل سے اپنے لیے بددعائیں مانگتا۔ ایسی ہی ایک رات جب غلام فرید کی اولاد ایک دوسرے سے لڑ مر کر دو [illegible] لے کھا کر سو گئی تو وہ گھر سے نکل آیا ننگے پیر چلتا وہ مسجد آ گیا۔

مولوی صاحب بولتے تھے۔ رات کا وقت بڑا مبارک وقت ہوتا ہے۔ اس وقت وہ اوپر والا بہت نزدیک سے دعائیں سنتا ہے تبھی وہ اسے سنانے آ گیا تھا۔

اس مالک الملک کے گھر کی چوکھٹ پر بیٹھ کر غلام فرید نے بڑے شکوے کیے۔ اپنے رب سے بڑے گلے کیے۔ اسے بڑی شکایتیں تھیں اس سے اس کے اندر بڑی بھڑاس تھی جو اس نے نکالی تھی اس نے بڑے آنسو بہائے، بڑی فریادیں کیں بڑی

سسکیاں لیں۔

پھر اس نے خود سے شکوے کیے پھر اس نے خود کو گالیاں دینی شروع کیں۔ اس نے خود کو لعنت بھیجی۔ خود کو کوسا اور خود کو طعنے دیے۔ اپنے سر پر ہاتھ مارے اور مارتا چلا گیا۔

"تو نے مولی سائیں مجھے گیارہ افراد پر داتا مقرر کیا اور میرے ہاتھ میں دیا کچھ بھی نہیں تیرے پاس بڑے خزانے ہیں اپنی مخلوق کو دینے کے لیے۔ میرے پاس کیا ہے؟ تو، تو داتا ہے۔ میں کیسا داتا؟ جب میں داتا [illegible] تو مجھ سے یہ اعزاز بھی لے لے مجھ سے میری مخلوق [illegible] لے۔ مجھ سے مجھے بھی لے لے۔ مجھے بھی [illegible] دے دے اور میرے بچوں کو بھی دے دے۔ رات کے [illegible] پہر جب اللہ کے بندے اس کی بارگاہ میں [illegible] محبت سے آنسو بہاتے ہیں۔ اپنائیت سے گلہ کرتے ہیں۔ بڑے مان سے محبت جتاتے ہیں۔ اسی سے رحم مانگتے ہیں۔ وہ بھی کچھ مانگنے ہی آیا تھا۔ ویسے ہی جتانے شکوہ کرنے اور آنسو بہانے کے بعد پھر گناہ کیا کر دیا تھا۔"

☆......☆

اگلی صبح جب پنڈ کے اکلوتے پرچون والے نے دکان کھولی تو غلام فرید کو اپنے انتظار میں پایا۔ وہ کچھ چیزیں ادھار مانگنا چاہتا تھا۔

چاول، آٹا، گھی، چینی......

"جلدی پیسے لوٹا دینا غلام فرید۔" یہاں سے وہ پھل والے کی دکان پر آیا۔ کئی طرح کے پھل دو دن بعد پیسے دینے کے وعدے پر لیے اور قصاب کے پاس آیا۔

اچھا اچھا مرغی کا گوشت......ادھار......

لدا پھندا وہ گھر آیا تو ساری قوم حیرانی سے دیکھنے لگی۔ ان کو عید پر بھی وہ سب نہیں ملتا تھا۔ بیوی کو سالن چاول بنانے کا کہا اور خود وہ بچوں میں پھل ٹافیاں بانٹنے لگا۔

رات کے کھانے کے وقت جب اس کی بیوی برتن اکٹھے کر رہی تھی غلام فرید نے چپکے سے کھانے کے برتن کا ڈھکن اٹھایا اور اس میں وہ گولیاں ڈال دیں۔ دکاندار نے کہا کیسا تھا۔

"ان کو کیڑے تو چھوڑ کوئی انسان بھی کھا لے گا تو اگلا سانس نہیں لے گا۔"

☆......☆

گاؤں کے چوہدری کے گھر پوتا ہوا تھا۔ اس خوشی میں اس نے سارے گاؤں میں مٹھائی بانٹنے کا حکم دیا تھا۔ بس اسی حکم کی تعمیل کے لیے چوہدری کی نوکرانی اس گھر میں آئی تھی۔ جہاں کپڑے اور گتے کی چھت تلے پھٹے ہوئے ٹاٹ پر بارہ افراد اوندھے پڑے تھے۔ منہ سے جھاگ بہہ رہے تھے۔ سانسیں بند ہو چکی تھیں۔

چوہدری صاحب نے ہی ایمبولینس بلائی تھی۔ سب کو [illegible] شہر لایا گیا۔ دس بچے باہر اور گیارہواں بچہ [illegible] کے پیٹ میں مر گیا۔ بچے کی ماں بچے کے مرنے [illegible]۔

پر وہ نہ مر سکا۔ گیارہ [illegible] نے سے بھی نہیں۔ زہر کی گولیاں نگلنے سے [illegible] نہیں۔ پولیس کے ہاتھوں پٹنے سے بھی نہیں۔ بے عزتی سے بھی نہیں۔ کسی بھی شے سے نہیں۔

☆......☆

بڑے دن گزرے بڑے موسم گزرے بڑی بارشیں ہوئیں اور بڑے فسانے پھیلے۔

سترہ سال کی عمر قید کاٹ کر جب غلام فرید رہا ہوا تو سب بدل گیا تھا۔ وہ خود بھی بدل گیا تھا۔ اب وہ ذات کا نائی اور پیشے کا مزدور بھکاری نہیں رہا تھا اب وہ بس غلام فرید رہ گیا تھا۔

ذات سے بھی اور پیشے سے بھی۔

☆......☆

ریاض حسین اس کے پنڈ سے تھا اور اس کے باپ کا جگری دوست بھی۔ غلام فرید کو یاد تھا جب وہ اپنے خاندان کے ساتھ امریکا چلا گیا تھا۔ ایک دو دفعہ خیر خبر آئی اور اس کے باپ کے مرنے کے بعد یہ سلسلہ بھی ختم ہوگیا۔

آج وہی ریاض حسین اس کے سامنے تھا۔

کسی حادثے میں اس کا سارا خاندان ختم ہو چکا تھا۔ اپنی بے تحاشا جائیداد کے ساتھ وہ اکیلا رہ گیا تھا تو اب اچانک اسے غلام فرید کی یاد آئی تھی۔

”پتر! آج سے سب تیرا“

ریاض حسین نے آخری ہچکی لیتے ہوئے کہا تھا۔

☆......☆

بیالیس سالہ غلام فرید چک 512 سے لاہور آیا تھا اور لاہور سے امریکا۔ درمیان میں سات سمندر تھے۔ درمیان میں سترہ سال تھے۔ درمیان میں بارہ لاشیں تھیں، نیویارک کی مشہور شاہراہ کے کنارے ایستادہ اس کی چمکتی دمکتی 120 منزلہ عمارت کے آفس میں وہ سربراہی کرسی پر بیٹھا تھا اور اس کا سیکریٹری اسے اس کی جائیداد بینک اکاؤنٹس کاروبار اور پیسے کے بارے میں بتا رہا تھا۔

اور وہ سب حساب کتاب سے بھی زیادہ تھا۔ بلاشبہ وہ اتنی مالیت کا مالک بن چکا تھا کہ جسے گننے میں اسے اپنے ماضی کے 42 سال درکار تھے۔ وہ پیسہ اس کی سات نہیں ستر پشتوں کے لیے کافی تھا۔ ذات کا نائی غلام فرید کھرب پتی سے بھی آگے کچھ ہو چکا تھا۔

☆......☆

زندگی چلتی رہی۔ زندگی کو چلتے رہنے کا ہی حکم تھا۔ غلام فرید بھی چلتا رہا۔ اسے بھی چلتے رہنے کا حکم تھا۔ ماضی اب اسے آہستہ آہستہ بھولنے لگا تھا۔

شادی کرلی، زندگی مکمل ہونے والی تھی۔ جب اسے اس کی بیوی نے میڈیکل رپورٹ دکھائی، وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی تھی۔

اس لمحے غلام فرید کو بھولے ماضی کی ہلکی سی جھلک دکھائی دی۔ ایک دھندلی سی یاد کہ گندے مندے دس بچے لڑ رہے ہیں۔

اسی نے دوسری شادی کرلی۔ بہت جلد وہ باپ بننے والا تھا اور وہ باپ بن بھی گیا۔ دو مردہ بچوں کا۔ اگلے سال وہ پھر باپ بن گیا۔ ایک مردہ بچی کا۔ وہ کانپ کر رہ گیا۔

تیسری چوتھی شادی کرلی۔ دو سال بعد پھر سے جڑواں بچے ہوئے چار اور چھ ماہ کے وقفے سے مر گئے۔ پھر سے دو بچے ہوئے جو دو دو ماہ کے وقفے سے مر گئے۔ دو سال بعد ایک بچہ ہوا اور چار ماہ بعد مر گیا۔

تب غلام فرید کے ذہن میں موجود دھندلی تصویر واضح ہوگئی۔

☆......☆

پچاس سالہ غلام فرید نے دو بچے ایڈاپٹ کرلیے۔ ایک دن وہ آفس میں تھا جب اس کی گھبرائی ہوئی بیوی کا فون آیا۔ دو بچوں میں سے بڑا والا خون کی الٹیاں کر رہا تھا۔ وہ اسپتال کی طرف بھاگے۔

ادھر ڈاکٹر نے اطلاع دی کہ بچے کو نہیں بچا سکے اور ادھر ملازمہ نے اطلاع دی کہ دوسرا بچہ کچن میں آگ لگنے سے جل چکا ہے۔

دو ماہ بعد غلام فرید نے ایک بچی ایڈاپٹ کی۔ دو ماہ بعد وہ کار کے نیچے آگئی۔ چھ ماہ بعد غلام فرید ایک بچے کا باپ بنا چھ ماہ بعد وہ بھی ختم ہوگیا۔

☆......☆

نیویارک کے یتیم خانوں کے مالکان نے اس سے معذرت کرلی۔ وہ اب کوئی بچہ ایڈاپٹ نہیں کر سکتا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اسے شاید کوئی بددعا ہے، اس کے ہاں بچے اسی لیے نہیں جیتے۔

اسی رات غلام فرید نے خواب میں اپنے دل

بچوں کو دیکھا۔ وہ دس بچے جو جنت کے باغوں میں مزے سے تھے۔ اس رات غلام فرید نے جاگتے میں خود کو دیکھا۔ وہ چوہے مار گولیاں خریدتے ہوئے جن کے بارے میں اس کا مالک کہہ رہا تھا کہ...... ہاں وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔

☆......☆

اس دن کے بعد پھر غلام فرید کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی اور نہ ہی اس نے کوئی بچہ ایڈاپٹ کیا۔ کچھ دنوں بعد وہ ایک یتیم خانے میں گیا۔ بہت سے تحائف لے کر بہت سے بچوں سے ملا۔ پیار کیا۔ اچھا وقت گزار کر واپس آیا۔

کچھ دنوں بعد جب وہ دوبارہ وہاں آیا تو چوکیدار نے اسے اندر نہیں جانے دیا۔

”آئی ایم سوری سر لیکن یہ ہمارے بچوں کی سلامتی کا معاملہ ہے۔ پچھلی ملاقات میں آپ اٹھارہ بچوں سے ملے تھے اور اب وہ سب انتہائی تکلیف میں ہیں۔ دو کی حالت انتہائی خطرے میں ہے۔“

یتیم خانے کے مالک نے انتہائی افسردگی سے بتایا تو وہ خاموشی سے باہر نکل آیا۔ یونہی بے مقصد سڑکوں پر پھرتا رہا۔

کیوں؟ کیوں؟ کیوں؟

وہ جواب کھوجتا رہا۔ اسے سوال ستاتا رہا۔ وہ راتوں کو ڈر جاتا۔ اسے دن کی روشنی میں بھی اکثر کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔

☆......☆

جمعہ کے دن وہ مسجد میں آیا تھا۔

کوئی اسکالر تھے جو کچھ بیان کر رہے تھے۔ انہوں نے بہت سی باتیں بتائیں جو غلام فرید نے بے توجہی سے سنیں۔ بس ایک بات تھی جو اس کے دل پر آ لگی تھی۔

ذات کے نائی اور پیشے سے بزنس مین غلام فرید کو جس سوال کا جواب مطلوب تھا، اسے وہ مل گیا تھا۔

”اللہ پاک فرماتے ہیں اپنی اولاد کو بھوک کے ڈر سے قتل مت کرو۔“

غلام فرید خاموشی سے اٹھا اور باہر نکل آیا۔ سالوں پہلے کی وہ رات یاد آگئی جب وہ ایسے ہی خدا کے گھر آیا تھا۔ خدا سے بات کی تھی اور اپنی بات بتائی تھی۔ تب اس نے سوچا تھا کہ گناہ کیا ہوا۔

اب اس نے سوچا تھا کہ گناہ کیا ہوا۔

خدا کو اس کے گلے شکوے نے برہم نہیں کیا تھا بلکہ خدا کو اس کی خود کو دی بددعا نے برہم کیا تھا۔

☆......☆

نیو ایئر کی رات تھی۔

ادھر بارہ بجے، ادھر شور مچا تھا۔ کیک کے لیے۔ ہیپی نیو ایئر کے نعرے اٹھے۔ آتش بازی، غبارے، قندیلیں......!

وہ اس اونچی عمارت کی چھت پر کھڑا وحشت سے آسمان کو دیکھ رہا تھا۔

وہ غلام فرید تھا۔

ذات کا نائی اور پیشے سے بزنس مین۔

وہ وہی غلام فرید تھا۔

ذات کا کھوٹ اور مفلسوں میں سب سے مفلس۔

ہاں وہی غلام فرید۔

جس نے خود کو دانا سمجھا اور اپنی مخلوق کو قتل کردیا۔

آزمائش سب پر اتاری جاتی ہے۔ یہ اہم نہیں ہوتا۔ آزمائش کا وقت کیسے گزارا گیا۔ یہ اہم ہوتا ہے اور بس یہی دیکھا جاتا ہے باقی رہا انعام تو وہ تو سب کو ہی مل جاتا ہے۔

اس عمارت کی چھت پر کھڑا انسان اس وقت مفلس نہیں تھا جب اس کی جیب خالی تھی۔ وہ اب مفلس تھا جب اس کی گود خالی تھی۔

......☆......

Ridadigest.com
Ridadigest.com

شازیہ مصطفیٰ عمران

سلسلے وار ناول

زندگی پھول محبت خوشبو

''ابو! آپ واقعی سچویشن نہیں سمجھ رہے ہیں۔ امی کے لیے اچانک سے یہ سب قبول کرنا مشکل ہوگا۔ امی کو پہلے اعتماد میں لیجیے پھر بھی کوئی اگلا قدم اٹھائیے۔'' حمزہ نے اپنی عمر سے کئی زیادہ سمجھداری دکھائی۔

شکیل احمد ایک لمحے کو پرسوچ ہو گئے کیونکہ اس نے کہا ٹھیک ہی تھا شاید پہلے ہی ٹوٹی اور بکھری ہوئی تھیں انہیں پہلے سمجھانا ہوگا۔

''میں اپنی بیٹی کو یوں تنہا دوبارہ نہیں چھوڑنا چاہتا۔''

''ابو! وہ آپ کی ہی بیٹی نہیں ہماری بھی بہن ہے۔'' حمزہ کی تو انجانے میں کی گئی دعائیں مستجاب ہو جائیں گی، اسے یقین نہیں آ رہا تھا مگر اسے اپنی ماں کا بھی خیال تھا۔

''آپ کچھ عرصے کے لیے آپی کو پھپھو کے گھر شفٹ کر دیں۔''

فہر تو اچھل ہی گیا حمزہ نے کتنی آسانی سے کہہ دیا تھا اور فہر نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا۔

''نہیں، نہیں میں وہاں نہیں شفٹ کر سکتا۔'' شکیل احمد کو یہ مناسب نہیں لگ رہا تھا کیونکہ ان کی بہن اور

قسط نمبر 18

بہنوئی کے لیے بھی یہ خبر جھٹکے سے کم نہیں تھی۔

''ماموں جان! حمزہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' جھٹ فہر نے بھی تائید کہا۔

''نہیں بیٹا! زہرہ کیا سوچے گی اور رحمان علی، وہ کیا سوچیں گے۔''

''امی آپ کی بہن ہیں وہ آپ کو اچھی طرح سمجھتی ہیں آپ امی سے بات کریں۔''

ضیاء کو بھی یہ معقول لگ رہا تھا وہ بھی شامل گفتگو ہو گیا۔ شام میں فہر، زہرہ کو ہوسپٹل لے آیا وہ تو خود بھائی کی اس خفیہ شادی پر حیران اور پریشان تھیں۔ شکیل احمد اور زہرہ ہوسپٹل کے کوریڈور میں بیٹھے گفتگو میں الجھے ہوئے تھے۔

فہر کی بے چین نگاہیں ان دونوں پر تھیں اس کی بھی پوری کوشش تھی نیل فر اس کے گھر آ کے رہے تا کہ امی بھی اسے جان اور سمجھ لیں گی اور خود فہر کے دل کو سکون وقرار تو رہے گا وہ اس کی نگاہوں کے سامنے رہے گی۔ شکیل احمد نے زہرہ کو ایران کے وزٹ کا بتایا نیل فر کی ماں سے کیسے حالات میں ملاقات ہوئی اور پھر ان کی موت نیل فر کو بچپن سے انگلینڈ میں ہی رکھا ہوا تھا۔ رانی کی موت سے پہلے وہ اسے پاکستان لے آئے تھے کیونکہ شکیل احمد کا انگلینڈ بار بار جانا بشکل ہو رہا تھا یہاں بھی ان کی بیوی اور بچے تھے۔

''میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔''

''بھائی جان! بھابی کیسے قبول کریں گی میں تو آپ کی بہن ہوں۔'' زہرہ سب سننے کے بعد گویا ہوئیں۔

''ثریا کو مجھے منانا ہوگا مگر میں اپنے گھر کے تلخ ماحول میں اپنی بیٹی کو نہیں لے جانا چاہتا تمہیں اسے دور رکھنا ہوگا۔'' وہ حسرت بھرے لہجے میں گویا ہوئے۔

''وہ تو ٹھیک ہے۔''

''اگر رحمان کا مسئلہ ہے تو رہنے دو۔'' وہ جیسے کچھ سمجھ کر بولے۔

''ایسی کوئی کہانی نہیں ہے وہ کچھ کیوں کہیں گے۔'' انہوں نے شکیل احمد کے ہاتھ پکڑے۔

''نیل فر میرا خون ہے اور میری بھتیجی ہے میں اس کا مکمل خیال رکھوں گی۔'' وہ مسکرا کے گویا ہوئیں۔

''نیل فر سے میں مل تو لوں۔'' انہیں خوشی تو تھی ہی مگر اپنی بھاوج کی بھی فکر تھی۔

زہرہ شکیل احمد کے ساتھ نیل فر کے روم کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

فہر جھٹ آگے آیا۔

''میں نیل فر سے مل کے آ رہی ہوں پھر گھر چلتے ہیں۔'' انہوں نے فہر سے کہا۔

وہ سر ہلا کے وہیں رک گیا کیونکہ اسے اندازہ ہو گیا تھا امی مان گئی ہیں۔

☆......☆

مہندی کے بعد کا ایک دن اتنی تیزی سے گزرے گا اس نے سوچا نہیں تھا۔ لمحات گزرتے جا رہے تھے دل کی دھڑکنیں بڑھتی جا رہی تھیں گھبراہٹ سے اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اسٹائلش برائیڈل ڈریس میں میچنگ جیولری اور میک اپ میں وہ کوئی ماورائی مخلوق لگ رہی تھی۔ امی نے تو جھٹ اس کی نظر اتاری تھی ابو نے اسے ڈھیروں پیار کیا مگر ان کی آنکھوں کی اداسی اور نمی واضح تھی۔

''آپ دونوں تو اداس ہونے لگے ارے آپی اوپر کے پورشن سے نیچے کے پورشن میں جا رہی ہیں کوئی نہیں۔'' ثمرہ نے ذرا شوخ سے لہجے میں ماحول کی اداسی دور کی۔

''یہ آج سے پرائی ہو جائے گی ہمارا اس پر وہ حق نہیں رہے گا جیسے ابھی ہے کیونکہ یہ اب شوہر کی پابند ہو جائے گی۔'' ناہید نے اپنی آنکھوں کی نمی آنچل کے کونے سے صاف کی۔

منیر احمد بھی لب بھینچ کے رہ گئے اور آریکہ اس کا دل تو لگ رہا تھا کہ بکھرا جا رہا ہے۔ ماں و باپ اور بہن کو چھوڑ کے جانے کا غم بھی تھا۔

''پھر ٹھیک ہے میں شادی نہیں کروں گی۔'' ثمرہ نے ناہید کے شانے پر مسکراتے ٹھوڑی ٹکائی۔

''زیادہ فضول نہیں بکا کرو۔ بیٹیاں ماں باپ کے لیے ذمہ داری فرض اور امانت ہوتی ہیں یہ ادا کرنا ہوتا ہے۔'' منیر احمد گویا ہوئے۔

''ابو آپ لوگ تو اداس بھی تو ہونے لگے ہیں۔''

''ہماری دو ہی بیٹیاں ہیں ان کے رخصت ہونے کی اداسی ہوتی ہے اور پھر یہ خوشی بھی ہوتی ہے آج ہم نے بیٹی کو اس کے گھر رخصت کر دیا۔''

آریکہ کی پلکوں کی جھالر نمی کے بوجھ سے لرز رہی تھی ثمرہ نے ٹشو سے نمی صاف کی۔

''میرے خیال میں سین لمبا ہو گیا ہے۔ ہم لوگوں کو بارات کا بھی استقبال کرنا ہے۔'' ثمرہ نے اداسی کو دور کیا۔

تینوں شادی ہال کے ڈریسنگ ہال میں آریکہ کے پاس آئے تھے۔ مہمان آنے شروع ہو گئے تھے۔ بارات بھی روانہ ہو چکی تھی یہ خبر آریکہ کو مل گئی تھی۔

اس کی کزن مونا اس کے پاس ہی تھی دل کی دھڑکنیں بے قابو تھیں۔ عجیب حالت تھی کچھ ہی لمحوں میں سب کچھ پرایا ہو جائے گا اور اس شخص کی پابند ہو جائے گی جس نے اسے کبھی دل سے اہمیت دی ہی نہیں تھی اور یہ شادی بھی وہ صرف اپنے مطلب کے لیے کر رہا تھا محبت اور پیار تو اس کے دل میں تھا ہی نہیں۔ اور وہ کتنی بے وقوف تھی جو اسے اول روز سے دل میں جگہ دے چکی تھی۔ چاہا دل سے نکال دے مگر یہ دل کب کسی کے بس میں آیا ہے۔

بارات کا شور ہوا اور پھر نکاح کا ناہید اور منیر احمد اندر آ گئے تھے اس کی کزنز اور حرا بھی اندر آ گئی تھی ایجاب وقبول اس نے سب کی موجودگی میں کیا تھا اور پھر وہ خوب روئی۔

ثمرہ اسے چپ کراؤ سارا میک اپ خراب ہو رہا ہے۔'' ناہید کو اس کے میک اپ کی بھی فکر تھی۔

''آپ کو میرے میک اپ کی فکر ہے، میری نہیں۔'' آریکہ کی روتی ہوئی بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

''آریکہ باجی میرے بھائی کے پاس جانے تک تو آپ کا میک اپ خراب ہو جائے گا کچھ تو خیال کریں میرے بھائی کا۔'' حرا نے اس کے حنائی نرم نرم ہاتھوں کو تھاما۔

''اپنے بھائی کی فکر ہے۔''

''نہیں آپ کی تو سب سے زیادہ ہے۔'' اس نے آریکہ کے بولنے پر مسکرا کے کہا۔

کچھ ہی دیر میں وہ کزنز اور ثمرہ کی ہمراہی میں اسٹیج پر لا کے بٹھا دی گئی تھی اس کی ساس نے تو اسے خوب پیار کیا آریکہ کی نگاہ تک نہیں اٹھ رہی تھی شرم و جھجک اور گھبراہٹ اس پر سوار تھی۔

جدید طرز پر بنائی جانے والی مووی تصویروں سے کوفت ہو رہی تھی۔

یہ مووی میکر بھی زیادہ ہی رنگین مزاج تھا جو اسے بار بار حنین کے قریب جانے کی ہدایت کیے جا رہا تھا اور

Ridadigest.com

حنین سے اس کی ناگواری اور نخوت چھپی نہیں تھی۔ پورے ہال کی لائٹس آف کردی گئی تھیں اور رومینٹک سونگ چل رہا تھا۔ حنین کے ہاتھ میں اس کا نازک حنائی ہاتھ تھا جو وہ چھڑانے کی کئی دفعہ کوشش کر چکی تھی۔

''ساری زندگی کے لیے یہ ہاتھ تھاما ہے کبھی نہ چھوڑنے کے لیے۔'' اس نے آریکہ کے کان میں خاصے لگاؤ اور شوخی سے سرگوشی کی تھی۔

وہ تو سرتاپا سلگ ہی گئی تھی مگر جگہ اور موقع کی نزاکت کی وجہ سے ہونٹوں پر قفل پڑے تھے۔

مووی میکر تو اپنی کیے جارہا تھا اور وہ بے زاری سے نگاہ جھکائے ہوئے تھی۔

''چھوڑیئے ہاتھ۔'' دانت پیس کے وہ بھی بولی۔ ایک دم ساری لائٹس آن کردی گئی تھیں اور وہ جیسے چونک گئی تھی۔

''غصہ لگتا ہے ختم نہیں ہوا۔'' تصویریں بھی بن رہی تھیں اور وہ پھر چپ ہی رہی تھی۔ مووی تصویروں کا سیشن ختم ہوا تو آریکہ نے سکھ کا سانس بھرا۔ ڈنر شروع ہوگیا تھا۔

اسٹیج پر ہی دلہا دلہن کے لیے کھانا لگا دیا گیا تھا۔ حرا اور ثمرہ بھی ساتھ تھیں آریکہ سے کھایا ہی نہیں جارہا تھا۔ کیونکہ حنین جو اتنا چپک کے بیٹھا ہوا تھا۔

''حنین بھائی میری آپی سے کھانا کھایا نہیں جارہا ہے آپ گھر جاکے کھلا دیجیے گا۔'' ثمرہ نے کہا۔

''بے فکر رہو کھلا دیا جائے گا۔'' وہ بیٹھا تھا۔ ناہید اسٹیج پر آگئی تھیں۔ ڈنر کے بعد دیگر رسموں کا سلسلہ چل نکلا تھا اور پھر بارہ بجے سے پہلے ہی رخصتی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ آریکہ کے تو ہاتھ پیروں میں ایسا لگتا تھا جان ہی نہ ہو وہ رو رہی تھی ناہید اور منیر احمد کے گلے لگ کے۔

''ناہید تم فکر نہیں کرو آریکہ میری بیٹی ہے اسے بہت لاڈ سے رکھوں گی۔''

حنین کو وہ آریکہ کا سجا سنورا روپ اتنا دلکش لگ رہا تھا کہ وہ اپنے دل کے جذبات اور ارمان کو دبا کے رکھے ہوئے تھا کچھ لمحوں کے بعد وہ اس کی ہمراہی میں ہوگی مگر جانے کیسے موڈ کے ساتھ ہوگی۔

ضرور اس کے تیور بگڑے ہوئے ہی ہوں گے۔ وہ سب کی دعاؤں کے ساتھ رخصت ہوگئی تھی حسن نے آگے چل کے حنین اور آریکہ کے لیے گاڑی کا ڈور کھولا۔

وہ مشکلوں سے اپنا منوں وزنی لباس سنبھالتی ہوئی بیٹھ گئی تھی اور حنین بھی ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ حرا دوسری سائیڈ پر آکے بیٹھ گئی تھی۔

''ناہید اور منیر بھائی اجازت دیں۔'' اس کی ساس نے ان سے سلام ودعا کے بعد اجازت لی تھی ثمرہ بھی ایک طرف کھڑی آنسو صاف کررہی تھی بہن جارہی تھی۔

☆......☆

صنوبر کا شادی ولیمہ گزرتے ہی سب ہی اپنی تھکن اتار رہے تھے اور ماہا وہ بھی تین دن سے یونیورسٹی نہیں جارہی تھی۔

''ارے کیا تم سب سوسو کے نحوست پھیلا رہے ہو۔'' دادی جان سے برداشت نہ ہوا تو رات کو کھانے کے بعد سب کی ہی کھنچائی کردی تھی۔

''دادی جان شادی کے فنکشن کم تھکانے والے نہیں تھے۔'' ثناء نے برجستہ کہا۔

''تو تو چپ کر، تیری ماں نے تیرے دو دو نام رکھ کے تیری مت ہی ماردی ہے ثناء بولوں کہ حیاء۔''

کے دو دو ناموں سے چڑتی تھیں۔

''آپ کو کونسا اچھا لگتا ہے۔'' وہ مسکرا کے ان کے ساتھ آکے بیٹھ گئی۔

''مجھے تو ثناء اچھا لگتا ہے۔'' وہ گویا ہوئیں۔

''خبردار! جو تم لوگوں نے اپنی اولادوں کے دو دو نام رکھے تو۔'' انہوں نے شہزیل اور شہیر کو دیکھ کے کہا۔

شہزیل نے تو جھینپ کے پہلو بدلا جب کہ شہیر مسکرا کے خلاف توقع اسے دیکھ رہا تھا۔

''دادی جان! مجھے بھی دو دو نام اس کے بہت برے لگتے ہیں۔'' شہیر نے ثناء کے سر پر چپت لگائی۔

''ماہا! صنوبر کی کال ہے۔'' بشریٰ نے اس سے کہا جو ڈائننگ ٹیبل سے برتن اٹھا رہی تھی۔

''اسے تو موقع ملنا چاہیے ہاتھ چلانے کا۔'' ثناء نے بھی جواب میں شیراز کے دھپ لگائی۔

''تم برتن اٹھاؤ جلدی جلدی۔'' رخشندہ نے دونوں کو ہی خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔

وہ ساس کے سامنے ویسے بھی چاہتی تھیں ایسی ویسی کوئی بات نہ ہو انہیں پھر موقع مل جاتا تھا سنانے کا۔

''ارے نصیر احمد شہیر کے لیے بھی کہیں رشتہ چلاؤ۔'' شہیر تو اچھل گیا۔

''جی، جی اماں! ذرا ابھی صنوبر سے فارغ ہوئے ہیں پھر دیکھتے ہیں۔'' انہوں نے سعادت مندی سے سر ہلایا۔

رخشندہ اور بشریٰ ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ شہزیل اور شہیر نے بھی پہلو بدلا۔

''ارے رخشندہ تم کسی لڑکی کا ذکر کررہی تھیں جس کے گھر بھی گئی تھیں۔'' اماں جی کی بھی یادداشت کبھی کبھی کام کر جاتی تھی مگر ابھی ان کے علم میں نہیں تھا ان کا ارادہ کیا ہے۔

''جی اماں جی مگر ابھی ہم نے بات نہیں کی ہے اس لڑکی کے گھر والوں سے۔'' انہوں نے جھٹ وضاحت دی۔

''خاندان کون ہے کیسا ہے کہیں الٹے سیدھے لوگوں میں ہمارے لڑکے کا رشتہ نہیں کردینا۔'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کے کہا۔

شہزیل کو جانے ایسا لگا یہ واضح اشارہ اور طنز اس پر ہے کیونکہ وہ ماہا اور ان کے رشتے پر خوش کب تھیں بس خاموش ہوگئی تھیں۔ منیب احمد کے سمجھانے پر۔

''اماں جی! گھر والے بہت اچھے ہیں لڑکی پڑھی لکھی ہے۔''

''دادی جان شادی پر آئی تو تھی۔ آپ سے ملی بھی تھی۔'' ماہا نے شوخی سے کہا اور معنی خیز نگاہوں سے شہیر کو مسکرا کے دیکھنے لگی تھی۔

''ہاں، ہاں یاد آیا۔'' انہوں نے سر ہلایا۔

''پھر احمد جلدی لڑکے کے بارے میں سوچو ورنہ یہ الٹے سیدھے چکروں میں پڑ جاتے ہیں۔''

''دادی جان! ہمارا گھر کا کوئی لڑکا بھی ایسا نہیں جو الٹے سیدھے چکروں میں پڑے۔'' ماہا ان کے پاس ہی آکے بیٹھ گئی۔

''تیری تو زبان چلتی رہتی ہے۔ اماں باوا نے سر ہی اتنا چڑھا لیا ہے۔'' وہ ناگواری سے گویا ہوئیں۔

شہزیل نے دیکھا وہ پھر بھی مسکرا دی تھی۔

''منیب احمد کچھ سوچا اس کے بارے میں ایسے ہی انتظار میں بوڑھا کردینا اپنی بیٹی کو، ارے کہیں دوسری

Ridadigest.com

جگہ دیکھ کے کر دو کب تک اس لڑکے کے سہارے پر بیٹھے رہو گے۔" دادی جان نے یکدم ہی ایسا کہا، سارے ہی حواس باختہ سے رہ گئے جب کہ شہزیل تیزی سے اٹھ کے وہاں سے چلا گیا سب نے ہی اس کا دھواں ہوتا چہرہ دیکھ لیا تھا۔

"آپ پریشان نہیں ہوں، ہوجائے گی اس کی بھی شادی۔" منیب احمد ماحول کی تلخی کو دور کرنے لگے۔

"ارے کب تک اس لڑکے کے چکر میں پڑے رہو گے جانے اس کے گھر والے ملتے بھی ہیں یا نہیں ہماری لڑکی تو بوڑھی ہوجائے گی۔"

ماہا کو بھی اتنا شدید دکھ و افسوس ہوا وہ آنکھوں میں نمی لیے اٹھ گئی کیونکہ یہ شہزیل کی تضحیک تھی جو دادی جان ایسا کہہ رہی تھیں۔

بشریٰ اس کے پیچھے پیچھے روم میں آگئی تھیں۔ ماہا بیڈ پر دونوں پاؤں سمیٹے رو رہی تھی۔

"ماہا......"

"امی! آخر دادی جان کیوں شہزیل کو حقیر سمجھتی ہیں اور سن لیں کان کھول کے مجھے کسی سے بھی شادی نہیں کرنی میں شہزیل کے علاوہ کسی اور کو سوچنا بھی نہیں چاہتی۔" وہ رو دی تھی۔

منیب احمد نے بھی چوکھٹ پر رک کے اس کی یہ بات سنی تھی۔

"دادی جان! بڑی ہیں وہ تو ہر اچھا اور برا سمجھتی ہیں پھر کیوں دل دکھانے کی بات کرتی ہیں۔"

"بیٹا! تمہاری دادی جان ایسا کچھ غلط کہہ بھی نہیں رہی ہیں۔" منیب احمد نے اندر آ کے ان کی حمایت میں کہا۔

بشریٰ اور ماہا دونوں ہی چونک گئی تھیں۔

"آپ سب جانتے تو ہیں شہزیل کے بارے میں۔"

"میں اس سے بات کرتا ہوں۔" جانے کیوں انہیں بھی اماں جی کی بات دل کو لگی تھی! اپنی بیٹی کے ساتھ کچھ غلط ہو وہ برداشت بھی نہیں کر سکتے تھے۔

"آپ کوئی بات نہیں کریں گے۔" اس نے تیز لہجے میں کہا۔

"بیٹا! تمہارے بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"امی! زبردستی اسے راضی کر کے شادی کروائیں گے تو یہ تو اچھا نہیں ہوگا وہ سمجھے گا ہم اس سے احسانوں کا بدلہ چاہ رہے ہیں اور مجھے یقین ہے وہ مان بھی جائے گا مگر میں زبردستی کا رشتہ نہیں مانتی اس کے دل میں میرے لیے جگہ ہوگی تو وہ خود کہے گا اور مجھے اس وقت کا انتظار ہے۔"

"چاہے یہ انتظار زندگی بھر کا ہوجائے۔" بشریٰ کے لہجے میں حسرت تھی۔

"لیکن بابا کسی کو حقیر سمجھنا اور ذات پات کی تعریف کرنے والے ہم کون ہوتے ہیں اوپر والا بیٹھا ہے وہ سب کو ہی دے رہا ہے سب کو ہی پال رہا ہے۔" اس نے ایسی بات کی وہ لاجواب ہوگئے۔

"ہوں، یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو شہزیل کی قسمت یہاں لکھی تھی جو اس نے اپنے پرورش کے دن یہاں گزارے ہیں یہ اس کا نصیب ہوگا اس کے گھر والے کب ملتے ہیں۔"

"ہوں دعا کریں مل جائیں۔" ماہا نے دل سے دعا کی وہ بھی تو رات دن اسی کوششوں میں لگی تھی کوئی تو ایسا ہو شہزیل کا جاننے والا جو آجائے مگر ابھی تک کوئی امید نظر نہیں آرہی تھی۔

ماہا کی نگاہ اپنے کمپیوٹر پر پڑی اس کی لائٹ آن ہو رہی تھی۔

"بابا لگتا ہے میری کال ہے۔" وہ اٹھی۔

"اوکے میں چلتا ہوں تم اپنے ذہن پر زور نہیں دو اپنی پڑھائی پر توجہ دو پھر سوچتے ہیں آگے کرنا کیا ہے۔" وہ مسکرا کے اسے سمجھاتے ہوئے چلے گئے تھے۔

ماہا نے جھٹ کمپیوٹر آن کیا کال کیا ہوتی وہ سارے لوگوں کے کمنٹس فیس بک پر چیک کرنے لگی ابھی تک بھی کہیں سے کوئی جواب اور ای میل وصول نہیں ہو رہی تھی۔

وہ پھر شہزیل کی تصویریں لگا کے بیٹھ گئی جو اس نے فواد کے سیل سے حاصل کی تھیں ڈیشنگ تھا ہر لڑکی کی توجہ کا مرکز تھا اس کی یونیورسٹی فیلو تو اس کی قسمت پر رشک کرتی تھیں۔

☆......☆

زہرہ نے نیچے اسٹڈی روم کے سائیڈ والا روم صاف کروا دیا تھا کیونکہ وہاں ذرا خاموشی بھی تھی اور نیل فر بیمار تھی اسے پرائیویسی کی بھی ضرورت تھی۔

فہر اسی وقت آفس سے تھکا ہوا آیا تھا ہال کمرے میں ٹی وی آن کر کے کاؤچ پر دراز ہوگیا تھا۔

"آپ تو صبح سے صفائیوں میں ایسے لگی ہوئی ہیں جیسے آپ کی بہو آنے والی ہے۔" مہاد نے شوخی سے شرارتی لہجے میں مسکرا کے کہا تھا۔

فہر نے چونک کے سامنے نظریں بڑی اسکرین کے ایل ای ڈی پر جمائے رکھی تھی۔

"وہ دن بھی دور نہیں جب بہو آئے گی۔" زہرہ نے بھی جواب مسکرا کے دیا۔

"امی ان تلوں میں تیل نہیں، بھائی شادی کریں گے ہی نہیں۔" مہاد نے پھر لقمہ دیا فہر خاموش جو بیٹھا تھا۔

"ہر وقت فضول تو ہانکا نہیں کرو۔" اس نے جواب دیا۔

"ارے بھئی چائے وغیرہ بنوائی آپ نے کب سے آیا ہوا ہوں۔" رحمان علی بھی حسب توقع آج جلدی آگئے تھے۔

"جی، جی بنوائی ہے میں نیل فر کے روم کی ڈسٹنگ کروا رہی تھی۔"

"آپ تو بھتیجی کے آنے سے لگتا ہے۔ بہت خوش ہیں۔" وہ انہیں چھیڑنے لگے۔

"ظاہر ہے خوش تو ہوں مگر ساتھ ہی بھائی کی بھی فکر ہے۔" وہ فہر کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔

"بھائی کا رسپانس تو پتہ نہیں کیا ہوگا۔" وہ گویا ہوئے۔ فہر نے ان کی بات سنی تھی۔

"بھائی صاحب نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"آپ تو حمایت ہی کریں گی مگر اپنی بھابی کا سوچا ہے۔"

"کیا کروں میں پھر بھائی کا بھی منہ دیکھنا پڑ رہا ہے۔" وہ تذبذب کا شکار تھیں۔

"خیر میری تو دعا ہے بھابی اس بچی کو قبول کر لیں ان کی بھی بیٹی کی کمی پوری ہوجائے گی۔" وہ پرسوچ انداز میں گویا ہوئے۔

"اور ہماری بہن کی کمی کب پوری ہوگی؟" مہاد نے شرارتی لقمہ دیا۔

زہرہ تو جھینپ گئیں جب کہ رحمان علی ہنسنے لگے تھے۔

"بکواس تو کیا نہیں کرو، تم دونوں کی شادیاں کروں گی بہوئیں بیٹیاں ہی ہوتی ہیں۔" انہوں نے جھٹ وضاحت کی۔

Ridadigest.com
Ridadigest.com

''یہ تو آپ کہہ رہی ہیں جب کہ بہوئیں کسی ساس کو ماں کا درجہ نہیں دیتی ہیں۔'' وہ تو محبت میں شرابور ہو گیا تھا۔

''بہوؤں کو مان دو تو وہ سب کچھ سمجھنے لگتی ہیں۔''

''امی چائے کب آئے گی۔'' فہر کو اکتاہٹ ہونے لگی۔

اتنے میں ملازمہ چائے لے آئی تھی۔ زہرہ نے ٹرالی سائیڈ پر کی اور اسے جانے کا کہا۔

''امی! ماموں جان کی یہ بیٹی فہر بھائی کے لیے مناسب رہے گی۔'' مہاد بے ساختہ ہی بولا۔ اور فہر وہ تو چونک گیا دل کے ایوانوں میں تو وہ پہلے سے ہی بسی تھی۔

''تمہارا بھائی شادی کے لیے راضی کب ہے جو میں کچھ کہوں۔'' فہر تو گڑبڑا ہی گیا۔ زہرہ کی نگاہ جو اٹھی تھی۔

''میں ویسے بھی بھابی کی رضامندی کے بغیر کوئی بھی قدم نہیں اٹھاؤں گی۔''

''امی کیا ہو گیا ہے وہ ماموں جان کی بیٹی ہیں۔'' مہاد نے جیسے یاد دلایا۔

''پھر بھی بھابی کی بھی رضامندی ہو وہ نیل فر کو بیٹی مان لیں تو یہ رشتہ جب ہی مناسب رہے گا۔'' فہر اپنی چائے کا کپ اٹھائے چلا گیا۔

''اسے کیا ہوا ہے؟'' رحمان علی کی استفہامیہ نگاہوں نے اسے جاتے دیکھا تھا۔

''چڑنے لگا ہے شادی کے نام سے۔''

''ارے اس سے کہو ایک لڑکی پہ دنیا ختم نہیں ہو گئی۔'' وہ ذرا غصے میں بھی آ گئے۔

''جوان اولاد ہے زبردستی بھی تو نہیں کی جا سکتی۔'' وہ افسردہ ہو گئی تھیں۔

''امی! آپ تو ذرا ذرا سی باتوں پر پریشان ہو جاتی ہیں آپی زندہ باد وہ بھائی کو منا لیں گی۔'' اس نے جیسے مسئلے کا حل دیا۔

فہر کی سماعتیں سن رہی تھیں مگر دل کی بستی میں تو نیل فر تھی وہ اتنی جلدی کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا وہ امی کی گفتگو سننا چاہتا تھا وہ نیل فر کے متعلق اور کیا کہتی ہیں۔

''کنول ہی اسے راضی کرے گی۔''

''آپی سے ذرا دب بھی جاتے ہیں۔'' مہاد چائے کے سپ لے رہا تھا۔

''اگر زیادہ ہی آپ کے صاحبزادے کو عشق اور محبت کا بھوت سوار ہے تو پتہ کریں کون لڑکی ہے۔'' رحمان علی کی آواز پر گھبرایا کیونکہ انہیں غصہ آ گیا تھا۔

''پلیز مجھ پر ڈسکس کرنا بند کریں۔'' وہ پھر نیچے اتر کے آ گیا۔

زہرہ نے اس کا تنا ہوا چہرہ دیکھا، جو خاصا برہم بھی ہو رہا تھا۔

''فہر بیٹا! کیا ہو گیا ہے؟'' رحمان علی نے حیرانگی سے اس کے تنے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

''ابو پلیز! میری شادی کا ذکر نہیں کیا کریں۔''

''بیٹا! ہم تمہارے ماں باپ ہیں ہم تو کریں گے۔'' وہ گویا ہوئے۔

''مجھے کرنی ہی نہیں ہے آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر رکا نہیں لمبے لمبے قدم بڑھا کے زینہ عبور کر گیا۔

فہر کو یہ معاملہ الجھتا ہوا ہی نظر آ رہا تھا کیونکہ مامی کسی طرح بھی ماموں جان کی اس اولاد کو قبول تو کریں گی نہیں اور پھر ایسے حالات میں رشتہ ہونا ناممکن ہی تھا اور پھر نیل فر وہ کب مانے گی ساری اس کی حرکتیں ماموں

جان کو بتا دے گی اور ماموں جان اگر غصے میں آ گئے تو دو خاندانوں میں تناؤ آ جائے گا اسے مسئلہ کا حل بھی نکلتا ہوا نظر نہیں آ رہا تھا وہ آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا تھا اس کا دل و دماغ اس لیے بھی پریشان تھا نیل فر سے اس کا ابھی تک سامنا نہیں ہوا تھا۔ دس دن ہو گئے تھے اسے ہوسپٹل میں سب ہی مل کے آتے رہتے تھے ایک وہ نہیں گیا تھا اور مامی نہیں گئی تھیں ایک دو دن میں وہ ڈسچارج ہو کے گھر آنے والی تھی پھر تو ہر وقت کا سامنا جانے کیسا ری ایکٹ کرے زندگی موت کی جنگ لڑتے وہ دنیا میں واپس آ گئی تھی کونسا غلط کیا تھا اسے سارے زمانے سے الگ وہی یوں اچانک سے ملی اور دل میں بس گئی اور دل اس سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔ پیچھے ہٹنے والوں میں سے تو نہیں تھا اور وہ ہار تو کبھی نہیں مانے گا۔ اسے دل سمیت حاصل کر کے رہے گا۔

یہ اوپر والے کا احسان ہی تھا وہ اس کی اپنی ہی نکلی تھی اس تک رسائی مشکل تو نہیں تھی۔

مگر مسئلہ اس کا تھا جو نفرت کرتی تھی اور پھر جب ماموں جان کو پتہ چلے گا وہ اس کے ڈر و خوف میں رہتی تھی اور اس ایکسیڈنٹ کا ذمے دار بھی وہی ہے وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔

بالوں کو دونوں ہاتھوں سے جکڑ لیا تھا یہ سب صرف کنول اور شہوار ہی جانتی تھیں اس کی تو شہوار سے سامنا کرنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔

''کاش کاش نیل فر تمہیں مجھ سے محبت ہو جائے میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا میری محبت پاکیزہ ہے میں تمہاری روح سے محبت کرتا ہوں مجھے تمہاری سادگی نے دیوانہ بنایا ہے مجھے تمہارے روپ نے پاگل کیا ہے معصوم اور کتنی سادہ ہو۔'' اس سے دل میں تکلم کیا تھا۔

''نیل فر! میں تمہیں محسوس کرنا چاہتا ہوں پیار کرنا چاہتا ہوں اپنے اندر سمونا چاہتا ہوں۔''

کاش، کاش یہ حالات نہ ہوتے اور میں ایسے کرب سے نہ گزرتا۔''

سب ہی بتا رہے تھے وہ بہت بہتر ہو گئی تھی سب سے باتیں بھی کرنے لگی تھی مگر ضیاء اور حمزہ سے کچھ فارمل تھی امی کنول آپی سب سے ہی وہ ملی تھی اور اچھی طرح بولی بھی تھی اگر نہیں گیا تو وہ نہیں گیا تھا کسی پر ظاہر نہیں کیا تھا نیل فر اور اس میں کچھ چل رہا تھا۔

کنول تیار ہی تھیں نیل فر، جبران سے بہت خوش دلی سے ملی تھی۔

''اگر نہیں ملے گی تو آپ کے بھائی سے نہیں ملے گی۔'' وہ حسرت بھری سانس بھر کے رہ گیا تھا۔

''بھئی کیا ٹھاٹ ہیں ابو تو آپ کو اپنے ہاتھ سے کھلا رہے ہیں۔'' حمزہ کا لہجہ رشک بھرا اور شوخی لیے ہوئے تھا۔

''کیوں تمہیں نہیں کھلایا سب سے زیادہ تو تم نے تنگ کیا ہے ہر وقت گود میں چڑھے رہتے تھے۔'' شکیل احمد نیل فر کو کھانا کھلا رہے تھے سر پر اس کے بینڈیج تھی اس لیے ابھی ڈاکٹر نے اسے ہلنے جلنے کو منع کیا تھا۔

''وہ تو بچپنے میں کیا تھا میں تو ابھی کی بات کر رہا ہوں۔'' وہ پھر گویا ہوا۔

''ابو مجھ پر اتنی توجہ نہیں دیں میں تو بس یوں ہی اچانک سے آپ لوگوں کے درمیان آ گئی۔''

''لو شروع ہو گئیں اداسی اور مایوسی کا منبع۔'' حمزہ نے اپنا سر بےزاری سے تھام لیا۔ شکیل احمد مسکرانے لگے۔

''تم میری اکلوتی بیٹی ہو اچانک سے نہیں آئی ہو اور یہ دونوں میرے بیٹے ہیں تم تینوں میری زندگی ہو۔'' انہوں نے حمزہ کو بھی ساتھ لگا لیا۔

''ہاں تو زندگی نمبر 2 کب تک پلنگ توڑنے کا ارادہ ہے گھر کب چلنا ہے۔'' وہ پھر شوخ ہو گیا نیل فر کو ہر

Ridadigest.com

وقت شوخیاں کر کے بہلاتا رہتا تھا۔
''ابو میں اپنے گھر جاؤں گی۔''
''آپ کا گھر پہلے سے تھا وہاں آپ جائیں گی وہ تو عارضی گھر تھا۔'' شکیل احمد نے اس کے ہاتھ تھامے۔
نیل فر کی آنکھوں میں نمی آ گئی اتنے بڑے حادثے کے بعد وہ کملائی تھی کمزور سفید پڑ گئی تھی اسے اس وقت توجہ کی ضرورت تھی۔
''ابو وہاں زبیدہ خالہ اور شہوار ہیں۔''
''ہونے دو زبیدہ اور شہوار کو بھی ہم ساتھ رکھیں گے۔'' انہوں نے جیسے اس کی یہ فکر بھی دور کی۔
''نہیں ابو مجھے ان کے ساتھ ہی رہنے دیں۔'' وہ یہ سب شکیل احمد کی بیوی سے ہچکچاہٹ میں بول رہی تھی ان دس دنوں میں اسے ملنے تو کیا دیکھنے تک نہیں آئی تھیں۔ ان کے ردعمل کا اسے اندازہ تھا۔
''آپی آپ سے میں نے کہا تھا رشتہ نبھانے کی بات آئے گی تو میں رشتہ نبھا کے رہوں گا آپ امی کے ڈر سے ایسا کہہ رہی ہیں۔'' شکیل احمد اور نیل فر خاموش تھے۔
ثریا شکیل احمد سے کلام تک نہیں کر رہی تھیں اور یہ اذیت تھی ان کے دل و دماغ کے لیے۔
''رشتے نبھانے میں نقصان بہت ہوتا ہے تم سب میری فکر نہیں کرو میں تو شروع سے تنہا ہوں عادت ہے رہ لوں گی۔'' آنسو نکل پڑا تھا۔
''زیادہ غم زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے ابھی تو آپ کو پھپھو کے گھر رکھا جائے گا اس کے بعد آپ گھر کو لے جائیں گے۔''
''وہاں تو کبھی بھی نہیں۔'' فہر کا سوچ کے اس کے خوف سے جھرجھری آ جاتی تھی وہ سامنے تھا اور اس کے ساتھ ایسا بھیانک حادثہ جو اس کی سدھ بدھ ہی کھو گیا۔
''بیٹا! ضد نہیں کرو میں صرف تمہیں زہرہ کے گھر اس لیے رکھ رہا ہوں ثریا کا منفی رویہ مجھے برداشت نہیں ہوگا۔''
''ابو کیوں آپ اپنے لیے مشکلات کھڑی کر رہے ہیں۔ مجھے آپ وہاں بھی انگلینڈ بھیج رہے تھے۔ میں خالہ کے پاس رہ لوں گی۔'' آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔
''ابو یہ تو بہت ہی حساس ہیں یہ اس طرح روتی رہی تو کیسے کام چلے گا۔'' حمزہ کو اس کی فکر بھی ہوئی۔
''انگلینڈ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر تم یہ سوچ رہی ہو کہ میں گھر لے جانے سے ہچکچا رہا ہوں تو ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں اپنی بیٹی کو ایسے ماحول میں نہیں رکھوں گا۔''
''ابو! یہ تو حمزہ کی امی کے ساتھ برا ہوا نا وہ کیا نہ سوچتی ہوں گی آپ کے متعلق ناراضی اور منفی رویہ کا حق تو رکھتی ہیں اچانک سے ایسا کچھ پتہ چل جائے تو مجھ جیسے دل و دماغ کی بنیادیں تک ہل جاتی ہیں۔'' وہ بول رہی تھی۔
اور حمزہ حیرانگی سے نیل فر کو دیکھ رہا تھا وہ ہر ایک کی سوچ سچویشن کو سمجھنے والی تھی ہر ایک کا درد محسوس کرنے والی تھی۔
''ابھی آپ ان پر توجہ دیں ان کی سنیے وہ پریشان ہوں گی۔''
''آپی! آپ کی بات کاٹ رہا ہوں آپ سے ایک بات کہوں۔'' حمزہ نے کہا۔
''ہاں کہو۔'' وہ متوجہ ہوئی۔

''آپ ہماری امی کو امی کہیں نا۔''
''امی میں اس وقت کہوں گی جب وہ ابو کو معاف کر دیں گی اور مجھے دل سے بیٹی کہیں گی کیونکہ زبردستی کسی سے رشتے منوائے نہیں جاتے۔'' لہجے میں اس کے گہرائی تھی۔
شکیل احمد نے اس کے نرم نرم ہاتھوں کو چوما ان کی بیٹی کتنی سمجھدار اور متحمل مزاج تھی۔
''آپ تو ہمارا خون ہیں ہم تینوں بہن بھائی کے خون کے گروپ بھی ایک ہیں امی کیسے آپ کو قبول نہیں کریں گی میں بھی امی سے بولوں گا۔''
''حمزہ زبردستی نہیں میری قسمت میں جو ہے وہ تو ملے گا۔ میری امی تو مجھے چھوڑ کے چلی گئی۔'' وہ رونے لگی۔
''نیل فر، نیل فر میرا بچہ نہیں رو۔''
''میں آ سکتی ہوں۔'' شہوار کی کھنکتی ہوئی آواز پر وہ تینوں چونک گئے۔
''ارے شہوار بیٹی، زبیدہ بہن آؤ آؤ۔'' شکیل احمد نے مسکرا کے ان کا استقبال کیا۔
نیل فر نے ٹشو سے آنسو صاف کیے۔
''بھئی واہ کیا عیش ہیں وی آئی پی روم فل اے سی ٹی وی واہ واہ انکل لگتا ہے اس کا یہاں سے جانے کا موڈ نہیں ہے۔'' شہوار اس کے لیے خوب صورت سے بکے لائی تھی جو اس نے مسکرا کے لے لیے۔
زبیدہ نے اس کا ماتھا چوما تھا۔
''میں بھی آپی سے یہ ہی کہہ رہا تھا۔'' حمزہ نے بھی تائید کی۔
''انکل آپ کا یہ بیٹا ہر جگہ ہمیں مل جاتا تھا۔''
''ہاں نیل فر بتا رہی تھی اور یہ بھی بتا رہا تھا۔'' شکیل احمد ہنسنے لگے تھے۔
''کیسی طبیعت ہے بیٹا؟''
خالہ میں بالکل ٹھیک ہوں آپ سنایئے کیسی ہیں؟'' نیل فر نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔
''بیٹا یہ دعا ہے تم خیر سے اپنے گھر چلی جاؤ میں تو سمجھوں گی بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔'' انہوں نے کہا۔
''یہ عنقریب رہنے گھر جانے والی ہیں۔'' حمزہ نے گویا اعلان کیا۔ نیل فر اور شہوار باتیں کرنے لگی تھیں۔
شکیل احمد کی کال تھی وہ باہر چلے گئے تھے اور حمزہ ان کے لیے ریفریشمنٹ لینے نکل گیا تھا۔
''فہر آیا ملنے؟''
''نہیں کنول آپی آئی تھیں۔'' اس نے بتایا۔
''اوہو آپی۔'' اس نے معنی خیزی سے چھیڑا۔
''بدتمیزی نہیں کرو۔'' وہ جھینپ گئی۔
''میں اس شخص کی صورت تک نہیں دیکھنا چاہتی جس نے میرا سکون تباہ کیا ہوا تھا۔'' نیل فر کے لہجے اور آواز میں کڑواہٹ تھی۔
''انکل تو تمہیں اسی کے گھر شفٹ کر رہے ہیں۔''
''میں ابو کو منع کیے جا رہی ہوں وہ نہیں مان رہے شہوار مجھے فہر علی سے ڈر لگ رہا ہے وہ جانے کیا کرے۔''
اسے سوچ سوچ کے پسینے آنے لگے۔
(جاری ہے)

Ridadigest.com

ردا کی ڈائری

سحر افنان کی ڈائری سے

ایک خوب صورت نظم

اے نئے سال کے ابھرتے ہوئے سورج
تمہیں اپنی کرنوں کی قسم
میری ایک بات مان لو
کہ اس نئے سال میں
دل کی راہوں پر چلنے والوں کے
راستوں کو روشنیوں سے بھر دینا

کوثر مبین کی ڈائری سے

نیا سال

نیا سال آیا ہے
میری ان صبحوں کی نیلی تہوں سے ابھرتا
خیابان دشت جبل کی ٹھٹھرتی خموشی میں برفیلی
چٹکی بجاتا دبے پاؤں
یخ آلود شاموں کی خاموشیاں
اس کے قدموں کی آہٹ سمیٹے
گزرگاہوں پر سائبانوں میں نوحہ کناں
درآتی شب کے دریچوں درزون
پُرشور جھونکوں کی بے مہر ٹھنڈک
برودت زدہ پانیوں پر پرندے
کناروں پر ایستادہ پیڑوں کی نمناک شاخوں کی
جانب اڑے جا رہے ہیں
مکیں آنکھوں میں، چھتوں پر
دھڑکتے دلوں میں ہزاروں
خیالوں کی شمعیں جلائے
دبے پاؤں آتے ہوئے
سالوں کو دیکھتے ہیں

نوشین مدثر کی ڈائری سے

فیضان عارف کی نظم

وقت گزرا تو یہ ملال ہوا
ختم زندگی کا ایک سال ہوا
آج زندگی کو عروج ملا
آج لمحات کو زوال ہوا
سوچ کی جھیل میں گرا پتھر
بے سبب منتشر خیال ہوا
یاد کر کے وصال کے لمحے
دل یہ پاگل بہت نڈھال ہوا
اتنی شدت سے کوئی یاد آیا
آج جینا بڑا محال ہوا
لوگ دیکھے بہت مگر اب تک
کوئی تیری کہاں مثال ہوا
کوئی جا کر ذرا اسے کہہ دے
ہجر میں کیا ہمارا حال ہوا

نگہت بلال کی ڈائری سے

وصی شاہ کی غزل

آج کل زباں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے
تمہاری ہاں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

درخت پر جو کبھی چوڑیوں سے ڈالا تھا
اس اک نشان پہ وہی سردیوں کا موسم ہے
سلگ رہی ہیں ذہن میں قبائیں لفظوں کی
مگر زباں پر وہی سردیوں کا موسم ہے
تمہارے آنے پر سورج کے ہاتھ چمکیں گے
مرے مکاں پر وہی سردیوں کا موسم ہے
تیری جدائی کے پل سے ہوا ہے عشق حنوط
کہ اس جہاں پر وہی سردیوں کا موسم ہے
وہ مجھ کو سونپ گیا فرقتیں دسمبر کی
درخت جاں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے
ہمارے لب تو دعائیں جلائے رکھتے ہیں
پر آسمان پر وہی سردیوں کا موسم ہے

ثمینہ ناز کی ڈائری سے

ایک خوب صورت نظم

بدن کی قید سے نکلیں تو اس نگر جائیں
جہاں خدا سے کسی شب مکالمہ ہوگا
جہاں پہ روح کا بھی کوئی حق ادا ہوگا
نہ دل کو تنگ کرے گی حصول کی خواہش
نہ کوئی خدشہ لاحاصلی ستائے گا
ہمیں قبول نہ ہوگی صدائے نوحہ گری
کہ پھر وصول نہ ہوگی شکست سادہ دلی
نہ مرحلے وہ مشقت کے پیش جاں ہوں گے
کہ جن کے خوف سے لب ہنسنا بھول جاتے ہیں
نہ ایسی شب کی مسافت کا سامنا ہوگا
جہاں پہ کوئی چراغ وفا نہیں جلتا
لبوں کی شاخ پر حرف دعا نہیں کھلتا
کہیں پہ کوئی مزاج آشنا نہیں ملتا
عذاب ترک وطلب سے بھی اب مکر جائیں
زمین کی قید سے نکلیں تو اس نگر جائیں
جہاں خدا سے کسی دن مکالمہ ہوگا
جہاں پہ روح کا بھی کوئی حق ادا ہوگا

مریم کی ڈائری سے

ایک خوب صورت نظم

ابھی کیا کہیں ابھی کیا سنیں
کہ سر فصیل سکوت جاں
کف روز و شب پہ شرر تھا
وہ جو حرف حرف چراغ تھا
اسے کس ہوا نے بجھا دیا
کبھی لب ہلیں گے تو پوچھنا
سر سحر عمر وسال
وہ جو لوگوں کا ہجوم تھا
اسے دست موج فراق نے
تہہ خاک کب سے ملا دیا
کبھی گل کھلیں گے تو پوچھنا
ابھی کیا کہیں ابھی کیا سنیں
یونہی خواہشوں کے حصار میں
کبھی بے سبب کبھی بے خلل
کہاں کون کس سے بچھڑ گیا
کبھی پھر ملیں گے تو پوچھنا

عمیمہ ظہیر کی ڈائری سے

غزل

واسطہ حسن سے یا شدت جذبات سے کیا
عشق کو تیرے قبیلے یا میری ذات سے کیا
میری مصروفیات اس کو کہاں روک سکیں گی
وہ تو یاد آئے گا اس کو میرے دن رات سے کیا
پیاس دیکھوں یا کروں فکر کہ گھر کچا ہے
سوچ میں ہوں کہ میرا رشتہ ہے برسات سے کیا
جس کو خدشہ ہو کہ مر جائیں گے بھوکے
سوچیے' اس کو کسی اور کے حالات سے کیا
آج اسے فکر ہے کہ کیا لوگ کہیں گے ساغر
کل جو کہتا تھا مجھے رسم و رواج سے کیا

☆......

نورین ملک

اشعار

حفصہ کنول ___ ٹوبہ ٹیک سنگھ
اسی سوچ میں عید گزر گئی میری
جانے اس نے کس رنگ کے کپڑے پہنے ہوں گے

جاناں احمد ___ سیالکوٹ
فقط ماں کی آغوش میں ملتا ہے
سکون بازار میں نہیں بکتا ہے
ابھی ساتھ ہے تو قدر کرو ماں کی
بعد میں انسان روتا ہے بلکتا ہے

فرزانہ شوکت ___ کراچی
بہت چاہا پر انہیں بھلا نہ سکے
خوابوں میں کسی اور کو نہ لا سکے
کسی کو دیکھ کر آنسو تو پونچھ لیے
پر کسی کو دیکھ کر ہم مسکرا نہ سکے

شہلا گل سحر صالح ___ کوہاٹ
تیری یاد میں گم صم نڈھال رہتا ہے
خوشی ہو یا غم دل کا ایک حال رہتا ہے
بھیگی پلکیں سجدہ کرتی ہیں اس کو سحر
بے دھیانی میں جس کا خیال رہتا ہے

مس آنسہ ___ کھاریاں
اداس کھڑا ہے محلے میں بارش کا پانی
کاغذ کی کشتی بنانے والے بچے اب بڑے ہو گئے

احسان عبداللہ ___ کھاریاں
ہر موڑ پر ملتے ہیں ہمدرد ہزاروں
لگتا ہے اپنے شہر میں اداکار بہت ہیں

عانیہ نیازی ___ ربوہ
جدائیوں کے زخم، درد زندگی نے بھر دیئے
اسے بھی نیند آ گئی مجھے بھی صبر آ گیا

کوثر نیازی ___ لیہ
خاک اڑاتے ہوئے بازاروں میں دیکھا سب نے
میں کبھی گھر سے نکلتا بھی نہیں تھا شاید
زیست کرنے کے سب انداز اسے ازبر تھے
مجھ کو مرنے کا سلیقہ بھی نہیں تھا شاید

صبا سحر ___ ہارون آباد
وہ جن کا پیار تھا نظروں کی کائنات کبھی
بچھڑ کے وہی دل کے شہر لوٹ گئے
کہاں کہاں سے سمیٹے گا وہ ہمیں محسن
کہ ہم تو آئینے کی طرح ٹوٹ پھوٹ گئے

حنا علی ___ ملتان
ہے میری ذلت میں کچھ میری شرافت کی دلیل
جس کی غفلت کو ملک روتے ہیں وہ غافل ہوں میں
ڈھونڈتا پھرتا ہوں اے اقبال اپنے آپ کو
آپ ہی گویا مسافر، آپ ہی منزل ہوں میں

امبرین حیدر ___ اسلام آباد
آنکھوں میں چھپائے پھر رہا ہوں
یادوں کے بجھے ہوئے سویرے
روداد سفر نہ چھیڑنا کہ
پھر اشک نہ تھم سکیں گے میرے

دھنک ناز ___ کراچی
تو کسی در پر گیا ہو تو خبر ہو تجھ کو
کس قدر اذیت ہے سوالی ہونا

رابعہ منیر ___ سرگودھا
میں ستارہ نہیں مگر پھر بھی
آج کل گردشوں میں رہتا ہوں

مریم نواز ___ فیصل آباد
میں لا مکان ہو گیا ناصر
مدت ہجر کتنی پھیل گئی

نگہت توقیر ___ چیچہ وطنی
اک خواب ہے اس خواب کو کھونا بھی نہیں ہے
تعبیر کے دھاگوں میں پرونا بھی نہیں ہے
لپٹا ہوا ہے دل سے کسی راز کی طرح
وہ شخص جس کو میرا ہونا بھی نہیں ہے

علصمہ رشید ___ فیصل آباد
وہ پیڑ جن پر پرندوں کے گھر نہیں ہوتے
دراز جتنے بھی ہوں معتبر نہیں ہوتے
میرے قبیلے کی پہچان ہے فقط اتنی
کہ ان کے ذہنوں میں نفرت کے گھر نہیں ہوتے

شمائلہ قیصر ___ کراچی
میں اس کو بھول گیا ہوں وہ مجھ کو بھول گیا
تو پھر یہ دل پر کیوں دستک سی ناگہانی ہوئی
کہاں تک اور بھلا جاں کا ہم زیاں کرتے
بچھڑ گیا ہے تو یہ اس کی مہربانی ہوئی

مریم مرتضیٰ ___ ملتان
یہ کیسے لوگ ہیں صدیوں کی ویرانی میں رہتے ہیں
انہیں کمروں کی بوسیدہ چھتوں سے ڈر نہیں لگتا
یہ ممکن ہے وہ ان کو موت کی سرحد پر لے جائیں
پرندوں کو مگر اپنے پروں سے ڈر نہیں لگتا

نوشین مدثر ___ لاہور
میں محبت کے اس مقام پر ہوں جہاں
میری ذات میں رہتی ہے تیری ذات مسلسل

ایمن آرائیں ___ گجرات
ایک سیدھی بات ہے ملنا نہ ملنا عشق میں
اس پہ سوچو گے تو یہ بھی مسئلہ بن جائے گا
میرے سینے میں ابھی اک جذبہ بے نام ہے
ضبط کرتے کرتے حرف مدعا بن جائے گا

میرب ___ کراچی
اس جگہ عقل نے دھوکے کھائے
جس جگہ دل ترے فرمان گئے
کوئی دھڑکن ہے نہ آنسو نہ امنگ
وقت کے ساتھ یہ طوفان گئے

[illegible] ___ پشاور
[illegible] سمجھے تھے جس کو وہ شاید
تھا ایک نارسائی کا رشتہ
میرے اور اس کے درمیان نکلا
عمر بھر کی جدائی کا رشتہ

نور بانو ___ کوئٹہ
برباد کرنے کے اور بھی راستے تھے فراز
جانے کیوں انہیں محبت کا ہی خیال آیا

نور الہدیٰ ___ پشاور
یہ دل اس قدر اداس بھی پہلے کبھی نہ تھا
غم میرا ایک رفیق تو تھا زندگی نہ تھا
بکھری ہوئی تھی شہر میں چہروں کی بازگشت
جس شخص کی تلاش تھی بس اک وہی نہ تھا

کنزیٰ فضیل ___ کراچی
میں بھی ہوں اگر خاموش آج ہنسا تو بھی نہیں
مجھ سے بچھڑ کے کسی سے ملا تو بھی نہیں

Ridadigest.com
Ridadigest.com

نورین ملک

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقتباس

عام انسان:

پتا نہیں کیوں میرے دل میں جنت کی آرزو کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ اگر اللہ جنت دے دے تو مضائقہ نہیں لیکن اس کی آرزو کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ دوزخ کا ڈر بھی شدت سے محسوس کرتا ہوں لیکن دوزخ سے بچنے کے لیے ثواب کمانے کی آرزو نہیں رکھتا۔ مجھے اس آرزو سے دکان داری کی بو آتی ہے۔ میرے ذہن میں نیکی، عادت، اذیت وحشت، امکان ثواب۔ سے بے تعلق پڑے ہے۔ بے مقصد، بے نیاز۔ مجھے یہ آرزو بھی نہیں کہ اللہ والا بن جاؤں یا بزرگی مل جائے یا مست ہو جاؤں۔ مجھے مراتب کی طلب نہیں۔ میری دانست میں عام انسان بذات خود ایک عظیم مرتبہ ہے۔ مجھے صرف ایک آرزو ہے کہ میرا رخ مثبت رہے۔ انسانوں کی طرف۔ اللہ کی طرف۔

انتخاب: لبیک۔ ممتاز مفتی

عانیہ نیازی۔ ربوہ

بندگی کا سلیقہ

بندے تو سبھی ہوتے ہیں پر بندگی کا سلیقہ کسی کسی میں ہوتا ہے۔ سر تو بہت جھکتے ہیں پر جب آزمائش کی دو دھاری تلوار گردن کو کاٹتی ہے تو کتنے ہی سر اپنے آپ اٹھ جاتے ہیں۔ پر معبود کا حق تو تب ادا ہو کہ سر نہ اٹھے چاہے گردن کٹ کر گر جائے۔

عشق آتش۔ سعدیہ راجپوت

صبا سحر۔ ہارون آباد

اس ماہ لفظوں کی روشنی

☆ اگر دل میں محبت آجائے تو زبان میں شائستگی آنا شروع ہو جاتی ہے۔

☆ کسی چیز کو روکنے کے لیے خود رکنا پڑتا ہے۔

☆ موت سانس ختم ہونے کا نام نہیں بلکہ موت تو یہ ہے کہ ہمیں یاد کرنے والا کوئی نہ ہو۔

☆ آواز انسان کو دوسروں سے متعارف کرواتی ہے اور خاموشی انسان کو اپنے آپ سے متعارف کرواتی ہے۔

☆ زندگی کے جواز تلاش نہیں کیے جاتے صرف زندہ رہا جاتا ہے۔ زندگی گزارتے چلے جاؤ جواز مل جائے گا۔

☆ ایک اچھے عمل کی یاد کو ایک برا لفظ ہمیشہ کے لیے تباہ کر سکتا ہے۔

☆ رشتے ناتے بھی کچے دھاگے کی طرح ہوتے ہیں ٹوٹ جائیں تو انہیں جوڑا جا سکتا ہے لیکن گرہ ضرور لگ جاتی ہے۔

☆ مخلص کی تعریف یہ ہے کہ وہ آپ کے ساتھ اپنے آپ سے زیادہ مہربان ہو۔

☆ خود شناسی نہ ہو تو خدا شناسی کا عمل ممکن نہیں ہوتا۔

☆ مصنفین اپنی کتابوں کی شکل میں اپنے مرنے کے بعد بھی اپنے چاہنے والوں کی لائبریری میں محفوظ رہتے ہیں۔

☆ سچ میں صرف ایک ہی خرابی ہے کہ یہ کسی کا بھرم نہیں رکھتا۔

☆ جن کے ذہن میں اچھے خیالات آباد ہوں وہ کبھی تنہا نہیں ہوتے۔

حنا علی۔ ملتان

اس ماہ کی خوب صورت باتیں

☆ ہر عمل کھوکھلا ہے جب تک محبت نہ ہو اور جب محبت کے ساتھ عمل کرتے ہو تب تم خود کو اپنے سے ایک دوسرے سے اور اللہ تعالیٰ سے باندھ لیتے ہو۔

☆ محبت سالوں تک ہمارے اندر پنپتی رہتی ہے اور ہم اس سے لاعلم رہتے ہیں لیکن پھر ادراک کا ایک لمحہ آتا ہے اور یہ ہم پر کھلتی چلی جاتی ہے۔

مسکان علی۔ کراچی

اس ماہ کی مزاحیہ غزلیں

مرد ہونی چاہیے، خاتون ہونا چاہیے
اب گرامر کا یہی قانون ہونا چاہیے
رات کو بچے پڑھائی کی اذیت سے بچے
ان کو ٹی وی کا بہت ممنون ہونا چاہیے
دوستوں انگلش ضروری ہے ہمارے واسطے
فیل ہونے کو بھی اک مضمون ہونا چاہیے
نرسری کا داخلہ بھی سرسری مت جانیے
آپ کے بچے کو افلاطون ہونا چاہیے
صرف محنت کیا ہے انور کامیابی کے لیے
کوئی اوپر سے بھی ٹیلی فون ہونا چاہیے

انور مسعود

ریما نور رضوان۔ کراچی

غزل

نمبر والا پہن لیا چشمہ
اب بڑوں میں شمار ہمارا ہے
آنکھوں میں جو بسی تھی اس نے بھی
کہہ کے انکل ہمیں پکارا ہے
تم میری محبوبہ ہو، گھر پر میری بیوی بھی ہے
سر پہ ذمہ داریاں ہیں تیری چاہت کے سوا
کچھ کچن میں کام ہے بچوں کو بھی سلانا ہے
اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

اس ماہ کی محبت

اس سے ملاقات پر
اس نے ہم سے کہا
تم تو بھلے آدمی تھے
تمہیں محبت کیسے ہوگئی
بڑی معصومیت سے
اس کی آنکھوں میں دیکھ کر
ہم نے بھی خوب کہا
محبت کی نہیں جاتی دوست
محبت بس ہو جاتی ہے

سمیرا گل ناز یوسف۔ کراچی

اس ماہ خوب صورتی کے بہترین راز

☆ ہاتھوں کی خوب صورتی کے لیے اپنے ہاتھوں سے صدقہ دیں۔

Ridadigest.com

☆ آواز کی خوب صورتی کے لیے قرآن پاک کی تلاوت کریں۔
☆ آنکھوں کی خوب صورتی کے لیے اللہ کے خوف سے آنسو بہائیں۔
☆ چہرے کی خوب صورتی کے لیے وضو کی عادت ڈالیں۔
☆ دل کی خوب صورتی کے لیے اپنے دل میں اللہ کی یاد بسائیں۔
☆ دماغ کی خوب صورتی کے لیے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کریں۔

سیدہ عروج فاطمہ۔ ملتان

اس ماہ کی نظم

بہت یاد مجھ کو آتی ہے ماں
میں پہروں ہوں روتی
بہت ہوں میں کڑھتی
میں ڈھونڈتی ہوں اس کو
مجھے بلاتی نہیں ماں
کوئی یارو مجھے ڈھونڈ کے لادو ماں
منوں مٹی تلے جا سوئی ہے ماں
میں بلاتی ہوں اس کو
نہیں آتی میری ماں
میرے دل میں ہیں باتیں
میرے دل میں غبار
جانے کہاں جا سوئی ہے ماں
میں کس کو سناؤں
میں کس کو پکاروں
مجھے ڈھونڈ کے بس لادو میری ماں
میری آنکھوں میں ہر وقت سمندر ہے رہتا
مگر سب نے صرف مجھ کو ہے ہنستے ہوئے
دیکھا
کسی نے اگر میری ماں کو ہے دیکھا
خدایا بلا لو
اسے تم پکارو
میں دامن پکڑلوں گی جانے نہیں دوں گی
میں اس کو گھسیٹوں گی کہیں پہ چھپا لوں گی
میرا سب کچھ لے لو
بس میری ماں لادو

(سیدہ ایمن حسن)

فوزیہ صفدر۔ لیہ

اس ماہ کی محبت

محبت اپنے عروج کے بعد زوال ضرور دیکھتی ہے۔ جس طرح خاموشی سے کوئی دل میں اتر جاتا ہے۔ اسی طرح بہت خاموشی سے کوئی اپنے سے پرایا بھی بن جاتا ہے۔ چند واقعات کے بعد کچھ لمحے ہی درکار ہوتے ہیں۔ کسی کے دل سے اتر جانے میں اور پھر دل کی زمین بنجر ہو جاتی ہے۔ وہاں محبت پھر کبھی پروان نہیں چڑھتی بس یادوں کی کھردری زمین رہ جاتی ہے۔

سیدہ آفرین علی۔ کراچی

اس ماہ کا لطیفہ

ایک ماں نے اپنے بچے کو اسکول میں داخل کرواتے ہوئے کہا۔ "میرا بچہ حساس ہے اسے سزا ہر گز نہ دیجیے گا اگر یہ اتفاق سے شرارت کر بیٹھے تو اس کے برابر والے بچے کو زور سے تھپڑ مار دیجیے گا یہ خود بہ خود سمجھ جائے گا۔

آسیہ ایمان۔ لاہور

......☆......

Ridadigest.com

خوشبو

خوشبو

حضور اکرمؐ نے فرمایا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "ایک آدمی کسی دوسری بستی میں اپنے بھائی کی زیارت کے لیے گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ بٹھا دیا جو اس کا انتظار کر رہا تھا جب وہ شخص اس کے پاس سے گزرا تو فرشتے نے پوچھا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

اس نے کہا۔ "اس بستی میں میرا بھائی رہتا ہے اس کے پاس جا رہا ہوں۔"

فرشتے نے پوچھا۔ "کیا اس کا تم پر کوئی احسان ہے جس کی وجہ سے تم یہ تکلیف اٹھا رہے ہو اور اس کا بدلا اتارنے جا رہے ہو؟"

اس نے کہا۔ "نہیں صرف اس لیے جا رہا ہوں کہ میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں۔" فرشتے نے کہا۔ "میں تیری طرف اللہ کا فرشتہ ہوں (اور یہ بتانے کے لیے آیا ہوں کہ) اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے محبت کرتا ہے جیسے تو اس سے صرف اللہ کے لیے محبت کرتا ہے۔ (مسلم)

سیدہ نورین۔ کراچی

محبت

محبت سے غم اور اداسی ضرور پیدا ہو گی وہ محبت ہی نہیں جو اداس نہ کر دے۔ (اشفاق احمد)

نوشین مدثر۔ لاہور

کچھ کھٹا میٹھا

☆ اگر آپ کسی بے وقوف کی شکل نہیں دیکھنا چاہتے تو آپ کو پہلے اپنا آئینہ توڑنا چاہیے۔
☆ تجربہ بہترین استاد ہے لیکن اس مدرسے کی فیس بہت زیادہ ہے۔
☆ ڈپلومیٹ وہ شخص ہے جو ایک عورت کی سالگرہ کا دن تو یاد رکھے لیکن اس کی عمر بھول جائے۔
☆ تین آدمیوں میں راز، راز رہ سکتا ہے۔ بشرطیکہ ان میں سے دو مر چکے ہوں۔
☆ ایک مرتبہ شادی کرنا فرض ہے دوسری مرتبہ حماقت اور تیسری مرتبہ پاگل پن۔
☆ ہجوم میں کئی سر ہوتے ہیں لیکن دماغ نہیں ہوتے۔
☆ مہمان چلے جانے کے بعد اکثر بہت اچھے لگتے ہیں۔
☆ جب دولت محو گفتگو ہوتی ہے تو کوئی قطع کلامی نہیں کرتا۔
☆ اپنے متعلق آپ خود کچھ نہ کہیں یہ کام آپ کے جانے کے بعد ہو جائے گا۔
☆ کوئی آئینہ انسان کی اتنی حقیقی تصویر نہیں پیش کر سکتا جتنی اس کی بات چیت۔
☆ خوش امیدی ایک "ماسٹر کی" ہے جس سے ہر بند دروازہ کھولا جا سکتا ہے۔
☆ انسان کی زندگی بھی پودوں جیسی ہوتی ہے کچھ کو پانی دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کسی کو راہ دکھاتے ہیں کچھ کو جنگل کے پودوں کی طرح خود سنبھالتے ہیں۔

امبرین حیدر۔ اسلام آباد

نصیب والے

جھڑکیاں دینے والا، رعب جمانے والا، دھمکیاں دینے والا بھول چکا ہوتا ہے کہ وہ بھی انسان ہے۔ انسانوں پر رعب جمانے اور انہیں جھڑکیاں دینے کا اسے کوئی حق نہیں۔ ہر نعلی استحقاق صرف غرور نفس کا دھوکا ہے اور غرور انسان میں صرف اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک وہ بدقسمت نہ ہو۔ نصیب والے ہمیشہ عاجز و مسکین رہتے ہیں۔

(واصف علی واصف)

نورین ملک۔ کراچی

سوچ ریزے

☆ کچھ ارادے کچھ فیصلے کچھ خواہشیں دریا کنارے بنی بستیوں جیسی ہوتی ہیں جنہیں کچھ پورا نہیں ہونا ہوتا۔ وقت مٹی کی ڈھیری میں تبدیل ہوجانا ہوتا ہے اور انسان کیا ہے ایک مٹی کی ڈھیری اور اکڑتا کتنا ہے؟

☆ کچھ لمحے ایسے بھی تو زندگی میں آتے ہیں جب دعائیں بھی پوری نہیں مانگی جاسکتیں اور ادھوری دعائیں بھی روگ جیسی ہوتی ہیں ہم کسی کا ساتھ مانگتے ہیں اور وہ مل بھی جاتا ہے لیکن پھر نباہ نہیں ہو پاتا۔ فطرتوں میں تضاد نکل آتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے جھگڑے پھیل کر جدائیوں کا دشت بن جاتے ہیں تو وجہ صرف یہی ہوتی ہے کہ ہم نے دعائیں ادھوری مانگی ہوتی ہیں۔ دعائیں تو بڑی مکمل بڑی جامع ہونی چاہئیں۔

عابد محمود۔ ملکہ ہانس

یادیں!

چاہتوں کے سفر میں کچھ یادیں ہمارے ذہن و دل میں بہت گہرے نقوش مرتب کرتی ہیں۔ وہ یادیں ان خوشگوار لمحوں پر محیط ہوتی ہیں جو ہمارے لیے ان گنت مسکراہٹوں کا باعث بنتے ہیں جب کہ ان میں سے کچھ یادیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمارے لیے نہایت اذیت کا سبب بنتی ہیں۔ جس گھڑی ان یادوں کا دل پر نزول ہوتا ہے اس وقت ہماری آنکھوں سے بے اختیار اشکوں کا طوفان برپا ہوجاتا ہے۔ ہم اپنی زندگی سے بیزار ہوجاتے ہیں۔ ہر نئی سانس ہمارے لیے ایک نئی اذیت کی پیامبر بن کر ابھرتی ہے۔ یہ یادیں ایک زہریلی ناگن کی شکل میں ہمیں ڈستی رہتی ہیں اور ان یادوں کا زہر ہماری روح وجسم میں سرائیت کرجاتا ہے۔ ہم اپنی زندگی سے اس زہر کو نکالنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں لیکن یہ زہر ہماری رگ و جان میں پیوست ہوجاتا ہے کیوں کہ جن لوگوں کو ہم اپنے دل میں بسا لیتے ہیں۔ ان سے وابستہ یادیں ہمارے دل میں پیوست ہوجاتی ہیں۔ ہم ان یادوں کو بھلانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں لیکن زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر وہ یادیں ہمارے دل پر حملہ آور ہوجاتی ہیں اور پھر سے ان یادوں کے زہر آلود نشتر ہمارے دل میں پیوست ہوجاتے ہیں۔ یہ یادیں ایک عذاب کی صورت اختیار کرلیتی ہیں اور یہ عذاب زندگی کی سانسوں کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے۔ ہم اپنے دل پر بوجھ تو محسوس کرتے ہیں لیکن اس بوجھ سے خود کو آزاد نہیں کرپاتے۔ ہم سانس تو لے رہے ہوتے ہیں لیکن "جی" نہیں سکتے۔ زندہ رہنے اور جینے میں فرق یہ ہے کہ جینے سے مراد ایسی زندگی بسر کرنا ہے جو خوشیوں سے بھرپور ہو۔ ہر لمحہ ہمیں نئی خوشیوں کا سامنا کرنا پڑے۔ ہمارے ساتھ ایک ایسا شخص ہو جس کا وجود ہمارے لیے سراپا خلوص ہو۔ ہم اپنی زندگی اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اس کی مرضی سے بسر کریں جب کہ محض زندہ رہنے کا مطلب ایسی زندگی بسر کرنا ہے کہ جس میں ہماری زندگی کی تمام تر خوشیاں ہم سے روٹھ چکی ہوں گویا ہم سانس تو لیتے ہیں لیکن ہمارا دل انہی یادوں کے جھرنگوں میں کھو جاتا ہے اور ہم انہی یادوں میں تمام عمر بسر کردیتے ہیں۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

تم کیا جانو کہ زندگی کیا ہے؟

زندگی بھی ایک دائرے کی مانند ہے جس کے ہر صفحے پر دن، تاریخ، ماہ و سال زندگی چسپاں ہیں۔ صفحہ ایک سے لے کر آخر تک زندگی اس پر بے شمار تاریخیں لکھتی ہے ہر تاریخ کی نوعیت زندگی کے مزاج پر منحصر ہے۔ جب یہ خوش ہوتی ہے تو دھنک کے ساتوں رنگ ڈائری پر سجاتی ہے اور جب ناخوش ہوتی ہے تو تمامی سیاہ رنگ سے صفحوں کو کالا کردیتی ہے۔ ہم اگر شروع سے آخر تک اسے پڑھتے جائیں تو پتہ چلے گا کہ تاریخ کے ساتھ ساتھ تحریروں میں پختگی سوچ اور تجربہ دکھائی دیتا ہے۔ لیکن افسوس کہ جوں ہی ہم ان تجربوں سے فیض یاب ہونے لگتے ہیں۔ ڈائری کے صفحات ختم ہوجاتے ہیں۔

ثناء کنول اللہ دتہ۔ لودھراں

محبت

محبت اپنے عروج کے بعد زوال ضرور دیکھتی ہے۔ جس طرح خاموشی سے کوئی دل میں گھر کرجاتا ہے۔ اسی طرح بہت خاموشی سے کوئی اپنے سے پرایا بھی بن جاتا ہے۔ چند واقعات کے لیے محض کچھ لمحے ہی درکار ہوتے ہیں۔ کسی کے دل سے اترنے میں اور پھر دل کی زمین بنجر ہوجاتی ہے۔ وہاں محبت پھر کبھی پروان نہیں چڑھتی بس یادوں کی کھردری زمین رہ جاتی ہے۔

دانیہ آفرین۔ کراچی

مرد اور عورت

مرد فطرتاً ایک بچہ ہے۔ جب کسی کی چاہت میں مبتلا ہوتا ہے تو پھر اسے پانے کے لیے اس کی کیفیت ایک ایسے ضدی بچے کی سی ہوجاتی ہے جسے اپنا من پسند کھلونا ہر حال میں چاہیے ہوتا ہے اور اس کے حصول کے لیے وہ خود کو سربازار نیلام تک کرنے پر تیار ہوجاتا ہے۔

جب کہ ہمارے معاشرے کی عورت اکثر ایک ایسی خاموشی جھیل کی مانند ہوتی ہے جس میں پتھر پھینکنے سے وقتی تلاطم ضرور پیدا ہوتا ہے مگر پھر شانت ہوجاتی ہے وہ جس سے محبت کرتی ہے اسے پانا بھی چاہتی ہے مگر جب کوئی راہ دکھائی نہ دے تو حالات کے آگے ہتھیار بھی ڈال دیتی ہے۔

دعاؤں کی چھاؤں میں وہ اپنی چاہت کو نم آنکھوں سے اپنے ہی ہاتھوں کسی اور کو سونپ دیتی ہے اور اف تک نہیں کرتی۔

زارا صدف قمر۔ کراچی

دولت

دولت کا انبار کھاد اور کوڑے کے ڈھیر کی مانند ہے۔ جس شخص کے پاس یہ ڈھیر جمع رہتا ہے اس کے وجود سے اس کے گرد و نواح اور اس کی سانسوں سے بدبو کے بھبکے آتے رہتے ہیں لیکن جونہی کھاد کا یہ ڈھیر دور دور بکھیر دیا جاتا ہے اور آسمانوں سے اس پر شبنم کا نزول ہوتا ہے۔ تو اس میں سے خوب صورت رنگوں والے خوشبو دار پھول پیدا ہوتے ہیں جن کی خوشبو سے ساری کائنات مہکنے لگتی ہے۔

اشفاق احمد شہر آرند۔ صفحہ 368

ذرا سوچیے

☆ اندھیرا آپ کو اندھیرے سے باہر نہیں نکال سکتا صرف روشنی ہی ایسا کرسکتی ہے۔ نفرت آپ کو نفرت سے باہر نہیں نکال سکتی صرف محبت ہی آپ کو نفرت سے باہر نکال سکتی ہے۔

☆ جب تمہاری مخالفت حد سے بڑھنے لگے تو سمجھ لو اللہ تمہیں کوئی مقام دینے والا ہے۔

☆ عزت کے موتی پر اگر ایک بار میل آجائے تو سینکڑوں دریا بھی اسے دھو نہیں سکتے۔

☆ خوشامدیوں سے بچو وہ تمہیں کسی بھی جگہ ذلیل کرواسکتے ہیں۔ (حکیم افلیوس)

☆ اگر تم سخت محنت کے عادی ہو تو مفلسی تمہارے نزدیک نہیں آئے گی۔ (زرتشت)

☆ اپنے سے اچھے کو تلاش کر، اپنے جیسے کے ساتھ تو عمر ضائع کردے گا۔ (حضرت شیخ سعدی)

زارا صدف قمر۔ کراچی

ادارہ

ذرا پیار سے کہنا

زندگی کے رنگ

زندگی کی حسین چادر پر
رنگ موسموں کے ٹانکے تھے
جھلملاتے ستاروں کی
ڈوریوں سے کئی رنگ باندھے تھے
تیز چلتی آندھیوں سے بچا کر انہیں
حسین جگنوؤں سے باندھا تھا
رات بتنبی پھولوں سے
خوشبوؤں کو چرا کر
میں نے زندگی کو اوڑھا تھا
ایک پل کی آندھیوں نے
بکھیر ڈالا مجھے
میری حسین چادر کو
خزاں کے زرد پتوں نے
بھر دیا ایسے
تمام عمر کی تھکن
ستاروں کی جھلملاہٹ سے
دیکھتی ہے مجھے
صدیوں کی مسافت ہو جیسے
پلکوں پر دیئے جل بجھ سے گئے
پاؤں تھکن سے بھاری ہیں
صدیوں کی مسافت اوڑھ لی میں نے
اپنی حسین چادر میں
سب رنگ بجھ گئے
خاموش ہے فضا
زرد پتوں میں دب گئی
میرے سر کی حسین چادر
جنوری کی سرد راتوں میں
زندگی کی حسین چادر میں
زندگی کے رنگ باندھے تھے

صالحہ محمود

موازنہ

وہ بھی جنوری کی شام تھی
اور یہ بھی جنوری کی شام ہے
تب خوشی ساتھ تھی
اب اداسی پاس ہے
تم سنگ چائے اچھی لگتی تھی
اب کچھ بھی نہیں لگتا خاص ہے

سیدہ عروج فاطمہ

آ گئی شام غریباں

کیا کرے گی اب سکینہؑ
نیند آتی نہیں جسے، گر نہ پائے بابا کا سینہ
چاہا جس بیٹی کو حسینؑ نے جان کر خزینہ
بنا گئی شام غریباں اس خزینے کو حزینہ
قید ہو کر جو روتی رہی بابا کو پیٹ کر سینہ
پا کے بابا کا سینہ جو خاموش ہوئی سکینہؑ

رہا ہو کر جب گئے قیدی اپنے گھر مدینہ
ہائے ہائے لوٹ سکی نہ حسینؑ کی سکینہؑ

نظیر فاطمہ

نظم

بے اعتباری کی گھٹا
چھٹ جائے گی
تب میرا دل مسکرائے گا
بہاروں کے سنگ گنگنائے گا
تتلیوں کے سنگ میں اڑتی پھروں گی
ہواؤں سے میں سرگوشیاں کروں گی
وقت کی بھاگ تب
میرے ہاتھ میں ہوگی
جدھر چاہوں گی میں
تقدیر موڑ لوں گی
مگر ایسا تو صرف اسی پل ہوگا
جب دلی تمنائیں بر آئیں گی
کہ خزائیں بہاروں کا روپ دھاریں گی

مریم ماہ منیر

غزل

آسمان کی وسعتوں میں نجانے کہاں کھو گیا
وہ سیارہ جو اپنے مدار سے بہت آگے نکل گیا
تمام عمر پھر بھٹکتا ہی رہا منزل کی تلاش میں
وہ قافلہ جو اپنے سالار سے بہت آگے نکل گیا
ستاروں کے اس پار بھی شاید کوئی جہاں ہو
یہی سوچ کے میں اپنے گھر سے بہت آگے نکل گیا
وہ ہاتھ بھر کا فاصلہ مٹانے کی جستجو میں
تو تھا کہ میرے معیار سے بہت آگے نکل گیا
چاند جس کے انتظار میں جاگتا رہا رات بھر
وہ ستارہ اس کے حصار سے بہت آگے نکل گیا
تیری صدائیں خلا میں ہی کہیں گونجتی رہ گئیں
میں تھا کہ تیری پکار سے بہت آگے نکل گیا
گہرائی کی تمنا دل میں بڑھتی ہی چلی گئی
اور میں تھا کہ سمندر سے بہت آگے نکل گیا

حفصہ کنول

نظم

سنو اے جان
تم میری جاں یوں
ہی تو نہ بن گئے
سنو اے جان
تم میرے دل کی دھڑکن
یوں ہی تو نہ بن گئے
سنو جاں
اے میری جان
اے معصوم سے ہمسفر
یہ سب تو میرے پروردگار
نے میری پیدائش سے قبل
ہی میری تقدیر میں لکھ دیا تھا
تم میرا نصیب میرا مقدر
میری تقدیر ہو
سنو اے جان
تم یوں ہی تو میری جان نہیں بن گئے
دلوں میں رب نے
محبت ہی اتنی ڈال دی
کہ ہم
سنو اے جان
ہم ایک جان اور دو قلب بن گئے
اس رشتے سے حسین کوئی رشتہ
کائنات میں ہے نہیں
محبت تو ازل سے ہے
ابد تک رہے گی

سنو اے جان
تم میرا دل میری جان
میرا پیار، میری زندگی
میرا نصیب، میرا مقدر
تم یوں ہی تو نہ بن گئے

ریما نور رضوان

غزل

وہ بھولنا چاہتا تھا مگر سہارا نہ ملتا تھا!
دریا کے پار اُترنا چاہتا تھا کنارہ نہ ملتا تھا
عجب روش تھی اس بدحواس شخص کی
جو اسے چاہ لیتا تھا اسے دوبارہ نہ ملتا تھا
تمہارے بعد کبھی میں نے دیکھا تم جیسا!
بہت کچھ دیکھا مگر چہرہ تمہارا نہ ملتا تھا
موت بھی اس کے ہاتھ میں تھی میری!
لاکھ مرنا چاہا مگر اشارہ نہ ملتا تھا

فرزانہ شوکت

نظم

موبائل فونوں کے کاروبار
بھی خوب چل نکلے ہیں
مڈنائٹ پیکیج بڑا ہی
عام ہے
ہر لڑکے لڑکی کا یہ
پسندیدہ کام ہے
جب لوگوں کی رات
اور ان کی صبح ہوتی ہے
ٹک ٹک نان اسٹاپ
گوسپ چلتی ہے
اب اور میں کیا
ماجرا بیان کروں
دل کرتا ہے اپنی
نسل کی اس حالت
دیکھ کر چلو بھر پانی میں
ڈوب مروں

آسیہ مظہر چوہدری

غزل

مری زمیں پہ کوئی آسماں نہیں ملتا
غضب کی دھوپ ہے اور سائبان نہیں ملتا
ہر ایک شخص کا چہرہ ہے دل کا آئینہ
بھرے جہاں میں کوئی رازداں نہیں ملتا
اسی لیے تو مخالف ہے میری ذات کا وہ
مرے گمان سے اس کا گماں نہیں ملتا
رواں دواں ہے سمندر لہو کا چاروں طرف
زمیں پہ امن و اماں کا نشان نہیں ملتا
ہر ایک شخص کے تن پر لبادہ غم کا ہے
بھرے جہاں میں کوئی شادماں نہیں ملتا
یہ کیسا دربدری کا حکیم موسم ہے
مکین ملتے ہیں لیکن مکاں نہیں ملتا

حکیم خان حکیم

چل جھوٹے

مجھے اپنے آپ میں گم کر کے
خود آشنائی کا گلہ کر کے
اور شکایت بھی یہ کہ!
تم بے وفا ہو
محبت کرنے کا آتا نہیں سلیقہ ہم کو
دلاسہ دے کر مکر جاتے ہو
جانے کی غرض سے تم نے محبت کی
اور راستہ بدل لیا اپنا
بڑے ہی سیانے ہو تم
مجھے دغا دینے والے
چل جھوٹے

مجھے تم سے نفرت ہے

فیض احمد فیضی

اے میرے دل!

اے میرے دل چلو بھلا دیں اسے
آج کی رات مل کے ہم دونوں
تم بھلا دینا چاہتیں اس کی
میں بجھا دوں گا روشنی اُس کی
بھول جاؤ اسے اور مجھ کو بھی
خبر کر دینا اور پھر میں بھی
دھیمی کر دوں گا اس کے پیار کی لو
جلدی کرنا مگر بھلانے میں
دیر جو ہو گئی تمہیں ورنہ
یاد پھر اس کی لوٹ آئے گی

شاعر: ایلیڈ کنسن
ایس امتیاز احمد

نظم

یادوں کی کسک ہے
وحشتوں کا انبار ہے
اداسیوں کا لبادہ اوڑھے
ٹوٹے سپنوں کی
کرچیاں سمیٹے
ان گنت اشکوں
کا ساون ہے
پت جھڑ کا
طوفان لایا ہے
''جنوری''
اس بار بھی! ساتھ
دکھ، ویرانی
اور
اداسی کو
مہمان کر لایا ہے۔

شہلا گل سحر صالح

غزل

کتنا دلکش تھا جو دشوار نظر آتا رہا
مجھ کو اک عمر جو بے کار نظر آتا رہا
میں نے پرکھا ہے تیری ذات کو گہرائی تک
تیرے الفاظ سے کردار نظر آتا رہا
ہمسفر وہی بنا ہے میری ہر منزل کا
جو مجھے راہ کی دیوار نظر آتا رہا
سوچتا ہوں کہ وہ خوشیوں کو لیے ترسا کتنا
ایک مقتل جسے عہد وفادار نظر آتا رہا
پہلا پتھر بھی اسی شخص نے مارا محسن
جو مجھے اپنا طرف دار نظر آتا رہا

(محسن نقوی)
ایم جے قریشی

غزل

چلتے چلتے کہیں پر قدم رک گئے
تیری دہلیز آ کر صنم رک گئے
ہوتا بدنام تو بھی ہماری طرح
بہ زباں لفظ تیری قسم رک گئے
جب دلوں میں جگائیں ہوئی تنگ تو
آنے والے خدا کے کرم رک گئے
میں نے دنیا سے جوں ترک فریاد کی
مجھ کو درپیش رنج و الم رک گئے
میری آنکھوں سے چھلکا نہ قطرہ کوئی
ٹوٹتے ٹوٹتے کچھ بھرم رک گئے
کتنے کمزور ساجد یہ ہتھیار تھے
حکم حاکم پہ سارے قلم رک گئے

سید ساجد

☆☆

عائشہ حمد

صالحہ آپی کے نام

آداب سدا مسکرائیں، دکھوں کی پرچھائیوں سے محفوظ رہیں (آمین) آپ کے بڑے بھائی کی رحلت کا سن کر بہت افسوس ہوا۔ بھائی تو بہنوں کے مان ہوتے ہیں ان کے سر کی چھاؤں اور اچھا اور خیال رکھنے والا بھائی تو بہنوں کی چھپر چھاؤں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس غم کی گھڑی میں صبر جمیل دے۔ میرے بس میں ہو تو دکھ کا ہر لمحہ آپ کے پاس آنے سے روک دوں مگر اللہ تعالیٰ کی مصلحت کے آگے کوئی نہیں ٹک سکتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے بھائی کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ کی دعاؤں کی روشنی انہیں اس جہاں میں کامیاب اور سرخرو رکھے (آمین)۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کے ساتھ نیک اور لمبی عمر عطا فرمائے۔ (آمین)

شہلا گل سحر۔ کوہاٹ

دوستوں کے نام

سوئیٹ قمروش شہک آپ کے والد کے بارے میں پڑھ کر بہت افسوس ہوا ہم دل سے آپ کے دکھ میں شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر وجمیل عطا فرمائے اور مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ (آمین) شازیہ جی آپ کی والدہ کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور آپ لوگوں کو صبر وجمیل عطا کرے۔ ثناء کنول، فریدہ، صبا عبدالغنی کہاں ہو۔ یار کب حاضر ہوں گے سندیسے کی محفل میں رنگ بھرنے کے لیے بہت مس کر رہی ہوں تم سب کو کم بیک یار۔

رابعہ افضال خان۔ کراچی

فرینڈز کے نام

طیبہ عنصر مغل، عقیلہ حق، سیدہ عروج فاطمہ، نائلہ بنت باجوہ، کبری نوید، نائلہ عباسی، کنول خان، انعم خان، ایقان علی، رضوانہ آفتاب کاشف، جہانہ آفتاب، صبا فہد چوہدری، زینب ملک ندیم، قرۃ العین سکندر، سحرش فاطمہ، ندا حسنین، نادیہ اختر بلوچ، ریحانہ آفتاب، ریحانہ اعجاز، فہمیدہ غوری، منتہیٰ آرائیں، افشاں علی، افشاں شاہد، نگہت یاسمین، ثناء شہزاد، فاطمہ عبدالخالق، کائنات غزل، عروشمہ خان عروبش، ثمینہ کنول، عدیلہ سلیم، عریشہ خان، سعدیہ عابد، قمروش، دانیہ آفرین امتیاز، ڈاکٹر صبا خان، مہناز یوسف، صباحت رفیق چیمہ، فرح طاہر، فرح بھٹو آپ سب دوستوں اور جن دوستوں کے نام رہ گئے معذرت سب کی صحت و سلامتی کے لیے۔

ضروری تو نہیں تم میری نگاہ میں رہو
بس دعا ہے جہاں رہو خدا کی پناہ میں رہو

یہ شعر آپ سب کی دوستی کے نام محض شعر

نہیں دلی دعا ہے۔

ریما نور رضوان

اپنے ہسبینڈ کے نام

یوں تو سبھی رشتے پیارے ہوتے ہیں اور ہر تعلق ہی خوب صورت و دیرپا مگر آپ سے شادی اور محبت میری زندگی کو ایک نیا عنوان دے گئے ہیں۔ میرے لیے سب سے مہربان اور خوب صورت ساتھ آپ کی ذات ہے آپ کے ساتھ عمرے کی سعادت حاصل کر کے میری ایک دیرینہ خواہش پوری ہوئی۔ میری رب سے یہ دعا ہے کہ اللہ آپ کا اور میرا ساتھ میرے آخری سانس تک یوں ہی قائم دائم رکھے، آمین۔ اور آپ کی محبتوں اور مان بھرا ساتھ یوں ہی سدا حاصل رہے۔ (آمین)

نوشین مدثر۔ لاہور

زیبا بھابی اور بھائی کے نام

میرے پیارے سے بھائی وہاج اور بھابی کو ننھی سی پری ایشل کی آمد کی بہت بہت مبارک باد۔ میری دعا ہے کہ اللہ ایشل کو صحت والی لمبی زندگی عطا کرے اور اس کے نصیب بہت اچھے کرے آمین۔ آپ دونوں کو ایک بار پھر میری طرف سے بہت بہت مبارک ہو۔

صبا۔ ہارون آباد

آویز فخر کے نام

ضروری تو نہیں میری نگاہوں میں رہو
بس میری دل سے دعا ہے کہ رب کی پناہوں میں رہو

میں تم سے کچھ نہیں مانگتی آویز بس مجھے برا نہیں سمجھو۔ تم سے محبت بھی نہیں مانگتی تم جہاں رہو آباد رہو۔ تم میرا فخر ہو اس لیے تمہارے نام کے آگے فخر لگایا ہے میری زندگی کے دائرے میں صرف ایک نام گھومتا ہے صرف آپ کا نام آویز فخر۔ آویز احمد میری دل سے دعا ہے کہ تم ترقی کرو۔ تمہاری ساری خواہشیں پوری ہوں رب پاک ہدایت عطا فرمائے۔ بس زہریلی چھالیا کھانا چھڑوا دے۔ ورنہ صحت برباد ہو جائے گی۔ اللہ حافظ۔

سمیرا بنت یوسف۔ کراچی

عدنان کے نام

بچھڑ جائیں گے ہم لیکن
ہماری یاد کے جگنو
تمہاری شب کے دامن میں
ستارہ بن کر چمکیں گے
تمہیں بے چین رکھیں گے
بہت مصروف رکھنے کے بہانے تم بناؤ گے
بہت کوشش کرو گے تم
کہ اب موسم جو بدلیں تو
ہماری یاد نہ آئے
مگر ایسا نہیں ہوگا
کہیں جو سرد موسم میں
میرے ماضی کو سوچو گے
تو آنکھیں بھیگ جائیں گی
گھڑی پیچھے کو دوڑے گی
کئی سالوں سے گمشدہ
ہماری یاد آئے گی
بچھڑ جاؤ مگر سن لو
ہماری درمیان ایسی کوئی تو
بات بھی ہوگی، جسے تم یاد رکھو گے
مجھے تم یاد رکھو گے

(احمد رضا ہاشمی)

آمنہ عدنان۔ لیہ

☆☆

ثریا اقبال

کچن

بھنڈی کڑاہی

اجزاء:

بھنڈی : آدھا کلو
ٹماٹر : ایک پاؤ
شملہ مرچ : ایک عدد (چوکور ٹکڑوں میں کاٹ لیں)
سفید زیرہ پاؤڈر : چائے کا ایک چمچہ
لال مرچ پاؤڈر : چائے کا ایک چمچہ
گرم مسالا پاؤڈر : چائے کا ایک چمچہ
دھنیا پاؤڈر : چائے کے دو سے تین چمچے
ہری مرچ (کٹی ہوئی) : کھانے کا ایک چمچہ
تیل : ایک پیالی

ترکیب: بھنڈی کو ایک انچ کے ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ تیل گرم کریں اور تیل میں فرائی کر لیں پھر انہیں نکال لیں اور اسی تیل میں باریک کٹے ٹماٹر ڈال کر فرائی کریں۔ ساتھ ہی شملہ مرچ کے ٹکڑے شامل کر دیں۔ جب یہ بھن جائیں اور تیل چھوڑ دیں تو بھنڈی شامل کریں۔ ساتھ ہی سفید زیرہ، لال مرچ، گرم مسالا، دھنیا پاؤڈر، ہری مرچ بھی ڈال دیں اور دو منٹ فرائی کریں۔ ہرا دھنیا اور ہری مرچ ڈال کر اتار لیں اور گرم گرم چپاتی یا پراٹھوں کے ساتھ سرو کریں۔

بگھارے بینگن

ضروری اشیاء:

بینگن (چھوٹے سائز کے) : آدھا کلو
(دھو کر ٹھنڈے پانی میں بھگو دیں)

بینگن بھرنے کا مسالا:

ثابت دھنیا : کھانے کے دو چمچے
خشخاش : کھانے کا ایک چمچہ
ہری مرچ : چار عدد
کھوپرا : ایک چھوٹا سا ٹکڑا
سفید تل : کھانے کے دو چمچے
سفید زیرہ : کھانے کا ایک چمچہ
مونگ پھلی : دس دانے
(ان سب چیزوں کو توے پر سنہرا بھون کر باریک پیس لیں۔)

[illegible] : ایک گٹھی
لہسن ثابت چولہے پر جلا لیں پھر چھلکا اتار کر باریک پیس لیں اور دیگر اجزاء میں ملا کر آمیزہ بنا لیں

سالن کے لیے:

پیاز : چار عدد (کچی پیس لیں)
ہلدی : چائے کا ایک چمچہ
لال مرچ (پسی ہوئی) : کھانے کا ایک چمچہ
کلونجی : چائے کا ایک چمچہ
املی کا رس : ایک پیالی
ادرک لہسن (پسا ہوا) : کھانے کا ایک چمچہ

Ridadigest.com

نمک : حسب ذائقہ
کڑی پتہ : چند پتے
ہری مرچ ثابت : چار عدد

بگھار کے لیے:

سفید زیرہ : چائے کا ایک چمچہ
میتھی دانہ : چھ سے سات دانے
تیل : ڈیڑھ پیالی
لال مرچ ثابت : چھ سے آٹھ عدد
کڑی پتہ : چند پتے

ترکیب: پہلے سے تیار کیے ہوئے چیزوں میں تھوڑا سا پانی ڈال کر چٹنی کی طرح بنا لیں۔ اب بھیگے ہوئے بینگن کا پانی نکال دیں۔ دوبارہ سے دھو کر ہر ایک بینگن میں چھٹے حصے پر کراس کا نشان سا بنا کر چیرا لگا لیں دھیان رہے کہ ہری ڈنڈی نہ کاٹیں۔ تھوڑا سا کٹ لگائیں پھر چٹکی بھر نمک بینگن کے اندر رکھیں پھر بنا ہوا مسالا بھر دیں اور ہلکے ہاتھ سے بینگن کو دبا کر بند کر دیں۔ سارے بینگن اسی طریقے سے بھر کے رکھ لیں۔ بچا ہوا مسالا ایک طرف رکھ دیں۔ ایک بڑی پتیلی میں تیل گرم کریں پھر بگھار کے مسالے ڈال کر سیاہ کر لیں۔ جب یہ سیاہ ہو جائیں تو پسی ہوئی پیاز ڈال کر ہلکا گلابی کریں پھر سرخ مرچ، ہلدی، ادرک اور لہسن ذرا پانی کے ساتھ ڈال کر بھونیں۔ بینگن ڈال دیں اور نمک ڈالیں۔ ساتھ ہی ایک گلاس پانی ڈال کر ڈھکن ڈھانپ کر ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔ جب بینگن گل جائیں تو املی کا رس، کڑی پتہ، بچا ہوا بھرنے والا مسالا، ہری مرچ اور کلونجی ڈال کر ہلکی آنچ پر دم پر رکھ دیں۔ جب تیل اوپر آ جائے تو بگھارے بینگن تیار۔ بینگن ڈالنے کے بعد چمچہ بالکل نہ چلائیں۔ کپڑے سے پکڑ کر پتیلی کو ایک یا دو بار ہلا دیں۔

بلیک فارسٹ کیک

اجزاء

میدہ : آدھی پیالی
کوکو پاؤڈر : ایک چوتھائی پیالی
بیکنگ پاؤڈر : چائے کا ایک چمچہ
شکر : آدھا پاؤ
انڈے : تین عدد
ونیلا ایسنس : چائے کا ایک چمچہ
کریم (پھینٹ لیں) : دو پیالی
چاکلیٹ (کدوکش کر لیں) : ایک پیالی
چیری : ایک کین (نتھار کر چوپ کر لیں)
شوگر سیرپ : ایک پیالی

ترکیب: میدہ، بیکنگ پاؤڈر اور کوکو پاؤڈر کو ایک ساتھ ملا کر دو مرتبہ چھان لیں۔ اب ایک برتن میں پانی گرم کریں۔ اب اس ابلتے ہوئے پانی میں حرارت برداشت کرنے والا ایک برتن رکھ کر اس میں انڈے، ونیلا ایسنس اور شکر گاڑھا ہونے تک پھینٹ لیں۔ اب اس میں میدہ اور کوکو پاؤڈر اور تھوڑا سا پانی ڈال کر ذرا گاڑھا بیٹر بنا لیں۔ اب کیک ٹن کو تیل لگا کر چکنا کر لیں اور اس میں یہ کیک والا بیٹر ڈال کر پہلے سے گرم اوون میں 200 ڈگری پر بیس منٹ کے لیے بیک کریں۔ اب کیک کو اوون میں سے نکال کر گولائی میں کیک کو ایک مرتبہ کاٹیں تاکہ دو گول حصے ہو جائیں۔ کیک کی نچلی تہہ پر شوگر سیرپ چھڑک کر اس کے اوپر تھوڑی سی چاکلیٹ اور چوپ کی ہوئی چیزیں ڈال کر پھیلائیں۔ اب اس کے اوپر کیک کی دوسری تہہ رکھ کر اس پر بھی پہلے شوگر سیرپ، کریم اس کے بعد چاکلیٹ اور آخر میں چیریز ڈال کر پھیلائیں پھر کیک کے اوپر کریم اچھی طرح پھیلا دیں۔ کیک کے اطراف باریک اور چھوٹی کدوکش کی ہوئی چاکلیٹ لگائیں۔ چاہیں تو کریم کے اوپر پائپنگ بیگ پھول بنائیں اور ان پر بھی چیریز سجا دیں۔

Ridadigest.com

چلی گارلک ایگ نوڈلز

اجزاء

ایگ نوڈلز : ایک پیکٹ (ابال لیں)
ٹماٹو پیسٹ : آدھا کپ
چلی گارلک ساس : آدھا کپ
چینی : ایک کھانے کا چمچہ
نمک : حسب ذائقہ
شملہ مرچ : ایک عدد (باریک کٹی ہوئی)
چیڈر چیز : آدھا کپ
ہری پیاز کے پتے (باریک کٹے ہوئے) : دو کھانے کے چمچے
تیل یا مکھن : تین کھانے کے چمچے

ترکیب: پین میں تیل یا مکھن گرم کریں اس میں نوڈلز فرائی کریں۔ اس کے بعد اس میں ٹماٹو پیسٹ، چلی گارلک ساس، چینی، نمک ڈال کر ہلکا سا تل لیں یہاں تک کہ تمام اجزاء اچھی طرح سے مل جائیں اس میں شملہ مرچ ملا کر پانچ منٹ مزید اس کو ملائیں۔ ڈش میں نکال لیں اوپر سے چیڈر چیز کش کیا ہوا اور ہری پیاز کے پتے ڈالیں، کیچپ کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔ چیڈر چیز کے بغیر بھی یہ ڈش بنائی جاسکتی ہے۔

وائٹ چکن اسپیگھٹی

اجزاء

چکن (بون لیس) : آدھا کلو
یخنی : ایک کپ
اسپیگھٹی (ابال لیں) : ایک پیکٹ
مشروم (سلائس کاٹ لیں) : ایک ٹن
کالی مرچ پاؤڈر : حسب ذائقہ
کریم : ایک پیکٹ
شملہ مرچ (چوپ کرلیں) : ایک عدد
مکھن : سو گرام
لہسن : ایک کھانے کا چمچ
پیاز (باریک کٹی ہوئی) : ایک عدد (درمیانی)
لیموں کا رس : دو کھانے کے چمچے

ترکیب: مکھن گرم کریں، پیاز اور لہسن ڈال کر نرم کریں، اس کے بعد چکن ڈال کر فرائی کریں، کچھ دیر بعد مشروم ڈال کر فرائی کریں۔ اس میں یخنی، کالی مرچ پاؤڈر ڈال کر دم دیں، جب یخنی خشک ہو جائے تو کریم ڈالیں اور اچھی طرح مکس کر کے اس میں لیموں کا رس ڈال دیں۔ دو منٹ ہلکی آنچ پر پکائیں۔ ڈش میں بوائل اسپیگھٹی ڈالیں، اس پر وائٹ چکن ڈالیں اور اوپر سے شملہ مرچ سے سجا کر سرو کریں۔ کریم کی جگہ بالائی بھی ڈالی جاسکتی ہے۔

نمک گوشت

اجزاء:

گائے کا گوشت : ایک کلو
لہسن ادرک پیسٹ : دو کھانے کے چمچے
ہلدی : ایک چمچہ
پسی کالی مرچ : ایک کھانے کا چمچہ
لال کٹی مرچ : آدھا کھانے کا چمچہ
ہری مرچیں : چار سے پانچ
لیموں : تین سے چار

ترکیب: گائے کا چربی اور ہڈی ملا گوشت لے لیں۔ ایک کھلے منہ والی دیگچی میں گوشت ڈال کر پانی اتنا ڈالیں کہ گوشت اچھی طرح ڈوب جائے پھر اس میں نمک، لال کٹی مرچ، پسی کالی مرچ اور ہری مرچیں ڈال کر دھیمی آنچ پر چڑھا دیں۔ جب پانی خشک ہو جائے اور گوشت اچھی طرح گل جائے تو اسے بھونیں دو سے تین منٹ کے لیے پھر ادرک اور لیموں چھڑک کر گرم گرم نان کے ساتھ نوش فرمائیں۔

.....☆.....

سنگھار

سردیوں کی آمد کے ساتھ ہی ہوا میں نمی کا تناسب کم ہو جاتا ہے۔ جس کا اثر ہماری جلد پر پڑتا ہے اور جلد کھردری اور خشک ہونے کے ساتھ پھٹنے لگتی ہے۔ ماہرین کے مطابق سرد موسم میں جلد کی حفاظت پر تھوڑی سی توجہ دے کر اس کی خوب صورتی اور نکھار میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ ماہرین امراض جلد کے مطابق زیادہ دیر تک گرم پانی سے نہانا بھی خشکی کا باعث بنتا ہے اس لیے سرد موسم میں غسل کرتے وقت اس بات کا دھیان رکھیے کہ پانی نیم گرم ہو اور غسل کا دورانیہ بھی دس منٹ سے زیادہ نہ ہو اس کے علاوہ جلد کی حفاظت کے لیے نہانے سے پہلے پانی میں بے بی آئل یا کوئی تیل لے کر اس کے چند قطرے ڈال دیں اور سرسوں (کھوپرے کے تیل سے جسم پر مالش کریں یہ طریقہ جلد کو شاداب رکھنے میں انتہائی معاون ہوتا ہے اس کے علاوہ نہانے کے بعد بدن اچھی طرح خشک کرلیں اور کسی اچھے سے باڈی لوشن سے مساج کریں روزانہ رات سونے سے قبل منہ دھو کر اچھی سی کولڈ کریم لگانا بھی فائدہ مند ہے۔

سردیوں میں صابن کا استعمال کم کرنا چاہیے کیونکہ اس سے جلد کی قدرتی نمی میں کمی ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ صابن کو جسم پر زیادہ رگڑنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ اس طرح جلد پھٹنے اور متاثر ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق چہرے کی صفائی کے لیے بیسن کا لیپ بہترین طریقہ ہے جس سے چہرہ چکنائی سے پاک اور فریش ہو جاتا ہے اگر کسی شخص کی جلد قدرتی طور پر خشک ہو تو اس کے لیے صابن سے پاک موسچرائزر کا استعمال بھی فائدہ مند ہوسکتا ہے۔ جن لوگوں کی جلد نازک ہوتی ہے سردیوں کے موسم میں ان کے ہاتھوں کی جلد بہت اترتی ہے اس کے لیے ایک گلاس گلاب کے عرق میں دو چمچے گلیسرین ایک بڑے لیموں کا رس ملا کر کسی بوتل میں محفوظ کرلیں رات کو سوتے وقت مساج کریں اور صبح دھولیں اور کوئی اچھا سا لوشن لگالیں۔

سردیوں میں جلد کو تر و تازہ اور شاداب رکھنے کے لیے رات کو سوتے وقت معیاری کولڈ کریم اور موسچرائزر کا استعمال کرنے سے جلد میں ضروری نمی برقرار رہتی ہے اور یہ طریقہ اسے سرد موسم کے اثرات سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ ماہرین کے مطابق سرد موسم میں جلد کو تر و تازہ رکھنے کے لیے زیادہ پانی پینا چاہیے۔ سردیوں میں مالٹے، سنگترے، گاجر، مولی اور دیگر موسمی پھلوں سے بھی جسم میں پانی کی کمی پوری کی

Ridadigest.com

جاسکتی ہے اور پانی سے ہم اپنی جلد کے لیے ضروری نمی حاصل کرسکتے ہیں۔ اس طرح جلد کی شادابی برقرار رہتی ہے اور جلد موسم کے اثرات سے محفوظ رہتی ہے۔

موسم کوئی بھی ہو پانی جسمانی درجہ حرارت کو اعتدال میں رکھتا ہے جدید دنیا میں ماحولیاتی آلودگی کی وجہ سے ہماری جلد متاثر ہوتی ہے جسم اور چہرے کی جلد کو تر و تازہ رکھنے کے لیے زیادہ پانی پینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پانی پینے سے چہرے پر خاص قسم کی چمک آجاتی ہے جس سے آپ کی جلد تازہ اور خوب صورت نظر آتی ہے اور چہرے کے کیل مہاسوں کا بھی خاتمہ ہوجاتا ہے اور چہرہ نکھرا سا نظر آتا ہے۔ چہرے اور ہاتھوں میں پانی پینے سے نمی برقرار رہنے میں مدد ملتی ہے جس کے لیے اکثر لوگ موسچرائزر رنگ لوشن، کریم اور شیمپو استعمال کرتے ہیں۔

ماہرین روزانہ 10 سے 12 گلاس پینا لازمی قرار دیتے ہیں۔

جلد کو نرم و ملائم بنانے کے ساتھ ساتھ اچھی غذا بھی ضروری ہے۔ شہد، پھل اور لیموں میں تقریباً وہ تمام اجزاء موجود ہوتے ہیں جو نہ صرف انسانی نشوونما، بلکہ افزائش حسن کے لیے اہم ہیں لہٰذا اپنی جلد کی حفاظت باقاعدگی سے کریں، تاکہ حسن و صحت برقرار رہ سکے۔

جلد کو نرم و ملائم رکھنے کے لیے روزانہ رات کو روغن زیتون میں لیموں کا رس ملا کر چہرے اور گردن کی مالش کریں اور صبح منہ دھولیں۔

بدن کے داغ دھبوں پر عرق گلاب 100 ملی لیٹر میں لیموں کے رس کے دو چائے کے چمچے ملا کر چند دن مالش کریں۔ جلد صاف ہوجائے گی۔

کھیرا جلد کے لیے بہترین ہے۔ کھیرے کے پتلے ٹکڑوں کو اپنے چہرے پر لگائیں اور کچھ دیر آرام کریں تاکہ کھیرے میں موجود قدرتی تیل کو جلد اپنے اندر جذب کرلے۔

کچا دودھ رات کو سونے سے پہلے چہرے پر لگائیں اور آدھے گھنٹے کے بعد دھولیں۔ چہرہ نرم اور ملائم ہوجائے گا۔

پسے ہوئے بادام لیں، ایک چمچہ عرق گلاب شہد ایک چمچہ ملا کر چہرے پر لگائیں اور نیم گرم پانی سے چہرہ دھولیں۔

دہی میں لیموں کا پانی ملا کر چہرے پر لگائیں۔ ایک خاص قسم کی چمک، دل کشی اور تازگی محسوس ہوگی۔

دال مسور، گائے کے دودھ اور کیلے کے گودے کے ساتھ پیس کر ابٹن کی طرح تین دن تک لگانے سے مہاسے دور ہوجاتے ہیں۔

گندھک کو دودھ میں بھگو دیں۔ سوتے وقت چہرے پر لگا کر مساج کریں، صبح کچے دودھ میں پانی ڈال کر منہ دھوئیں۔

سنگترے کے چھلکوں کا ایک چمچہ سفوف، عرق گلاب میں ملا کر چہرے پر لگانے سے جھائیاں دور ہوجائیں گی اور جلد ملائم و پرکشش نظر آئے گی۔

عرق گلاب میں چائے کے چار چمچے، گلیسرین اور لیموں کا رس دو دو چمچے ملالیں، منہ دھونے کے بعد چہرے اور ہاتھوں پر لگائیں۔

.....☆.....